سیاسی مغالطوں سے پاک اور تاریخی صداقتوں کی آئینہ دار

کشورِ کشمیر کی
پانچ ہزار سالہ تاریخ

جی ایم میر

سیاسی مغالطوں سے پاک اور تاریخی صداقتوں کی آئینہ دار

کشورِ کشمیر

کی

پانچ ہزار سالہ تاریخ

جی ایم میر

رائل پبلشنگ کمپنی

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اِس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر شائع کرنا، تقسیم کرنا، یا کسی بھی شکل، یا کسی بھی ذریعے، مثلاً فوٹو کاپی، سکین، تصویر، ریکارڈنگ، یا انٹرنیٹ وغیرہ سے پھیلانا قانوناً جرم ہے۔ ماسوائے، اِس کتاب کا کوئی حصہ تحقیقی مقالہ جات یا دیگر غیر تجارتی ضرورت کے لیے مکمل حوالے کے ساتھ اقتباس کی صورت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے فرد/ ناشر/ ادارے کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

اشاعت چہارم ۲۰۱۲ء

م ی ر   میر، جی ایم

کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ / جی ایم میر۔

راولپنڈی: رائل پبلشنگ کمپنی، ۲۰۱۲ء

۳۰۰ ص

MIR   Mir, G. M.

Kishwar e Kashmir ki Panch Hazar Sala Tareakh/ by G. M. Mir.- Rawalpindi: Royal Publishing Company, 2012

300 p.

ISBN: 978-969-611-002-6

رائل پبلشنگ کمپنی

- + 92 51 554 1452
- + 92 300 520 5746
- royalbooks@ymail.com
- www.theroyalbooks.com.pk

فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

آزاد کشمیر میں اِس کتاب کے تقسیم کار

- آزاد بک لینڈ، بنک روڈ، مظفر آباد، آزاد کشمیر   • 05822 - 442752

انتساب:

ارضِ وطن کی اُس باشعور اور پُرعزم نسل کے نام جو کشورِ کشمیر کی عظمت رفتہ کی بحالی کے بعد آج کی آزاد اقوام میں اسے عزت و احترام کا وہ اعلیٰ مقام دلائے گی جو ہزاروں سال اس کا مقدر رہا ہے۔

A HISTORIAN

**That noble mind is worthy
of praise whose word,
like that of a judge, keeps
free from love or hatred
in relating the facts of the past.**

Pandit Kalhan

ایک مورخ

وہ شریف النفس انسان
تعریف وتوصیف کے قابل ہے،
جو ماضی کے حقائق کو قلمبند کرتے وقت
ایک منصف کی طرح
محبت یا نفرت سے مبّرا رہے۔

پنڈت کلہن

کشمیر۔۔عہد بہ عہد

- قدیم زمانے میں یونانی کشمیر کو کیسپیر یا(Kaspeiria) کے نام سے پکارتے تھے۔
- هیروڈوٹس نے اپنے کلاسیکی لٹریچر میں اسے کیسپا تائیروس(Kaspatyros) کا نام دیا ہے۔
- ھیکاتایوس(Hekataios) نے کیسپالائیروس یا کیسپاپائیروس کا نام دیا ہے۔
- 578ء میں چینی سیاحوں تو ینگ(To Yeng)اور سُنگ یان (Sung Yan) نے اسے شئی می(Shie Mi) کا نام دیا ہے۔
- 631ء میں اسے ھیون تسانگ(Hieun Tsang) نے کیاشی می لو (Kia Shi Mi Lo) کا نام دیا۔
- کشمیری اور گلگتی اسے کشیر (Kasheer) کہتے ہیں۔
- تبتی زبان میں یہ کھچل (Khachal) کہلاتا ہے اور
- دردلوگ اسے کشروٹ(Kashrot) کہتے ہیں۔

پی این کے بامزئی
''پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہسٹری آف کشمیر'' جلداوّل۔صفحہ 4

فرنگی استعمار سے قبل کا برصغیر

برطانوی سامراج کی آمد سے قبل پندرہ صدیوں کے دوران ہندوستان چھوٹی بڑی بادشاہتوں کی بڑی تعداد میں منقسم تھا۔ جن میں سے چند مستثنیات کو چھوڑ کر بقیہ سب بے لگام قسم کے مطلق العنان حکمران تھے، جن کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں شخصی آزادی کا برائے نام تصور تک نہ تھا۔ عوام الناس کیلئے کوئی شہری حقوق نہ تھے اور نہ ہی آج کل کے زمانے کی طرح کا انصاف کا کوئی تصور تھا۔ برطانوی حکومت نے نہ صرف یہ کہ تاریخ میں پہلی بار برصغیر ہندوستان کو متحد کر کے ایک مرکزی حکمرانی کے دائرہ میں لایا، بلکہ یہاں دیوانی اور فوجداری قوانین نافذ کئے جو کہ سب لوگوں پر یکساں طور پر لاگو ہوتے تھے۔ انہوں نے ملک میں نظم وضبط قائم کیا۔ انہوں نے روشن خیالی کو فروغ دیا، سائنس اور ٹیکنالوجی کو متعارف کرایا، صنعتیں قائم کیں اور مغرب کی طرح خودمختار اداروں کا قیام عمل میں لایا اور اس طرح ایک جمہوری ریاست کی بنیاد رکھی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز

’’شیڈو آف رام راجیہ اوور انڈیا (Shadow of Ram Rajia over India)‘‘

فہرست مندرجات

نمبر شمار	باب کا عنوان		صفحہ نمبر
	اظہارِ ناشر	ممتاز احمد ہاشمی	13
	یہ کتاب۔ میری رائے میں	سلیم خان گمی	17
	حرفِ جواز	مصنف	21
باب:1	تاریخ ایک سائنس		23
باب:2	کشمیر میں تاریخ نویسی		31
باب:3	کشمیر کی عہد عتیق کی تاریخ		49
باب:4	سیاسی تاریخ کا آغاز		57
باب:5	سکندر اعظم کی یلغار		63
باب:6	بدھ مت کی آمد۔ اشوک کا دورِ حکومت		71
باب:7	کشن خاندان کا عروج۔ کنشک کا عہدِ حکومت		75
باب:8	مہر گل کا عروج و زوال		79
باب:9	کارکوٹ خاندان۔ عظیم فاتح للتادت		81
باب:10	کشمیر کی چند نامور خواتین		87
باب:11	اونتی ورمن۔۔۔ معاشی ترقی کا دَور		101
باب:12	محمود غزنوی کے حملے		105
باب:13	مسلم دَور کی ابتداء اور تبلیغی سرگرمیاں		107
باب:14	کشمیر میں مسلم حکمرانی کا آغاز		115
	(الف) شاہمیری خاندان کا دوسو سالہ دورِ حکومت		117
	(ب) چک خاندان کی 32 سالہ حکمرانی		131
باب:15	تاریخ کشمیر کا ایک قابلِ غور پہلو		145

فہرست مندرجات

صفحہ نمبر	باب کا عنوان	نمبر شمار
153	مغلوں کی مسلسل جارحیت اور کشمیر کی غلامی کا آغاز	باب:16
161	مغل حکمرانی کا دور 1586ء سے 1752ء	باب:17
	کشمیر کی تاریخ کا سیاہ ترین دَور	باب:18
183	(الف) افغانوں کا 66 سالہ دَور استبداد	
193	(ب) رنجیت سنگھ کی سِکھا شاہی	
209	ڈوگرہ حکمرانی کا ایک سو سال	باب:19
223	مہاراجہ ہری سنگھ کا ہنگامہ خیز دَور	باب:20
243	مہاراجہ ہری سنگھ پر بھارت کا بڑھتا ہوا دباؤ	باب:21
255	قبائلی حملہ آوروں کی یلغار	باب:22
265	پاکستان کی جانب کیا ہو رہا تھا؟	باب:23
271	تاریخ کا انتقام	باب:24
281	کشورِ کشمیر اور اسکے پڑوسی ممالک	باب:25
285	غیر یقینی صورتحال کا طویل دورانیہ	باب:26
291	کشمیر کے قومی پرچم۔ عہد بہ عہد	باب:27
295	حرفِ آخر یاد آئے کشمیر بہت	
297	کتابیات (اُردو)	
298	کتابیات (اُردو)	
299	**Bibliography**	
300	کشمیر۔۔ گیان دھیان اور دھرم کا ساگر	
301	مصنف کی دیگر تصانیف	

فہرست نقشہ جات

نقشہ نمبر	تفصیل	صفحہ نمبر
1.	326 قبل مسیح۔ سکندر اعظم کی یلغار	68-A
2.	250 قبل مسیح۔ اشوک کی سلطنت	72-A
3.	دوسری صدی عیسوی۔ کشن سلطنت	76-A
4.	500 عیسوی۔ سفید ھنوں کی سلطنت	80-A
5.	ساتویں صدی کا جنوبی ایشیاء	84-A
6.	11ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	106-A
7.	14ویں صدی کا آغاز	118-A
8.	14ویں صدی کا آخر	122-A
9.	15ویں اور 16ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	128-A
10.	17ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	164-A
11.	1700ء کا جنوبی ایشیاء	168-A
12.	18ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	184-A
13.	1805ء کا جنوبی ایشیاء	188-A
14.	1823ء کا جنوبی ایشیاء	196-A
15.	1848ء کا جنوبی ایشیاء	212-A
16.	1856ء کا جنوبی ایشیاء	216-A
17.	20ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	230-A

فہرست نقشہ جات

نقشہ نمبر	تفصیل	صفحہ نمبر
.1	326 قبل مسیح۔سکندر اعظم کی یلغار	68-A
.2	250 قبل مسیح۔اشوک کی سلطنت	72-A
.3	دوسری صدی عیسوی۔کشن سلطنت	76-A
.4	500 عیسوی۔سفید ھنوں کی سلطنت	80-A
.5	ساتویں صدی کا جنوبی ایشیاء	84-A
.6	11ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	106-A
.7	14ویں صدی کا آغاز	118-A
.8	14ویں صدی کا آخر	122-A
.9	15ویں اور16ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	128-A
.10	17ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	164-A
.11	1700ء کا جنوبی ایشیاء	168-A
.12	18ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	184-A
.13	1805ء کا جنوبی ایشیاء	188-A
.14	1823ء کا جنوبی ایشیاء	196-A
.15	1848ء کا جنوبی ایشیاء	212-A
.16	1856ء کا جنوبی ایشیاء	216-A
.17	20ویں صدی کا جنوبی ایشیاء	230-A

اظہارِ ناشر

پچاسی ہزار میل پر پھیلی ہوئی سر بفلک پہاڑوں، برفپوش چوٹیوں، مرغزاروں، آبشاروں، جھرنوں اور دلفریب جھیلوں والی ریاست جموں کشمیر کی تاریخ پر سینکڑوں کتابیں مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ڈھیروں کتابیں موجود ہونے کے باوجود محترم جی۔ ایم۔ میر نے زیر نظر کتاب ''کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ'' لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی، اس پر مختصراً عرض کرنا ضروری ہے۔

بلاشبہ جموں کشمیر کی تاریخ پر کئی نامور مصنفین اور مؤرخین نے بڑی وقیع، ضخیم اور مطوّل کتب تحریر کر کے مفید اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی ہیں اور ہزاروں سال کی علمی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی زندگی کو ماضی کے اندھیروں سے نکال کر حال کی روشنی میں لے آئے ہیں ان نامور مؤرخین اور محققین میں پنڈت کلہن، مرزا حیدر دوغلات، آنند کول، بامزئی، محمد دین فوق، پنڈت پریم ناتھ بزاز، کے ایم پانیکر، ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈی۔ صوفی، ایم۔ اے سٹین اور سر فرانسس ینگ ہسبینڈ جیسے نابغۂ روزگار حضرات شامل ہیں۔ ماضی کے تمام مورخین اور اہل قلم کے شہہ پارے ہمارے لیے بے پناہ علمی، ثقافتی اور تاریخ ذخیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملکوں اور قوموں کی تاریخ کو محض سلاطین کے خاندانوں، حکمرانوں کی جنگوں، فتوحات یا بالا دست مخصوص طبقوں کے ذکر تک محدود رکھنا درست نہیں ہے۔ اس طرح کی تاریخ نویسی محدود نکتہ نظر اور تنگ نظری پر مبنی اور صرف حکومتی درباروں کی رسومات کا اظہار بن کر رہ جاتی ہے۔ مؤرخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوم کے تمام گروہوں، طبقات اور عوامل کو زیر قلم لا کر عوام کی حقیقی معاشرتی اور سیاسی جدوجہد کو سامنے لائے۔ جہاں کوئی بحران نظر آئے تو اس کے پسِ پردہ موجود اسباب وعوامل کی روشنی میں تجزیہ کر کے اصل حقائق کو سامنے لائے۔ اس طرح لوگ ماضی کی روایات کے اسیر بن کر رہنے کے بجائے ذہنی نشونما پاتے ہیں اور قومی شعور سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ تاریخ کا کام عوام کے شعور کو فروغ دینا اور اس کی فکر میں وسعت پیدا کرنا ہے۔ اگر حقائق کو چھپایا جائے یا ان کی چھان پھٹک کیے بغیر واقعات بیان کر دیئے جائیں یا اسے مخصوص طبقات کی کشمکش کے ذکر تک محدود رکھا جائے تو تاریخ محض ماضی کا غیر دلچسپ بیانیہ بن کر رہ جاتی ہے جو کوئی مثبت تحریک پیدا نہیں کر سکتی۔

میر صاحب نے اس سے قبل جموں کشمیر کی سیاسی، تاریخی، ثقافتی اور معاشی پہلوؤں پر کئی کتب اور مقالات تحریر کیے ہیں لیکن ان کی تازہ تصنیف تاریخ پر ایک منفرد اور گرانقدر کتاب ہے۔ میر صاحب نے جانکسل محنت، فکری صداقت اور دیانت کے ساتھ مدتِ مدید تک اس پر کام کیا۔ واقعات اور حقائق کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ملکی اور غیر ملکی لائبریریوں میں وقت صرف کیا۔ مخدوش صحت کے باوجود دور دراز کی صعوبتیں برداشت کیں اور یوں اپنی تاریخی تحقیقات کا نچوڑ سامنے لائے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کی آویزش نے جموں کشمیر کے جن قومی جذبات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، میر صاحب نے انتہائی عرق ریزی سے ان کو منکشف کر کے اور تجزیہ کر کے کتاب پڑھنے

والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

جموں کشمیر کی تاریخ کے طالبِ علم، علمی ذوق کے حامل، بنیادی نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کرنے کے متمنی اور اپنے قومی ورثہ کے شائقین کسی ایک جامع کتاب کے متلاشی تھے جس میں جموں کشمیر کے قدیم ترین تاریخی، سماجی اور سیاسی واقعات صحیح تناظر میں۔ عام فہم اور آسان زبان میں مختصراً بیان کیے گئے ہوں۔

زیرِ نظر کتاب میں جموں کشمیر کی پانچ ہزار سالہ علمی، ادبی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ متذکرہ صدر عظیم مؤرخین، محققین اور اہلِ قلم کی مجموعی تصانیف میں پائی جانے والی تاریخی صداقتوں کو نہ صرف اس میں سمو دیا گیا ہے بلکہ متعدد مقامات پر واقعات کی چھان پھٹک کر کے اور کشمیری قوم کو پیش آنے والے مختلف بحرانوں پر بے لاگ نقد و جرح بھی کی ہے۔ اس طرح نہ صرف کئی تاریخی صداقتیں بے نقاب ہوئی ہیں بلکہ سامراجی مقاصد رکھنے والی بیرونی قوتوں اور ان کے آلہ کار و دسیسہ کاروں کے پھیلائے نام نہاد سیاسی اور مذہبی مغالطوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ اس رائے سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ جی۔ ایم۔ میر کی یہ کتاب قبل ازیں لکھی جانے والی اس موضوع پر متعدد کتب سے بہت مختلف سلیس، تجزیاتی انداز رکھنے والی ماضی پرست بنانے کی بجائے گذشتہ غلطیوں سے سبق حاصل کر کے قومی شعور کو پروان چڑھانے والی، استخلاص وطن کی جدوجہد میں تحریک پیدا کرنے والی اور مستقبل کی قومی تعمیر و ترقی میں منصوبہ بندی کے لیے مستعد کرنے والی کتاب ہے۔ یوں اس کتاب نے کشمیر کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو بہت ضخیم، قیمتی، کمیاب، الگ الگ ادوار اور ذیلی موضوعات پر لکھی جانے والی متعدد کتب سے مستغنی کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں میر صاحب نے برصغیر کی تاریخ کے مختلف ادوار کے مستند نقشوں کو شامل کر کے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ انگریزوں کے تسلط سے قبل تاریخ کے کسی بھی دور میں ہندوستان ایک ملک رہا ہے اور نہ ہی کبھی کشمیر اس کا حصہ رہا ہے، بلکہ مختلف زمانوں میں ملکی اقتدار اور عظمت کی علامت کشمیر کے جھنڈوں کو بھی بالصراحت دکھایا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔

جی ایم میر نے اننت ناگ کے ایک مردم خیز خطہ شاہ آباد ڈورو میں جنم لیا لڑکپن میں بسلسلہ معاش اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ میں رہے اور وہاں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاسی جدوجہد میں شریک رہے۔ آزادی کے وقت لاہور میں تھے جہاں انہوں نے مہاجرین کے قافلوں کو ضروریات مہیا کرنے والے گروپوں میں کام کیا۔ سیاسی قیادت کا دوغلا پن ظاہر ہوا تو ترقی پسند گروپ کے ساتھ شامل ہو کر فیض احمد فیض، طاہرہ مظہر علی (جو اس زمانے میں طاہرہ آپا کہلاتی تھیں) ابوسعید انور اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ سرگرمِ کار رہے۔ پھر ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے مظفر آباد میں رہائش اختیار کی اور عالمی ترقی پسند تحریک کے ساتھ اپنے وطن کی آزادی اور کشمیر کی قومی آزادی کی تحریک میں شامل ہو گئے کہ بین الاقوامیت کیلئے بھی بنیادی طور پر قومی تشخص ضروری ہوتا ہے۔ مختلف سیاسی فورمز میں شامل ہو کر حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ تقریباً 30 سال قومی آزادی کی منظم تحریک میں شامل رہے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، کٹھن حالات میں پارٹی کی قیادت بھی کی اور دوبار جماعت کے

صدر رہنے کے بعد جماعت کی قیادت سے الگ ہو گئے۔ سیاسی جماعت سے وابستگی کے دوران اور بعد میں بھی انہوں نے نوجوان کشمیریوں کو قومی شعور سے آشنا کرنے اور اپنی تاریخ، جغرافیہ اور ادب وثقافت سے آشنا کرنے کیلئے ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں''، ''کشمیر شناسی''، ''کیا مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے؟''، ''کوہستان قراقرم سے بحیرہ قزوین تک''، ''کشمیری قوم اپنی منزل کی تلاش میں'' اور ''کشمیر اور چین کے قدیم ثقافتی رشتے'' تحریر کر کے اہل علم وخرد سے داد تحسین سمیٹ چکے ہیں۔ کشمیر اور آزاد کشمیر کے معاشی وسائل اور حالات حاضرہ پر درجنوں مقالات زیب قرطاس کر چکے ہیں۔ اہل کشمیر کی قومی آزادی، استخلاص وطن اور یکجہتی کیلئے جدوجہد ابھی جاری ہے۔ ماضی قریب تک جی ایم میر خود اس سمندر میں غوطہ زن رہے۔ اپنی معاشی زندگی اور گھریلو آرام کو تج دیا۔ جہاں دوسروں کے جور وستم کا شکار ہوئے وہاں اپنوں کی تغافل شعاری سے بھی چرکے کھائے۔

آج ریاست جموں کشمیر اپنی تاریخ کے انتہائی پُرآشوب دور سے گزر رہی ہے سچ پوچھیں تو کشمیری قوم کے وجود کو چیرنے پھاڑنے کیلئے بین الاقوامی سازشوں اور خطہ کشمیر کی بندر بانٹ کرنیوالی غاصب قوتوں کی تلوار ہم کشمیریوں کے سر پر لٹک رہی ہے۔ بھارت اور پاکستان کی طرف سے ہمارے ملک پر قبضہ جمانے اور فرضی نعروں کے ذریعے لوگوں کو بیوقوف بنانے کی وجہ سے عوام غیر یقینی اور اذیت ناک صورتحال کا شکار ہیں۔ اپنے کروڑوں عوام کو بھوک، بیماری اور جہالت سے نجات دلانے کی بجائے کھربوں ڈالر بارود کی جنگ میں جھونک رہے ہیں۔ ایسا کر کے وہ اہل کشمیر کو بھی اذیت ناک قومی استحصال، محکومی، جبری تقسیم اور بے پناہ مصائب میں الجھائے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ بھارت اور پاکستان کے حکمران طبقے مسئلہ کشمیر اور اہل کشمیر کے جذبات واحساسات، قومی آزادی کے فطری، جمہوری اور تاریخی حقائق سے اپنے لوگوں کو لاعلم رکھے اور اپنے طبقاتی مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ عالمی حالات میں کشمیر کو ہمسایہ ملکوں کی فرقہ وارانہ آویزشوں اور دیگر تضادات سے یکسر الگ ایک قوم کی آزادی کے طور پر زیر غور لایا جائے۔ یہی چیز جی ایم میر نے اپنی کتاب میں اجاگر کی ہے اور تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کر کے کتاب لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ میر صاحب نے اپنے انتہائی محدود وسائل کے باوجود ایسی اعلیٰ کتاب تصنیف کی ہے جو موضوع اور مواد کے اعتبار سے بے پناہ وسائل اور ذرائع کا حامل کوئی قومی ادارہ ہی کر سکتا تھا۔

جی ایم میر کی متذکرہ کتب شائع کر کے ہم نے اپنے تئیں قومی فرض کی ادائیگی کی تھی۔ اب ان کی یہ نادر اور عمدہ کتاب شائع کرنے کا اعزاز بھی ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب حلقہ ہائے اہل علم وفکر میں جگہ پائے گی، وطن دوستوں سے داد تحسین سمیٹے گی، اہل کشمیر میں جذبہ حب الوطنی، اپنی قومی آزادی کیلئے شعور بیدار کر کے آزادی اور خودمختاری کیلئے تحریک میں اضافہ کرے گی اور حصول منزل کو قریب لانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

ممتاز احمد ہاشمی
رضوان پبلشرز

یہ کتاب۔ میری رائے میں

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے، اسے آپ نے خریدا ہے یا کسی لائبریری سے لیا ہے یا کسی دوست سے مانگ کر پڑھ رہے ہیں یا کسی سے آنکھ چرا کر اٹھا لائے ہیں، بلاشبہ ایک نادر و نایاب کتاب ہے۔ ریاست جموں کشمیر پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن ریاست کی پانچ ہزار سال کی تاریخ پر اتنی مصدقہ، عام فہم اور حقیقت افروز کتاب میری اکہتر سالہ زندگی میں نظر سے نہیں گزری۔ کشمیر، پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش کی سب سے پرانی کتاب پنڈت کلہن کی ''راج ترنگنی'' ہے جو سنسکرت زبان میں ہے۔ راج ترنگنی 1148ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کے تراجم انگریزی، فارسی اور اردو میں بھی ملتے ہیں کشمیر کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تاریخ پر خیال افروزہ کتاب یہی ہے جو آپ پڑھ رہے ہیں، گویا آٹھ سو چھپن (856) سال بعد ایک ایسی کتاب سامنے آئی ہے جو کشمیر دلپذیر کے کسی بیٹے نے لکھی ہے اور جو واقعی کشمیر کی ہمہ جہتی سیاسی پیش رفت کا احاطہ کرتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ شہنشاہوں، بادشاہوں، مہاراجوں اور سلاطین کی تاریخ ہوتے ہوئے بھی خالصتاً عوامی تاریخ ہے، یعنی اس کی تحریر و نگارش میں عوام کی فلاح و بہبود پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ نقطۂ نظر اہلِ ریاست جموں کشمیر کی فلاح و بہبود ہے۔ جمہوریت کے اس دور میں عوامی نکتہ نظر اپنایا گیا ہے تاکہ تاریخ درباداری کا روزنامچہ نہ بن کر رہ جائے۔

ریاست جموں و کشمیر پر جی۔ ایم۔ میر کی یہ پہلی کتاب نہیں ہے۔ وہ اس سے پہلے کشمیر کی سیاست اور مسئلہ کشمیر کے حالات و کوائف پر آٹھ کتابیں لکھ کر چھپوا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے ایک سو کے قریب مقالات پمفلٹوں کی صورت میں پرنٹ ہو چکے ہیں۔ یہ سب کچھ 1961ء کے بعد ہوا۔ میری ان سے پہلی ملاقات 1961ء میں ہوئی جب ریڈیو پاکستان لاہور سے میرا تبادلہ آزاد کشمیر ریڈیو مظفر آباد ہوا۔ میر صاحب ان دنوں وہاں کاروبار کو ذریعہ معاش کے طور پر اپنائے ہوئے تھے اور میں ہر شام ریڈیو سے فارغ ہو کر ان کے پاس جاتا تھا اور علمی و ادبی گپ شپ ہوتی تھی۔ چائے کا دور چلتا تھا جس میں مظفر آباد کے دانشور، ادیب، شاعر، ناقد اور صحافی شریک ہوتے تھے۔ ان مجلسوں اور محفلوں نے مجھے بھی اکسایا اور میں نے تین کتابیں (1) ''کشمیر کا ادب اور ثقافت'' (2) ''کشمیر میں اشاعت اسلام'' (3) ''اقبال اور کشمیر'' لکھ کر چھپوائیں۔

میر صاحب مظفر آباد سے میر پور آزاد کشمیر، ایبٹ آباد، لاہور اور کئی دوسرے بیرونی ممالک میں رہے اور میں تراڑکھل، مظفر آباد، راولپنڈی، سکردو، اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ اور لندن میں سرگرداں رہا۔ لیکن ہمارا دوستی کا رشتہ نہ ٹوٹا۔ میر صاحب کچھ عرصہ خارزارِ سیاست میں الجھ گئے اور پھر سب کچھ چھوڑ کر کشمیر کی تاریخ نویسی کو اپنا لیا۔ اب ان کا سب کچھ کشمیر کی خدمت کے لیے ہے۔ میں سمجھتا ہوں، کشمیر اور اہل کشمیر کو ایک دوسرے جادو قلم منشی محمد دین فوق مل گئے ہیں۔

اس کتاب میں جی۔ ایم۔ میر کا ہدف انڈیا کا یہ مضحکہ خیز دعویٰ ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ میر

صاحب کہتے ہیں کہ جواہر لعل نہرو اور دوسرے بھارتی لیڈروں کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے۔ تاریخ ہند ہمیں بتاتی ہے کہ کشمیر بھارت کا کبھی حصہ نہیں رہا اور ہمیشہ آزاد و خودمختار ملک رہا ہے۔ اس غرض کے لیے کشمیر کی تاریخ کو کھنگالا گیا ہے اور دلائل اور نقشوں کی مدد سے ثابت کیا گیا ہے کہ سکندر اعظم کے حملے 2000 ق م سے پہلے کشمیر میں انسانی آبادی موجود تھی لیکن سکندر اعظم نے اس طرف رخ نہیں کیا۔ کشمیر میں آریاؤں سے پہلے ناگ مت کے پیروکار موجود تھے۔ ناگ قبیلے تعداد میں آٹھ تھے اور وہ پہاڑی چشموں کے کنارے بود و باش رکھتے تھے۔ جب آریا لوگ کشمیر میں وارد ہوئے تو ان کا تصادم ناگاؤں سے ہوا۔ ناگا قبائل وہاں سے پسپا ہو کر آسام کی طرف نکل گئے۔ اب وہ ناگالینڈ میں رہتے ہیں اور انڈین آرمی سے متصادم ہیں۔ کشمیر میں ناگاؤں کی معاشرت، ان کی لوک کہانیوں مثلاً ''ھیمال ناگرائے'' سے ثابت ہوتی ہے۔ کشمیر میں ایک اور قبیلے کے لوگ بھی رہتے تھے، جو پشاچ کہلاتے تھے۔ ان کو گوشت خور، گنوار اور جاہل سمجھا جاتا تھا۔ آریاؤں کا ان سے تصادم ہوا۔ ناگاؤں نے آریاؤں کی مدد کی۔ کشمیر کی تاریخ ناگاؤں، آریاؤں اور پشاچوں کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور آخر سکھوں اور ڈوگروں پر ختم ہوتی ہے۔ کشمیر میں بدھ مت کا بھی راج رہا۔ جی۔ ایم۔ میر کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار سال کی تاریخ کو تین چار سو صفحات میں قلمبند کیا ہے۔ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

کتاب میں جو نقشے دیئے گئے ہیں وہ خالص توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ کشمیر صدیوں تک آزاد و خودمختار ملک رہا ہے۔ اکبر پہلا بادشاہ تھا جس کے عہد میں کشمیر آٹھ حملوں کے بعد مغلیہ سلطنت کا حصہ بنا۔ سکندر اعظم سے اکبر اعظم تک کشمیر پر کسی بیرونی ملک کا قبضہ تھا اور نہ وہ ہندوستان کا حصہ تھا۔ اس لیے بھارت کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اس سلسلے میں کتاب کا حصہ دوم چشم کشا ہے اور خصوصی مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔

مسئلہ کشمیر تو اب سکینڈل بن چکا ہے اور اسے سکینڈل بنانے میں قائدِ اعظم کی ذات کو چھوڑ کر پاکستان کی اولین قیادت ذمہ دار ہے، کشمیر میں صوبہ سرحد اور متصلہ آزاد علاقوں کے قبائلی جنگجو ''مجاہدوں'' نے کشمیریوں کو لوٹا، ان کا قتلِ عام کیا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کی گئیں، ہری سنگھ کے ساتھ معاہدہ جاریہ عدم توجہ کا شکار رہا۔ قبائلی لشکر 22 اکتوبر 1947ء کو کشمیر میں داخل ہوئے اور 26 اکتوبر تک بارہ مولہ اور اس کے نواح میں لوٹ مار میں مصروف رہے۔ بارہ مولہ میں ان پٹھان ''مجاہدوں'' نے 14 مسیحی راہباؤں کی بے حرمتی کی اور آبرو لوٹی۔ اس شرمناک واقعہ سے جہاں دنیا بھر میں رسوائی ہوئی، وہاں اس چیز نے عوام میں حملہ آوروں کے خلاف نفرت آمیز جذبات کو ابھارا۔ بھارتی فوجیں 27 اکتوبر 1947ء کو بذریعہ جہاز سرینگر میں اتر گئیں 22 اکتوبر اور 27 اکتوبر کے درمیان قبائلی لشکر نے بہت وقت ضائع کیا۔ اگر وہ بارہ مولہ میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و خوں ریزی کا بازار گرم نہ کرتے اور سیدھے سرینگر پہنچ جاتے تو بھارت سرینگر میں پیر نہ جما سکتا۔ جب بھارت کے پاؤں جم گئے تو بات بگڑ گئی۔

قائد اعظم کو قبائلی لشکر کے متعلق کوئی خبر نہ تھی۔ یعنی انکو یہ نہ بتایا گیا تھا کہ قبائلی پٹھان وادیٔ کشمیر میں داخل ہوں گے۔ اس منصوبے میں لیاقت علی خان، غلام محمد، خان عبدالقیوم خان، نواب محمد وٹ، سردار شوکت حیات اور

کچھ دوسرے درجے کے لیڈر شامل تھے۔ گویا

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

زیرِ نظر کتاب کشمیر کی ہمہ جہتی تاریخ ہے، یعنی اسے آپ سوشل ہسٹری بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس ایک کتاب کے مطالعہ سے قاری تاریخ کی کسی دوسری کتاب کا حاجت مند نہیں رہتا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پنڈت کلہن کی ''راج ترنگنی'' ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کی ''کشیر'' ''منشی محمد دین فوق کی ''مکمل تاریخ کشمیر'' پنڈت پریم ناتھ بزاز کی ''تاریخ تحریک آزادی کشمیر'' خواجہ یوسف صراف کی ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' پروفیسر محب الحسن کی ''کشمیر عہدِ سلاطین میں'' اور پی۔این۔کے بامزئی کی ''کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر'' جیسی ضخیم کتابیں پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کتاب صاف ستھرے انداز میں چھپی ہے اور اس کی قیمت گرانی کے اس دور میں نہایت واجبی ہے۔ مفادِ خصوصی رکھنے والی قوتوں کے اس دعویٰ کا دستاویزی ثبوت اور تاریخی حقیقتوں سے ابطال کیا گیا ہے کہ کشورِ کشمیر ن ملک کا ذیلی علاقہ ہے۔ یہی اس کتاب کا پیغام اور فلسفہ ہے۔

سلیم خان گمی

شاہدرہ۔لاہور

کشورِ کشمیر ـــــــ کیوں؟

کشمیر کے موضوع پر میری پہلی کتاب 1960ء کی دہائی میں اس وقت لکھی گئی جب پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے "کچھ لو اور کچھ دو" (Give and Take) کا فلسفہ پیش کیا۔ اس کے بعد بھٹو سورن سنگھ مذاکرات کے کئی دور مختلف شہروں میں منعقد ہوئے۔ ان مذاکرات میں پہلی بار کشمیر کی تقسیم کو مسئلے کے حل کے طور پر سامنے لایا گیا۔ ایک بار اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وزرائے خارجہ کے اجلاس میں دریائے جہلم کا منبع پونچھ میں تلاش کیا جا رہا تھا۔ اعلیٰ سطح کی قیادت کے کشمیر کے بارے میں علمیت کے اس فقدان نے مجھے "جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں" لکھنے پر مجبور کیا۔

پھر ایک موقعہ پر پاکستان کے صدر غلام اسحاق خان نے ایک خطاب میں یہ "انکشاف" کیا کہ مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے۔ صدر محترم کے حاشیہ برداروں کی فوج اس "شہ پارے" کو لے اڑی اور ہر طرف سے اس کی بازگشت سننے میں آنے لگی۔ دراصل یہ بھی کشمیر کی تقسیم کی طرف ایک اشارہ تھا۔ ایک بار پھر مجھے بے چینی محسوس ہوئی۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں مجھے امریکہ کی پنسلوانیا یونیورسٹی کی لائبریری میں لاہور کے ایک دوست سجاد جعفری کی مدد سے، تقسیم ہند اور تقسیم پنجاب کا مکمل ریکارڈ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ "کیا مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے؟" کی شکل میں سامنے آیا۔

تب سے کشمیر میرا مستقل موضوع رہا ہے۔ کشمیر میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ میں نے جتنی کتابیں کشمیر پر لکھی ہیں ان سب کا اسی طرح کوئی نہ کوئی پس منظر رہا ہے۔ بھارت اور پاکستان کے حکمران گزشتہ نصف صدی کے دوران طرح طرح کے بے بنیاد دعوے اور مفروضے سامنے لا کر عوام الناس کو بیوقوف بناتے رہے ہیں۔ ان دعووں میں "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے"، "کشمیر پاکستان کی شہ رَگ ہے"، "کشمیر آزاد ہو گیا تو پاکستان بنجر ہو جائے گا"، "کشمیر کو آزادی دی گئی تو بھارت کے ٹکڑے ہو جائیں گے" وغیرہ شامل ہیں۔ ابھی جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن کے اجلاس میں بھارتی نمائندے نے یہ دعویٰ پھر دہرایا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ ان تمام بے بنیاد دعووں کا ابطال میری زندگی کا مشن بن چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب "کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ" اسی مشن کا، اسی سعی پیہم کا ایک حصہ ہے۔

کشمیر کا مسئلہ اب ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اقوام متحدہ 1948ء میں اس کے بارے میں یہ فیصلہ دے چکی ہے کہ

''ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا تعین کشمیری عوام کی مرضی سے ایک غیر جانبدارانہ استصواب کے ذریعے عمل میں لایا جائے گا۔''

یہ فیصلہ اب بھی قائم ہے۔ مشرق و مغرب کے تمام ممالک کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کے حامی ہیں لیکن بعض مفاد پرست عناصر نے اس سیدھے سادھے مسئلے کو الجھانے کیلئے بھانت بھانت کے حل تجویز کرنے شروع کر دیے ہیں جن میں کشمیر کو مختلف بنیادوں پر تقسیم کرنے کی تجویزیں۔۔ موجودہ کنٹرول لائن پر تقسیم۔۔ مذہبی بنیادوں پر تقسیم۔۔ چناب لائن پر تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم قابل اطمینان بات یہ ہے کہ کشمیری عوام کے تمام مکتبہ ہائے فکر کسی طرح کی تقسیم کے حق میں نہیں ہیں۔ کشمیری عوام بلالحاظِ مذہب وملت، زبان و نسل اپنے وطن عزیز کی وحدت و سلامتی کو قائم رکھنے کے خواہشمند ہیں یہ سوچ ان میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔

اس سلسلے میں چند جغرافیائی حقائق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ کشور کشمیر ہزاروں سال سے ایک وحدت کی صورت میں صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ ہمالیہ، قراقرم اور ہندکش کے سربفلک کوہستانوں کی آغوش میں پرورش پانے والی اس مملکت کے مختلف خطوں کا آپس میں گہرا تعلق رہا ہے۔ اس میں کچھ عناصر فطرت کی مجبوریاں بھی شامل ہیں۔ گلگت وبلتستان سے جنوبی ایشیاء کے ممالک کی طرف جانے والے راستے وادیٔ کشمیر سے ہو کر گزرتے ہیں۔ لداخ سے جنوبی ایشیاء جانے والے راستوں کی گزرگاہ بھی یہی ہے۔ ماضی میں کشمیر اور ترکستان کے ممالک کے مابین تجارتی تعلقات بہت گہرے رہے ہیں چنانچہ ترکستان سے آنے اور جانے والے قافلے گلگت اور بلتستان سے ہو کر گزرتے تھے۔ یارقند، سمرقند، تاشقند، کاشغر اور ختن سے تجارت کا سلسلہ قراقرم کے مختلف درّوں کے راستے زمانہ قدیم سے زمانہ حال تک جاری رہا ہے۔ اس وسیع تجارت نے ریاست کے تمام خطوں کو قدرتی طور پر ایک دوسرے سے پیوستہ کر رکھا ہے انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

زیرِ نظر کتاب کشمیر کی ہزاروں سال کی تاریخ کے اسی طرح کے ناقابل تردید حقائق کو منظرِ عام پر لا کر اور عوام الناس کے اذہان کو بیدار کرنے اور بعض اندرونی خامیوں کی نشاندہی کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے تا کہ وہ مادرِ وطن کی عظمت رفتہ کا ادراک کر کے اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کریں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

لاہور، 30 مارچ 2004ء

جی ایم میر

عہد عتیق سے سکندر اعظم کی آمد تک

باب نمبر: 1

تاریخ ایک سائنس

کسی بھی قوم کے ماضی کی داستان اس کے عروج وزوال کی روئیداد تاریخ کہلاتی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جب کسی قوم میں خود شناسی، اتحادو یگانگت اور احساس ذمہ داری کی اقدار ترقی پر ہوں تو وہ قوم ترقی کی منزلیں طے کر کے اپنی تخلیقی توانائیوں کو کام میں لا کر تاریخ میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن جب وہی قوم اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے اتفاق واتحاد، بھائی چارہ اور باہمی رواداری کی اعلیٰ صفات سے محروم ہو جائے، تو زوال اور پستی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ آزادی کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے۔

فلسفی اور تاریخ دان ہرڈر (Herder) کے مطابق کوئی قوم کسی دوسری قوم پر نسلی برتری نہیں رکھتی۔ آب وہوا ہر قوم کے کردار کی تشکیل کرتی ہے۔ اس لیے وہ کہیں بھی ہوں ان کی نمایاں خصوصیات علیٰحدہ نظر آئیں گی۔ اگر ہندوستان میں عرب، چینی، جاپانی، ملائی، ترک اور یورپی آباد ہو جائیں، تو وہ علیٰحدہ علیٰحدہ نظر آئیں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوموں کی جسمانی تشکیل ان کی عادات ان کے کھیل اور تفریحات، ان کے خیالات ونظریات سب آب وہوا پر منحصر ہیں۔ ان کو ان کے ملک سے محروم کر دو تو ان کو ہر چیز سے محروم کر دو گے۔ ہر قوم اپنے خطے میں اپنی عادات وتفریحات اور زندگی کی مشغولیات کے ساتھ رہتی ہے۔ ملک کیسا بھی ہو آب وہوا کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو، وہاں کے باشندوں کے لئے اس میں کشش ہوتی ہے۔ اس لئے دنیا کی قومیں اگر یہ کوشش کریں کہ جو جہاں رہ رہا ہو، اسے وہیں رہنے دیا جائے۔ اس کے حقوق نہ چھینے جائیں۔ اسی صورت میں امن برقرار رہ سکتا ہے۔ فطرت نے قوموں کو پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں، سمندروں، زبانوں، عادتوں اور کرداروں کے ذریعہ علیٰحدہ کر رکھا ہے۔ اس لئے

کسی دوسری قوم کے خطے پر قبضہ کرنا، انہیں قتل کرنا، انہیں ان کی آزادیوں سے محروم کرنا، انسانیت اور فطرت کے خلاف سنگین جرم ہے۔(1)

غلام قومیں اکثر وبیشتر اپنے زوال کا سبب بیرونی عناصر میں تلاش کرتی ہیں لیکن یہ رویہ کلی طور پر درست نہیں ہے۔ وہی قوم اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔ جو اپنی تاریخ سے، اپنے ماضی سے رشتہ قائم رکھتے ہوئے اپنے زوال کے اسباب میں اندرونی خامیوں اور کمزوریوں کا کھوج لگائے۔

چالیس کروڑ آبادی کے خطہ ہندوستان پر ہزاروں میل دور سے آئے ہوئے مٹھی بھر انگریزوں نے تسلط قائم کیااور دوسو سال تک اسے غلام بنائے رکھا، تواس کی بنیادی وجہ اس برصغیر کی اپنی اندرونی کمزوری تھی۔ لیکن آخرکار دو صدیوں کی غلامی کے بعد جب یہاں کے کروڑوں عوام کا شعور بیدار ہوا، اُن میں بیداری آئی اور آزادی کا جذبہ پیدا ہوگیا تو ایک زبردست سیاسی تحریک کے نتیجہ میں 1947ء میں انگریزی سامراج کو یہاں سے اپنی بساط لپیٹنا پڑی اور بھارت وپاکستان کے نام سے دوآزاد مملکتیں وجود میں آگئیں۔ نامور مؤرخ ڈاکٹر مبارک علی کہتے ہیں:

''کسی قوم کی تاریخ گم ہوجائے تو وہ خودکو تنہا محسوس کرتی ہے اس لئے ہر قوم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ماضی میں پیچھے سے پیچھے جا کر اپنی جڑیں تلاش کرے۔ جس قوم کی جتنی قدیم تاریخ ہوتی ہے اتنا ہی وہ اس کے لئے فخر ومباہات کا موجب بنتی ہے۔ اگر انسان ماضی سے کٹ جائے تو وہ جاہل ہوجائے گا۔''(2)

ریاست جموں وکشمیر اس معاملہ میں بہت خوش قسمت واقع ہوئی ہے کہ اس کی ہزاروں سال کی تاریخ موجود ہے۔ کشمیر کی تاریخ پر سنسکرت، فارسی، انگریزی، اردو اور کشمیری میں بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ملکی اور غیر ملکی مؤرخین نے بھی کشمیر کی تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں برصغیر کے دیگر ممالک اس خصوصیت اور شرف سے محروم رہے ہیں۔

پروفیسر فریدالدین کے الفاظ میں:

''قدیم ہندوستان میں تاریخ نویسی کا کوئی ایسا سنہری دور نہیں گزرا جس کی

مثال ہمیں یونان اور روم میں ملتی ہے۔ یونان اور روم میں تھیوسی ڈائیڈس (THUCYDIDES) ھیروڈوٹس (HERODOTUS) اور پلوٹارک (PLUTARCH) جیسے تاریخ نویسوں نے اُس زمانے کے تاریخی واقعات وحادثات کو تاریخ وار قلم بند کر کے مغرب میں تاریخ نویسی کے فن کو تقریباً سائنس کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے ہندوستانی فلسفہ کو بیان کرتے وقت محققین ،مؤرخین اور مصنفین نے اپنے قیاس سے مدد لی ہے۔''(3)

قبل اس کے کہ ہم کشمیر کی تاریخ کے ابتدائی دور سے اپنی گفتگو کا آغاز کریں، چند بنیادی باتیں تاریخ فہمی اور تاریخ نویسی کے بارے میں کہنا ضروری ہیں۔

تاریخ ایک علم ہے۔ ایک سائنس ہے۔ جس طرح کائنات کے دیگر علوم ترقی پذیر ہیں۔ اسی طرح تاریخ کا علم بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا جارہا ہے۔ تاریخ نویسی کی ریسرچ اور نظریات بدلتے جارہے ہیں۔ مختلف ممالک میں آثار قدیمہ کی نئی نئی دریافتوں اور ان پر ہونے والی ریسرچ کے نتیجہ میں سامنے آنے والے حقائق نے بہت سے قدیم تصورات کو ختم کر دیا ہے اور علم وآگہی کے نئے گوشے روشن ہوتے جارہے ہیں۔

ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ زمانے میں تاریخ نویسی صرف بادشاہوں، اُن کے امراء اور مذہبی پیشواؤں کے حالات زندگی تک محدود ہوتی تھی۔ عام لوگوں کی زندگی کے بارے میں شاذ ونادر ہی کوئی ذکر آتا تھا۔ فرقہ واریت اور قومی تفاخر کا بھی تاریخ نویسی میں بہت دخل رہا ہے۔ برصغیر کی تاریخ نویسی میں زمانہ حال تک فرقہ واریت کا بہت دخل رہا ہے اور تاریخ فرقہ وارانہ جذبات پیدا کرنے کا سبب بنتی رہی ہے۔ مختلف فرقوں کے علیحدہ علیحدہ ہیرو قرار پائے ہیں۔ مسلمانوں میں محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور اورنگ زیب عالمگیر ہیرو قرار پائے ہیں جبکہ ہندوؤں کے ہاں پرتھوی راج، رانا پرتاب اور سیوا جی ہیروز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسرا رجحان تاریخ نویسی میں شخصیت پرستی کا رہا ہے۔ اس وجہ سے یہ محدود ہو کر رہ گئی ہے اور بقول ڈاکٹر مبارک علی:

''یہ حکمران طبقہ کی تاریخ تو ہے، عوام کی نہیں۔ مذہبی علماء کی تو ہے اُن کے

پیروکاروں کی نہیں۔ زمینداروں کی تو ہے، کسانوں کی نہیں۔ فوجی جرنیلوں کی تو ہے، سپاہیوں کی نہیں۔'' (4)

ماضی میں چونکہ تاریخ نویسی کا تعلق کسی نہ کسی دربار سے ہوتا تھا۔ اس لیے مؤرخ اپنے مربی حکمرانوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملادیا کرتا تھا، اور اُنکے مخالفین کے کردار کو گھٹا کر پیش کرتا تھا۔ آخری عہد مغلیہ میں مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کی تحریکوں کو محض بغاوتیں قرار دے کران کی اہمیت کو گھٹادیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ حکمرانوں کے ظلم اور جبر کے خلاف عوام کے مختلف طبقوں کی تحریکیں تھیں۔ اسی طرح مغلوں، افغانوں اور سکھوں کی غلامی کے ادوار میں کشمیر کے مختلف علاقوں میں حکمرانوں کے خلاف پیدا ہونے والی تحریکوں کو ''بغاوت'' ''شورش'' اور ''سرکشی'' کا نام دیا گیا اور ان تحریکوں کے سرکردہ رہنماؤں کو نہایت گھٹیا الفاظ سے یاد کیا گیا۔

زمانہ حال میں بھی اکثر نو آزاد ممالک میں آزادی کے بعد لکھی جانے والی تواریخ میں قومی رہنماؤں کی جدوجہد کو نہایت مبالغہ آمیز طریقہ سے پیش کیا گیا۔ ان کی شخصیت کے گرد تقدس کا ہالہ بُن دیا گیا اور مخالفین کے رہنماؤں کی حیثیت کو گھٹانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ برصغیر کے ممالک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان ممالک (پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش) کی ہم عصر تاریخ میں یہ تضاد شدید حد تک نمایاں ہے۔

مورخ ڈبلیو اے ہرسٹ (W.A.Hurst) کہتے ہیں کہ:

''یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ تاریخ اور جغرافیہ کوئی جامد اور بے جان قسم کی چیز نہیں ہیں بلکہ علوم وفنون کی تمام شاخوں میں زندہ ترین اور عملی علوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں صرف کتابوں سے نہیں بلکہ اپنے مشاہدے سے حاصل کیا جانا چاہیئے۔ وہ لوگ جو دوران سفر اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور جو مناظر قدرت اور تاریخی مقامات کی سیاحت کو علم وآگہی کا ذریعہ بناتے ہیں، ان لوگوں سے کہیں زیادہ علم حاصل کرتے ہیں، جو صرف کتابوں میں مہیا شدہ معلومات پر تکیہ کرتے ہوں۔'' (5)

تاریخ کا مطالعہ ہمیں محض اس غرض سے نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے ہم اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ صرف جنرل نالج بڑھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ نہ ہی تاریخ کا مطالعہ اس مقصد

سے ہونا چاہیے کہ اس سے شاندار ترقی اور عروج کے ادوار پر فخر کر کے ''پدرم سلطان بود'' کے نظریہ پر عمل کریں مثلاً سلطان شہاب الدین کی سپہگری اور فتوحات پر کہ ''اس نے مشرق میں سرھند تک جنوب میں سندھ تک مغرب میں کابل اور شمال میں کاشغر تک اپنی سلطنت کو وسعت دی تھی'' آج کل کے دور میں خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب زمانہ مملکتوں کو وسعت دینے کے دور سے گزر گیا ہے۔ البتہ اس سے یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ کشمیری قوم اپنی آزادی اور اپنے وطن کی وحدت وسلیت کا تحفظ کرنے کی اہلیت وصلاحیت آج بھی رکھتی ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں مختلف ادوار میں قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا کھوج لگانا چاہیے تاکہ آئندہ کے لئے ان عوامل سے سبق حاصل کیا جا سکے، رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

زیرنظر کتاب کے مطالعہ سے آپ پر کشمیر کی تاریخ کے حوالہ سے چند ایک اہم اور قابل ذکر حقیقتیں واضح ہو جائیں گی۔ ان کو سمجھنا اور ان سے رہنمائی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ یہ محنت رائیگاں جائے گی۔

1. ماضی میں کشمیری قوم کو جب کبھی بیرونی جارحیت کا سامنا ہوا، انہوں نے اپنے تمام اختلافات کے باوجود کسی ایک سردار یا امیر یا حکمران کی زیر کمان اس جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر جارح کو شکست فاش دی۔ لیکن جونہی حالات پُر امن ہو گئے، اتحاد و یکجہتی کی فضا پارہ پارہ ہو گئی اور معاشرے کے سرکردہ لوگ باہم دست وگریبان ہو گئے۔ تاریخ میں اسکی مثالیں آپ کو بار بار ملیں گی۔

2. جن ادوار میں ملک میں مذہبی رواداری، بھائی چارہ اور سماجی انصاف کی قدروں پر عمل ہوتا رہا، ملک نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی۔ ہر طرف خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا۔ پیداوار میں اضافہ ہوا، علوم وفنون کو ترقی ملی اور ریاست حقیقی معنوں میں جنت ارضی کا نمونہ پیش کرنے لگی۔ للتادت، اونتی ورمن، سلطان شہاب الدین اور آخر میں سلطان زین العابدین ''بڈشاہ'' کے ادوار روشن مثالیں ہیں۔ لیکن اسکے مقابلہ میں جب کبھی ملک میں مذہبی تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی نے رواج پایا، ملک کا نظم ونسق تباہ وبرباد ہو گیا، ہر طرف فتنہ وفساد نے انتشار پھیلایا۔ حکمرانوں کی تنگ نظری اور ظلم وستم سے تنگ آ کر کثیر تعداد میں لوگ ہجرت کر کے ہمسایہ ممالک میں پناہ گزیں ہوتے رہے۔ ملکی پیداوار اتنی گھٹ گئی کہ بدحالی نے عوام کی کمر توڑ دی۔ تاریخ میں سلطان سکندر بُت شکن، چک بادشاہوں، مغل اور افغان صوبیداروں کے ادوار اس کی واضح مثالیں ہیں۔

3. 1585ء میں مذہبی منافرت اور فرقہ پرستی کا ہی شاخسانہ تھا کہ ریاست کے بزرگوں کا ایک وفد اکبر اعظم کے دربار میں جا پہنچا اور اسے اپنا تعاون پیش کر کے ریاست پر فوج کشی کرنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد کشمیری قوم روز بروز غلامی کے اتھاہ سمندر میں غرق ہوتی چلی گئی اور غیر ملکی حکمرانوں کو دعوت دے دے کر بلانے کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا، جو آج تک ختم ہونے میں نہیں آیا۔ مثال کے طور پر:۔

(الف) جب نادر شاہ درانی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو دہلی جاتے ہوئے وہ لاہور میں مقیم تھا کہ بعض کشمیری امراء نے اسے کشمیر پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ لیکن نادر شاہ کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

(ب) 1161 ہجری میں نادر شاہ مارا گیا اور احمد شاہ اسکی جگہ افغانستان کے تخت پر بیٹھا۔ مغلوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے امراء نے احمد شاہ کو کشمیر پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک خط لکھا۔ ان کا یہ خط مغل صوبیدار افراسیاب خان کے ہاتھ لگا۔ اس نے امراء کو دربار میں طلب کر کے خط ان کے سامنے رکھ دیا۔ امراء نے معافی مانگ لی اور معاملہ یہیں رفع دفع ہو گیا۔

(ج) احمد شاہ ابدالی لاہور میں قیام پذیر تھا کہ میر مقیم اور خواجہ ظہیر وغیرہ پر مشتمل وفد حاضر ہوا اور ابدالی کو کشمیر کی تسخیر کی دعوت دی۔ ابدالی نے عبداللہ خان ایشک اقاصی کو لشکر جرار دے کر بھمبر کے راستے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ 1753ء میں کشمیر افغانوں کے تسلّط میں آ گیا۔

(د) 1819ء میں پنڈت بیربل کی زیر قیادت کشمیریوں کا ایک وفد (جس میں مسلمان بھی شامل تھے) مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں پیش ہوا اور اسے کشمیر پر حملے کی ترغیب دی۔ رنجیت سنگھ نے دعوت قبول کر لی۔ سکھ افواج کشمیر پر حملہ آور ہوئیں۔ کشمیری افغانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔ اس طرح 1819ء میں کشمیر پر رنجیت سنگھ کی حکمرانی قائم ہوگئی۔

(ر) 1947ء میں جب انگریز ہندوستان سے رخصت ہو گئے اور بھارت و پاکستان دو آزاد مملکتیں وجود میں آ گئیں۔ تو کشمیری لیڈروں کے دو مختلف الخیال سیاسی دھڑوں نے حسب روایت بھارت اور پاکستان کے نئے حکمرانوں کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور جنت ارضی کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیں۔ ریاست جموں و کشمیر کی موجودہ صورت حال اسی خوئے غلامی کا نتیجہ ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے ساٹھ سال قبل اہل کشمیر کی اسی ذہنی کیفیت پر خون کے آنسو روتے

ہوئے کہا تھا:

کشیری کہ بابندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے
خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او
نصیب تنش جامۂ تارتارے
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے
نہ در سینۂ او دل بے قرارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

حوالہ جات:

1.	ہرڈر	حوالہ: ڈاکٹر مبارک علی تاریخ اور آگہی	صفحہ 34
2.	ڈاکٹر مبارک علی	تاریخ اور آگہی	صفحہ 15
3.	پروفیسر فریدالدین	قدیم ہندوستانی فلسفہ	صفحہ 7
4.	ڈاکٹر مبارک علی	تاریخ اور آگہی	صفحہ 89
5.	ڈبلیو اے ہرسٹ	ہسٹری آف انڈیا	صفحہ 87

کشمیر میں تاریخ نویسی

ابتدائی ماخذ:

تاریخ نویسی کے معاملہ میں یونانی اور رومی اقوام کو دوسری اقوام پر سبقت حاصل ہے۔ اس کے مقابلہ میں قدیم ہندوستان اگر چہ دیگر علوم میں کمال کو پہنچا لیکن تاریخ نویسی کا فن یہاں بالکل ناپید رہا۔ دی ویدک ایج The Vedic Age کے مصنف آر سی موجمدار لکھتے ہیں:

"ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان نے علوم کی دیگر شاخوں میں بہت ترقی پائی لیکن بادشاہوں اور قوموں کے حالات تحریر میں لانے کے معاملے میں بہت پیچھے رہا۔" (1)

قدیم ہندوستان میں تاریخ نویسی:

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، قدیم ہندوستان میں تاریخ نویسی کا کوئی ایسا سنہری دور نہیں گزرا جس کی مثال یونان اور روم میں ملتی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں فنِ تاریخ نویسی کو وہ فروغ حاصل نہ ہو سکا اور اسی لئے ازمنۂ قدیم کے ہندوستانی فلسفہ کو بیان کرتے وقت محققین، مؤرخین اور مصنفین نے اپنے قیاس سے مدد لی ہے۔ (2)

مؤرخ ڈبلیو اے ہرسٹ کا کہنا ہے کہ:

"یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستانی اقوام کا مزاج تاریخی نہیں ہے اور انہوں نے شاذو نادر ہی اپنے معاملات کو ریکارڈ میں لانے کی زحمت اٹھائی ہے۔ مؤرخ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ سچائی کے جو بھی ذرات اسے خاص طور پر رامائن کے حوالہ سے مل سکتے ہوں، انہیں جمع کرے۔" (3)

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اپنی کتاب "انڈین فلاسفی" میں قدیم ہندوستانی فلسفہ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

1. ویدوں کا عہد (Vedic Period) 1500ق م سے 600ق م تک

2. رزمیہ عہد 600ق م سے 200ق م تک

3. سُتر عہد (Sutra Period) 600ق م سے 200ق م تک

4. عہدِ مدرسیّت (Scholistic Period) 200ق م سے دورِ حاضر تک

1. پہلے دور میں آریاؤں کے تسلط کے بعد ہندوؤں کا قدیم دیومالائی روپ، ان کی آسمانی کتابوں، ویدوں میں مرتب ہو رہا تھا۔ ایک عام ہندو کی زندگی، پیدائش سے موت تک، جن رسوم و رواج میں جکڑی ہوئی ہے اور وہ جن عقیدوں کا پابند ہے ان سب میں انہی ویدوں کی چھاپ ہے۔

2 دوسرے رزمیہ دور میں مہابھارت اور رامائن تخلیق ہوئیں۔ اسی دور میں بھگوت گیتا مرتب ہوئی۔ جدید خیالات جیسے بدھ مت، جین مت، چارواک، وشنومت اور شیومت وغیرہ تشکیل پائے۔

3. سُتر عہد میں آریائی ذہن شعوری اور فکری سطح سے ہمکنار ہوا۔ قدیم سُتروں کی شرحیں لکھی گئیں۔

4. مدرسیّت کا دور، اس دور میں تخلیقی کام بہت کم ہوا۔ بلکہ شرحیں لکھی جاتی رہیں۔ بقول ڈاکٹر رادھا کرشنن لاحاصل بحث و مباحثوں میں ان شارحین نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا۔ (4)

اسی نابغۂ روزگار سکالر (ڈاکٹر رادھا کرشنن) نے کشمیر میں فن تاریخ نویسی کے بارے میں ایک بار کہا تھا:

> "جہاں بھارت کو اپنے ماضی کی تاریخ کا کھوج لگانے کے لئے رامائن اور مہا بھارت کا سہارا لینا پڑتا ہے، کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جسے اپنی ہزاروں سال پر محیط ریکارڈ شدہ تاریخ پر فخر کرنا چاہیئے۔"

جگ موہن نے کشمیر میں تاریخ کے ماخذوں کو سات گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1. سنسکرت تصنیفات
2. کشمیری وقائع نگار
3. سلطنت دہلی کی تواریخ
4. مغل مؤرخین
5. متفرق تواریخ
6. وسط ایشیاء کی تواریخ

7. صوفیائے کرام اور ریشیوں کی سوانح عمریاں

8. یورپی سیاحوں کی تحریریں (5)

گروپ 1۔ سنسکرت تصنیفات:

(ا) نیلہ مت پران — چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں لکھی گئی

(ب) کٹانی ماتا کاویا — دامودر گپتا نے آٹھویں صدی میں لکھی

(ج) سمے ماتریکا — ویشو پریشانز ماما لا اور دیش اوتار چرت کھمندر نے قلم بند کی۔

(د) کلہن کی راج ترنگنی (ر) زونراج کی راج ترنگنی

گروپ 2۔ کشمیری وقایع نگار

(ا) تاریخ کشمیر — سید علی

(ب) بہارستان شاہی

(ج) تاریخ کشمیر — حسن بن علی کشمیری

(د) تاریخ کشمیر — حیدر ملک چاڈورہ

(ر) تاریخ کشمیر — نارائن کول عاجز

(س) نوادر الاخبار — رفیع الدین احمد

(ص) واقعات کشمیر — محمد اعظم

(ط) تاریخ حسن — پیر حسن شاہ

(ع) مختصر تاریخِ کشمیر — پنڈت بیربل کاچرو

گروپ 3۔ سلطنتِ دہلی کی تواریخ:

(ا) تاریخ مبارک شاہی — یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی

(ب) تاریخ داؤدی

(ج) تاریخ خانِ جہانی

گروپ 4۔ مغل تواریخ:

(ا) آئینِ اکبری — ابوالفضل

(ب) اکبر نامہ — ابوالفضل

(ج) تزک جہانگیری — شہنشاہ جہانگیر

(د) معاصر الامرا — شمس الدولہ

گروپ 5۔ متفرق تواریخ:

(ا) طبقات اکبری — نظام الدین احمد

(ب) تاریخ فرشتہ — محمد قاسم فرشتہ

(ج) منتخب التواریخ — عبدالقادر بدایونی

(د) ہفت اقلیم — امین احمد راضی

(ر) مجلس المومنین — قاضی نوراللہ شستری

گروپ 6۔ وسطی ایشیاء کی تواریخ:

(ا) ملفوظات تیموری - امیر تیمور (ب) ظفر نامہ شرف الدین علی یزدی

(ج) تاریخ رشیدی مرزا حیدر دوغلات

گروپ 7۔ صوفیا اور ریشیوں کی سوانح عمریاں:

(ا) خلاصۃ المناقب نورالدین جعفر بدخشانی (ب) تحفۃ الاحباب

(ج) حلیۃ العارفین خواجہ اسحاق (د) تذکرہ مشائخ کشمیر بابا نصیب

(ر) نور نامہ بابا نصیب الدین غازی

(س) مجموعہ در انساب مشائخ کشمیر عبدالوہاب

(ص) فتوحات کبرویہ عبدالوہاب

گروپ 8۔ یورپی سیاحان

1. فادر جیروم زیویئر 2. بینیڈکٹ ڈیگوز 3. فرانسسکو پیلیسارٹ

4. برنیئر 5. فادر ڈیسڈری 6. فرایئر کے خطوط

7. عام ملفوظات

ذیل میں اپنی تاریخ کے اس عظیم اور بے بہا خزانے کی کچھ جھلکیاں قارئین کے مطالعہ کیلئے پیش کی جارہی ہیں۔

راج ترنگنی:

راج ترنگنی پنڈت کلہن نے 1148-49ء میں سنسکرت زبان میں تصنیف کی۔ کلہن کی پیدائش بارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں مہاراجہ ہرش کے دور حکومت میں ہوئی۔ اس نے تحصیل علم کی طرف توجہ دی اور مروجہ علوم خاص کر شاعری اور تاریخ میں کمال حاصل کیا۔ ایک مؤرخ کی حیثیت سے کلہن کی کارکردگی لاثانی ہے۔ تاریخ کا مواد حاصل کرنے کے لئے اس نے نہ صرف قدیم دستاویزات کا بغور مطالعہ کیا بلکہ تاریخی عمارات پر کندہ تحریروں، مندروں، یادگاروں، آثار قدیمہ، سکوں اور سرکاری ریکارڈوں کا بھی مطالعہ کیا۔

تاریخی واقعات کے درج کرنے میں اس نے حد درجہ احتیاط سے کام لیا۔ دیانتداری اور

غیر جانبداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس فن میں وہ اپنے اصولوں کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

"وہ شریف النفس مؤرخ یا سکالر تعریف کے قابل ہے جو ایک جج کی طرح ماضی کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے ذہن کو محبت یا نفرت سے پاک رکھتا ہے۔" (6)

جب کلہن نے 1148ء میں راج ترنگنی لکھنے کا آغاز کیا، اس وقت بھی کشمیر کی قدیم تاریخ کے بارے میں گیارہ (11) تصانیف موجود تھیں جن سے اس نے استفادہ کیا۔ اس نے ان میں سے بعض تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے جن میں نیلہ مت پران جیسی شاہکار تصنیف بھی شامل ہے۔

15ویں صدی میں سلطان زین العابدین نے کلہن کی راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی زبان میں کرایا۔ بعد ازاں اکبر اعظم کے حکم پر ابوالفضل نے اپنی تصنیف "آئین اکبری" میں اس کے کئی حصوں کو شامل کیا۔ مور کرافٹ نے 1823ء میں اپنے دورہ کشمیر کے دوران راج ترنگنی کی ایک جلد حاصل کی اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ایم ٹرویر نے کیا۔ ڈاکٹر بوہلر کی کوششوں سے راج ترنگنی کا ایک قابل اعتبار نسخہ کشمیر میں دستیاب ہوا جو بعد میں ڈاکٹر سٹائن کے ترجمہ کی بنیاد بنا۔ آخر میں یہ ترجمہ انگریزی میں 1500ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

کلہن کے کام کو اس کے ہم وطن زونراج نے جاری رکھا جس نے راج ترنگنی میں سلطان زین العابدین کے دور حکومت (70-1420ء) تک کے واقعات درج کئے۔

راج ترنگنی سنسکرت نظم میں لکھی گئی ہے۔ اس میں تاریخ کی ابتداء راجہ گونندا کے عہد حکومت سے کی گئی ہے جس کا زمانہ تخت نشینی 3000 سال قبل مسیح تصور کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب 4250 برس کے واقعات کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ (7)

زونراج کے شاگرد سری ور نے اس مشن کو اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھایا اور تاریخ میں 1459ء سے 1486ء تک کے واقعات درج کئے۔

1972ء میں سرزمین کشمیر کے نامور دانشور اور محقق ڈاکٹر صابر آفاقی نے راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ پی ایچ ڈی کیلئے انکے تھیسس کا موضوع تھا۔ اسے مرکزی تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے 1974ء میں شائع کیا۔

فارسی میں تاریخ نویسی کا آغاز:

مسلم حکمرانی کے آغاز کے بعد تقریباً دو صدیوں تک سنسکرت بدستور سرکاری زبان کے طور پر جاری رہی۔ تاہم رفتہ رفتہ فارسی زبان کا عمل بڑھتا رہا یہاں تک کہ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام بھی فارسی زبان میں شروع ہوگیا۔

بحرالاثمار۔ ملاّ احمد شاہ آبادی:

اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام جو فارسی زبان میں ہوا، سلطان زین العابدین کے دور میں ''بحرالاثمار'' کے نام سے راج ترنگنی کا فارسی زبان میں ترجمہ تھا، جو ملاّ احمد شاہ آبادی نے کیا تھا۔ ملاّ احمد ایک عظیم کشمیری سکالر، شاعر اور مؤرخ تھے۔ ''بحرالاثمار'' شاید مکمل نہ ہوسکی تھی کیونکہ 1594ء میں مغل شہنشاہ اکبر نے ملاّ عبدالقادر بدایونی کو اسے مکمل کرنے کا حکم دیا۔ ملاّ بدایونی کہتے ہیں:

> ''مجھے اس کتاب کو سلیس زبان میں لکھنے کا حکم ہوا تھا۔ میں نے یہ کام دو ماہ میں مکمل کر لیا اور اس تاریخ کو بادشاہ سلامت کی لائبریری میں رکھ دیا گیا۔''

دربارِ اکبری میں مولینا محمد حسین آزاد نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (8)

تاریخ رشیدی۔ مرزا حیدر دوغلات:

مرزا حیدر کاشغری سلطان ابوسعید والئی کاشغر کا بھتیجا اور مغل فرمانروا بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ وہ کچھ عرصہ کشمیر کا حکمران بھی رہا۔ 1550ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس نے کشمیر کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''تاریخ رشیدی'' ہے۔ کتاب میں کاشغر کی تاریخ اور وہاں کے حکمرانوں کے حالات کے علاوہ سلطان ابوسعید کے تبت، لدّاخ اور کشمیر پر حملہ آور ہو کر قابض ہونے کے واقعات درج ہیں۔ مصنف نے اپنے ذاتی حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ ''تاریخ رشیدی'' کو تاریخ کشمیر کے سلسلہ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب 52-951ہجری میں لکھی گئی جب مرزا حیدر دوغلات کشمیر کا حکمران تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ 1895ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس کے قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی سمیت کئی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ (9)

تاریخ حیدر ملک ۔ ملک حیدر چاڈورہ:

ملک حیدر ابن ملک محمد ناجی سکنہ چاڈورہ ماگام نے 1030 ہجری میں تصنیف کی۔ اس نے انتہائی ابتدائی زمانہ سے اپنے دور تک یعنی 1617ء (1035 ہجری) تک کے حالات تفصیل سے قلمبند کئے۔ ملک حیدر نے اپنی زندگی کے 24 سال سلطان یوسف شاہ چک کے ساتھ گزارے اوراس کے ساتھ ہی جلاوطن ہوکر بہار چلا گیا۔ (10)

ملک حیدر شیر افگن خان کے ہمراہ تھا جب جہانگیر کے حکم پر 1601ء میں اس پر حملہ ہوا۔ اس حملہ میں شیر افگن مارا گیا۔ حیدر ملک نے شیر افگن کی بیوہ مہر النساء بیگم (جو بعد میں ملکہ نور جہاں بنی) کی حفاظت کی۔ مہر النساء نے جہانگیر کی ملکہ بننے کے بعد شہنشاہ سے ملک حیدر کی سفارش کی جس نے حیدر ملک کو رئیس الملک کا خطاب دے کر کشمیر میں اعلیٰ منصب پر متعین کیا۔

حیدر ملک مؤرخ ہونے کے علاوہ ماہر تعمیرات بھی تھا۔ اس نے سری نگر کی جامع مسجد کی تعمیر نو کی جو کہ آتش زنی سے خاکستر ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے میر شمس الدین عراقی کی خانقاہ تعمیر کی۔ شہنشاہ جہانگیر حیدر ملک کا بہت قدر دان تھا۔ تزک جہانگیری میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (11)

منتخب التواریخ ۔ نارائن کول عاجز:

نارائن کول عاجز فارسی زبان کا بلند پایہ عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ اس نے کشمیر کی تاریخ رقم کرنے میں حیدر ملک کی پیروی کی۔ اس نے 1710ء میں ''منتخب التواریخ کشمیر'' کے نام سے ایک تاریخ مرتب کی جس میں سلاطین کشمیر کے ادوار اور مغلوں کے ابتدائی دور کے حالات قلمبند کئے۔ کشمیر کے ایک اور نامور مؤرخ مفتی سعادت نے نارائن کول کے بارے میں لکھا کہ

> ''کشمیری پنڈتوں میں پنڈت نارائن کول عاجز ایک ایسا عالم و فاضل مؤرخ گزرا ہے جس کے خیالات بے جا طرف داری اور تعصب سے پاک ثابت ہوئے ہیں۔'' (12)

واقعات کشمیر ۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری:

تاریخ نویسی کی روایت کو خواجہ محمد اعظم نے جاری رکھا، جو سری نگر کے قریب ایک گاؤں

''دیدہ مر'' میں رہتے تھے۔ خواجہ اعظم نے مغلوں کے آخری دور میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی تاریخ ''واقعات کشمیر'' کی تصنیف کا کام 1735ء میں شروع ہو کر 1746ء میں مکمل ہوا۔ اس کی وفات 1765ء بمطابق 1179ھ میں ہوئی۔ تاریخ وفات اس شعر سے نکلتی ہے:

اگر پرسند اعظم از چہ مردہ
بگو سال وصالش ضعف گردہ

''یعنی اگر کوئی پوچھے کہ اعظم کی موت کیسے واقع ہوئی تو کہدو کہ اس کی وفات کا سال ''ضعف گردہ'' ہے۔ ضعف گردہ کے اعداد 1179 ہیں۔
گویا وہ 1179 ہجری میں ضعف گردہ سے انتقال کر گئے۔

خواجہ اعظم کی وفات کے بعد ان کے بیٹے خواجہ محمد اسلم نے تاریخ نویسی کا کام جاری رکھا اور ''گوہر عالم'' کے عنوان سے ایک تاریخ مرتب کی۔ (13)

مجموعۂ تاریخ یا مجمع التواریخ۔ پنڈت بیربل کاچرو:

پنڈت بیربل کاچرو نے رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں کشمیر کی تاریخ لکھی۔ بیربل فارسی زبان کا ماہر تھا اور شاعر بھی۔ اس نے مغلوں اور افغانوں کے ادوار پر روشنی ڈالی۔ خاص بات یہ ہے کہ اس نے اس دور کے عوام کے مختلف طبقات کے اقتصادی حالات کا بھی جائزہ لیا۔ کتاب کا نام ''مجموعۂ تاریخ یا مجمع التواریخ'' رکھا گیا۔ اس دور کے حالات اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اس نے 1835ء تک کے حالات اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ محکمۂ تحقیق و اشاعت حکومت کشمیر اور ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ (14)

تواریخ کشمیر۔ مولوی غلام حسن:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیری دانشوروں میں بہت سے مؤرخ پیدا ہوتے رہے۔ تاہم شہرت اور قبول عام کا تاج مولوی غلام حسن کے سر پر سجا۔ جس نے تین جلدوں میں ''تواریخ کشمیر'' مرتب کی۔ اس شاہکار کتاب میں اس نے تاریخ اور جغرافیہ پر روشنی ڈالی۔

مولوی حسن بانڈی پورہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا اور اسی گاؤں میں انتقال کر گیا۔ اس کا تعلق پیروں کے ایک خاندان سے تھا، جس میں عربی اور فارسی کے کئی جید علماء پیدا ہوئے۔

مولوی غلام حسن کے والد کا نام غلام رسول تھا جو فارسی زبان کا شاعر تھا۔ مولوی حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یونانی طب کی تعلیم بھی حاصل کی اور اپنی زندگی کے اختتام تک طب کو اپنائے رکھا۔ (15)

گلاب نامہ، گلزار کشمیر۔ دیوان کرپارام:

دیوان کرپارام بڑا عالم و فاضل شخص تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے فرزند رنبیر سنگھ کا معتمد خاص تھا۔ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد 1865ء میں ریاست کا وزیر اعظم مقرر رہوا۔

گلاب نامہ اور گلزار کشمیر فارسی زبان میں اس کی مشہور تصانیف ہیں۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے خاص طور پر اپنے عالم دوست دیوان کرپارام کو گلاب نامہ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ اس وقت کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جس میں راجگان جموں کے تاریخی کارناموں کا ذکر ہو۔ چنانچہ کرپارام نے ایک سال کے اندر گلاب نامہ مکمل کیا۔ یہ کتاب رنبیر پریس جموں میں طبع ہوئی۔

کرپارام کی دوسری تصنیف گلزار کشمیر جوڈیشنل کمشنر پنجاب مسٹر رابرٹس کی فرمائش پر فارسی زبان میں لکھی گئی۔ اس میں 1857ء تک کے حالات درج ہیں۔ گلزار کشمیر میں کشمیر کی پیداوار، صنعتوں، دستکاریوں اور مختلف پیشوں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

تحقیقات امیری۔ خواجہ امیر الدین پکھلی وال:

خواجہ امیر الدین نے "تحقیقات امیری" کے نام سے کشمیر کی تاریخ لکھی۔ یہ سکھ دور کے گورنر شیخ غلام محی الدین کا زمانہ تھا۔ مصنف نے مختلف مصنّفین کی تواریخ واقعات کشمیر، تاریخ ہدایت اللہ اور نظام الوقایع سے استفادہ کیا۔ تحقیقات امیری کے بارے میں مؤرخ حسن شاہ کا تبصرہ یہ ہے کہ:

- "یہ کشمیر کی مختصر فارسی تاریخ ہے جو زمانہ قدیم سے لے کر 1828ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے تین حصے ہیں۔ حصہ اوّل میں
- جغرافیہ، حصہ دوئم میں سیاسی تاریخ اور حصہ سوئم میں علماء و صوفیاء کے حالات درج ہیں۔"

خواجہ امیر الدین نے 8 ذی الحجہ 1282 ہجری کو انتقال کیا۔

مہاراج نامہ۔خواجہ ثناءاللہ خراباتی:

خواجہ ثناءاللہ قادری، تخلص خراباتی سو سے زائد فارسی کتابوں کے مصنف اور زبردست عالم وفاضل تھے۔مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے اہل خاندان خواجہ خراباتی سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہر وقت ان کے قریب رہنے کے خواہشمند رہتے تھے۔

انہوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاندانی اور سیاسی حالات پر ایک منظوم کتاب ''مہاراج نامہ'' کے نام سے تصنیف کی۔خراباتی نے اپنی زندگی کا آخری حصہ جلال پور جٹاں میں گزارا اور فوت ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔

''مہاراج نامہ'' کے دو حصے ہیں۔پہلے حصہ میں گلاب سنگھ کے حالات زندگی تا وفات اور رنبیر سنگھ کی تخت نشینی کی تفصیلات درج ہیں۔دوسرے حصے میں رنبیر سنگھ کے عہد کے حالات ہیں۔

''مہاراج نامہ'' 1916 بکرمی (1860 عیسوی) میں مکمل ہوا۔

گلدستۂ کشمیر۔(اردو) پنڈت ہرگوپال خستہ:

پنڈت ہرگوپال خستہ کاشمیری برہمنوں کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق تھا۔وہ جغرافیہ دان اور مؤرخ ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔خستہ تخلص تھا۔اس نے اردو زبان میں کشمیر کی تاریخ ''گلدستۂ کشمیر'' کے نام سے مرتب کی جو 1883ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔پنڈت ہرگوپال نے ''گلدستۂ کشمیر'' کے علاوہ ''گلشن کشمیر''، ''چہار گلزار'' اور ''مخزن خستہ'' بھی تصنیف کیں۔اس نے 1975ء بکرمی (1919 عیسوی) میں وفات پائی۔

لُب التواریخ۔مُلا بہاؤالدین خوش نویس:

مُلا بہاؤالدین خوش نویس نے ''لُب التواریخ'' کے نام سے ایک تاریخ لکھی جس کے تین حصے تھے۔پہلے حصہ میں جغرافیہ، دوسرے میں سیاسی تاریخ اور تیسرے میں صوفیائے کرام کے حالات درج کئے۔تاریخ کے حصہ میں شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر (رنجیت سنگھ کا دورِ حکومت) کے زمانہ تک کے حالات درج ہیں۔

گلاب سنگھ کے زمانہ میں کیپٹن ایبٹ کشمیر گیا تو خواجہ محمد شاہ نقشبندی سے ملاقات ہوئی۔ان سے ملکی حالات دریافت کئے تو انہوں نے ''لُب التواریخ'' کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کی۔کیپٹن

ایبٹ کتاب پڑھ کر بہت خوش ہوا اور مصنف کو بلا کر اس کی تعریف کی اور انعام و اکرام سے نوازا۔

بہارستانِ شاہی۔مرزا محمد ہادی:

کشمیر میں مغلوں کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد علمی میدان میں بہت کام ہوا۔اس دور کی ایک بہترین یادگار ''بہارستانِ شاہی'' ہے جس کے مصنف کا نام کتاب کے متن میں کہیں نہیں دیا گیا تاہم بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کا مصنف مرزا محمد ہادی ہے جس کے آباؤ اجداد افغانستان سے کشمیر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔یہ کتاب 11ویں صدی ہجری میں لکھی گئی۔''نامہء شاہانِ کشمیر'' سے اس کی تاریخ تصنیف 1023ہجری نکلتی ہے۔(مطابق 1614ء)اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ مغلوں کے کشمیر پر حملے اور تسخیر کے چشم دید حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔اس کتاب کے کئی نسخے انگلستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔(16)

تاریخ نافع۔مُلا محمد زمان نافع:

مُلا نافع کشمیر کے مشہور شاعر مُلا محمد طاہر غنی کے بھائی اور مُلا محمد محسن فانی کے شاگرد تھے۔غنی کے فیض صحبت سے باکمال شاعر اور ادیب بنے۔

مُلا نافع نے تاریخ نافع کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی،جس میں سلاطین کے علاوہ اولیاء اور علماء کے حالات تفصیل سے درج کئے۔نافع کا انتقال 1707ء میں ہوا۔

نُورنامہ۔بابا نصیب الدین غازی:

بابا نصیب الدین غازی کشمیر کے نامور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔انہوں نے نُورنامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے کشمیر کے اولیاء،مشائخ اور ریشی سلسلہ کے بزرگوں کے حالات تفصیل سے درج کئے ہیں۔ان اولیاء میں حضرت شیخ نورالدین ولی،حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانی،حضرت بابا زین الدین ولی،حضرت بابا شکرالدین اور حضرت شیخ حمزہ وغیرہ شامل ہیں۔للّہ عارفہ اور ان کی تعلیمات کے بارے میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔کتاب میں جابجا تاریخی واقعات و حالات بیان کئے گئے ہیں۔کشمیر کے لوگوں کی بود و باش اور رسم و رواج کے بارے میں بھی معلومات درج کی گئی ہیں۔کتاب 1134ہجری میں مکمل ہوئی۔(17)

تاریخ ہدایت اللہ۔ مُلا ہدایت اللہ متو:

ہدایت اللہ متو نامور عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں ''تکملہ تاریخ اعظمی'' مشہور ہے۔ اس کتاب میں انہوں خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ اعظمی کو آگے بڑھایا، یعنی اس کی تکمیل کی۔ یہ کتاب تاریخ ہدایت اللہ متو کے نام سے مشہور ہوئی۔ کتاب میں 1148 ہجری سے 1206 ہجری تک افغان صوبیدار جمعہ خان کے عہد تک کے حالات درج ہیں۔ انہوں نے 1306 ہجری میں وفات پائی اور ملہ کھاہ میں مدفون ہوئے۔ (18)

باغ سلیمان۔ میر سعد اللہ شاہ آبادی:

میر سعد اللہ کے والد کابل سے کشمیر آکر آباد ہو گئے تھے۔ کھوئی ہامہ کے ایک گاؤں آرہ گام میں شادی کی۔ بعد میں پرگنہ شاہ آباد کے ایک گاؤں موضع منڈاہ میں مستقل آباد ہو گئے۔ میر سعد اللہ صاحب ذوق شاعر تھے۔ سعادت تخلص کرتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں ''مغازی النبی''، ''تفسیر قرآن مجید'' اور ''رسالہ گل وبلبل'' شامل ہیں۔ انہوں نے ''باغ سلیمان'' کے نام سے کشمیر کی منظوم تاریخ لکھی۔ یہ کتاب انہوں نے 1194 ہجری میں مکمل کی۔ اس میں افغان گورنر جمعہ خان کے دور حکومت 1787ء عیسوی سے 1793ء تک کے حالات درج ہیں۔ اس کے دو نسخے محکمہ ریسرچ حکومت جموں کشمیر کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔ (19)

واقعات کشمیر۔ میر عزیز اللہ قلندر:

میر عزیز اللہ قلندر مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں گزرا ہے۔ اس نے سکھوں کے پُرآشوب دور کے حالات و واقعات اکٹھے کئے۔ اس نے ''واقعات کشمیر'' اور ''نظام الوقایع'' کا انتخاب شائع کیا۔ اس نے اپنی ذہانت وقابلیت سے گلاب سنگھ کے دربار میں رسائی حاصل کی اور بڑی عزت پائی۔ عزیز اللہ قلندر کے بعد ان کے بیٹوں میر بزرگ شاہ اور میر عنایت اللہ نے اپنے باپ کی تصنیف کردہ تاریخ میں چشم دید معلومات کا اضافہ کیا۔ (20)

شاہنامۂ کشمیر۔ راجہ سُکھ جیون مل:

1753ء میں احمد شاہ ابدالی کی تسخیر کشمیر کے بعد راجہ سُکھ جیون مل کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا گیا۔

اس نے 8 سال 4 ماہ اور 8 دن کشمیر کا ناظم رہنے کے بعد خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ 1762ء کا واقعہ ہے۔ سُکھ جیون مل نے ایک مقامی سرکردہ شخص ابوالحسن بانڈے کو ساتھ ملا کر کشمیر کی ایک آزاد خودمختار حکومت قائم کی۔ خود اس نے راجہ کا لقب اختیار کیا اور ابوالحسن بانڈے کو وزیراعظم بنا دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے یکے بعد دیگرے دو مہمات اس بغاوت کو کچلنے کے لئے بھیجیں لیکن دونوں میں ناکامی ہوئی۔ تیسری بار اس نے نورالدین بامزئی کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار کشمیر بھیجا۔ مقابلہ ہوا جس میں سُکھ جیون مل کو شکست ہوگئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بامزئی نے اس کی دونوں آنکھیں نکال دینے کا حکم دیا۔

سُکھ جیون مل نے بڑے تحمل اور صبر کے ساتھ یہ ظلم برداشت کیا۔ اس نے یہ حکم سنتے ہی فی البدیہہ ایک نظم کہی جس کا پہلا شعر یہ تھا:

چشم از وضع جہاں پوشیدہ بہ
سر بسر احوال آں نادیدہ بہ

آنکھوں سے محروم ہونے کے بعد وہ اکثر یہ رباعی پڑھتا رہتا تھا:

ہر چند گفتم نفسِ دُنی را
باید نہ کردن ناکردنی را
ایں نفس سرکش نہ شنید از من
تا آخرش دید نادیدنی را

سُکھ جیون مل خود بلند پایہ عالم اور شاعر ہونے کے علاوہ اہل علم کا قدردان بھی تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اپنے دربار میں مشاعرہ کرایا کرتا تھا۔ عید اور نوروز کے ایام نہایت اہتمام سے منایا کرتا تھا۔ ایک بار اپنے ہفت روزہ مشاعرے کے لئے اس نے مصرع طرح کے طور پر حافظ شیرازی کا یہ مصرع دیا تھا:

اے فروغ ماہِ حُسن از روئے رخشانِ شما

محمد جان سامی ایک قادرالکلام شاعر تھا اس کی دربار تک ابھی رسائی نہیں ہوئی تھی اس نے مشاعرے والے دن ایک کاغذ پر یہ بیت لکھ کر دربار میں بھیج دیا:

سامی از راہِ حیا بیرون در افتادہ است
باز گردد یا در آید چیست - فرمانِ شما

(یعنی سامی شرم کے مارے دروازے کے باہر پڑا ہوا ہے، وہ چلا جائے یا اندر آجائے آپ کا فرمان کیا ہے؟) جوہر شناس سُکھ جیون مل نے شعر دیکھتے ہی سامی کو اندر بلوالیا اور اپنے درباری شعراء میں شامل کرلیا۔

سُکھ جیون مل کو ایک بار خیال آیا کہ شاہنامہ فردوسی کی طرز پر کشمیر کی ایک منظوم تاریخ لکھوائی جائے۔ اس کے لئے اس نے سات شاعروں کا ایک بورڈ ترتیب دیا اور انہیں تاریخ کے مختلف ادوار پر تاریخ مرتب کرنے کا فریضہ سونپ دیا۔ بورڈ میں حسب ذیل شعراء شامل تھے:

1. محمد علی خان متین 2. عبدالوہاب شائق

3. محمد جان بیگ سامی 4. محمد توفیق توفیق

5. راجح 6. رحمت اللہ نوید 7. حسن

سُکھ جیون مل کے زوال کے بعد شاہنامۂ کشمیر کا وہ عظیم منصوبہ ادھورا رہ گیا جس کا اس نے خواب دیکھا تھا۔ اس سلسلہ میں عبدالوہاب شایق نے 6ہزار اشعار پر مشتمل شاہنامۂ کشمیر کا وہ حصہ مکمل کیا جس میں اس نے ریشی سلسلہ کے بزرگان اور دیگر بزرگانِ وقت کے حالات قلم بند کئے۔ اس کا نام اس نے ''ریاض الاسلام'' رکھا۔ یہ غیر مطبوعہ صورت میں کئی گھروں میں محفوظ تھا۔ محمد توفیق شاعر نے شاہنامہ کے لئے دو ہزار اشعار پر مشتمل تاریخ لکھی۔ جو یوسف شاہ چک سے عالمگیر کے عہد تک ہے۔ (21)

تاریخ حسن۔ پیر غلام حسن المعروف حسن شاہ:

تاریخ حسن کے مصنف حسن شاہ موضع گامرو بانڈی پورہ کے رہنے والے تھے۔ وہ 1839ء میں حافظ غلام رسول شیوا کے ہاں پیدا ہوئے جو خود صاحب علم وفضل تھے بعد میں یہ خاندان موضع کھوئی ہامہ میں آکر آباد ہوگیا۔

پیر غلام حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ عربی وفارسی کے علاوہ علم طب کا بھی مطالعہ کیا اور ماہر طبیب بن گئے۔ انہوں نے کشمیر سے باہر پنجاب اور افغانستان کی سیاحت کی جس کا ذکر اپنی ایک کشمیری نظم اعجاز غریبہ میں کیا:

مہ ء کئر سیر و سیاحت ہر کرانہ
ستھاہ ڈ ٹھم بزرگانِ زمانہ

(یعنی میں نے اطراف واکناف کی سیاحت کی اور بہت سے بزرگان دین کی زیارت سے مشرف ہوا)

اس سفر کے دوران ان کا گزر راولپنڈی کے قریب پنڈوری نام کے ایک گاؤں سے بھی ہوا۔ یہاں ان کی ملاقات مُلا محمود نامی ایک بزرگ سے ہوئی جن سے انہیں کشمیر کی ایک قدیم تاریخ ''وقایع کشمیر'' کا ایک نسخہ مل گیا۔ یہ کتاب ''رتناکر پران'' نامی سنسکرت تاریخ کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس میں ان 35 راجاؤں کے حالات ملتے ہیں جن کا ذکر کالہن نے اپنی ''راج ترنگنی'' میں نہیں کیا۔

یہ ایک نادر کتاب تھی جس سے پیر غلام حسن نے اپنی ''تاریخ حسن'' کو دیگر تصانیف سے ممتاز بنا دیا۔

''تاریخ حسن'' فارسی زبان میں ہے۔ 1305 ہجری بمطابق 1907ء میں مکمل ہوئی۔ 1916ء میں اپنی وفات سے دو سال قبل مصنف نے اپنی مہر لگا کر خانقاہ معلیٰ سرینگر میں بطور وقف جمع کرادی تاکہ شایقین اس سے استفادہ کرتے رہیں۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ سرینگر سے شائع ہوا۔

''تاریخ حسن'' کے چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں کشمیر کا جغرافیہ دیا گیا ہے، اس کی فرمائش کشمیر کے وزیر اعظم دیوان انت رام نے کی تھی۔

دوسرے حصہ میں، جو 596 صفحات پر مشتمل ہے، کشمیر کی سیاسی تاریخ قدیم ہندو راجگان، مغل و افغان سلاطین، سکھ اور ڈوگرہ حکمرانوں کے حالات درج ہیں۔

تیسرے حصے میں سادات، مشائخ، صوفیاء اور ریشیوں کا تذکرہ ہے۔

چوتھے حصے میں کشمیر کے فارسی شعراء کا حال درج ہے۔

تاریخ حسن کو اہل علم نے بہت پسند کیا ہے اور مؤرخین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ سر والٹر لارنس کمشنر کشمیر نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور مصنف کو نقد انعام کے علاوہ ایک قطعہ اراضی بھی عطا کیا۔ پیر غلام حسن نے 65 سال کی عمر میں 18 نومبر 1918ء کو وفات پائی۔ (22)

مؤرخ کشمیر منشی محمد دین فوق:

محمد دین فوق 1887ء میں ضلع سیالکوٹ کے گاؤں کوٹلی ہرنارائن میں پیدا ہوئے۔ 1896ء میں لاہور چلے آئے پھر باقی عمر یہیں گزاری۔ فوق صاحب کو بچپن سے ہی شاعری کا

شوق تھا۔ 1898ء میں داغ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ یوں علم و ادب اور شاعری سے دلچسپی بڑھتی گئی۔ 1901ء میں انہوں نے ''پنجہ فولاد'' اور 1906ء میں ''کشمیری میگزین'' جاری کیا جو 1917ء میں ہفت روزہ کی شکل اختیار کر گیا۔ ان اخبارات کے ذریعے انہوں نے کشمیری قوم کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور ان کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔

فوق صاحب کو کشمیریوں کے لئے خدمات کی بناء پر علامہ اقبال نے ''مجدّدِ کشامرہ'' کا خطاب دیا۔ کشمیر کے بارے میں مختلف موضوعات پر انہوں نے 95 کتابیں اور رسالے لکھے جن میں خاص طور پر درج ذیل تاریخی کتابیں شامل ہیں:

1. مکمل تاریخ کشمیر (تین جلدوں میں)
2. رہنمائے کشمیر
3. تاریخ اقوام کشمیر (تین جلدوں میں)
4. تاریخ اقوام پونچھ (دو جلدوں میں)
5. سفرنامہ کشمیر
6. غنی کشمیری
7. للہ عارفہ
8. مشاہیر کشمیر
9. خواتین کشمیر
10. شباب کشمیر
11. تاریخ بڈشاہی
12. راجہ سکھ جیون مل
13. تذکرہ شیخ نورالدین ولی
14. مہاراجہ گلاب سنگھ

فوق صاحب 1945ء میں فوت ہوئے۔(23)

پچھلے صفحات میں ہم نے فارسی زبان میں لکھی گئی تواریخ کا اجمالی ذکر کیا ہے۔ گزشتہ صدیوں کے دوران انگریزی زبان میں بھی کشمیر کی تاریخ پر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان سب کا احاطہ کرنا خاصا مشکل کام ہے اس لئے ان سے ہم صرف نظر کرتے ہیں ہیں۔

حوالہ جات:

1. آر سی موجمدار	دی ویدک ایج	صفحہ
2. پروفیسر فریدالدین	قدیم ہندوستانی فلسفہ	صفحہ 7
3. ڈبلیو اے ہرسٹ	ہسٹری آف انڈیا	صفحہ 28
4. پروفیسر فریدالدین	قدیم ہندوستانی فلسفہ	صفحہ 9-10
5. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 645

6. پریم ناتھ بزاز   تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر   صفحہ 27

7. پریم ناتھ بزاز   تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر   صفحہ 29

8. محمد حسین آزاد   دربار اکبری   صفحہ 116

9. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 486

10. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 460

11. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر   صفحہ 645

12. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 670

13. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 645

14. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 645

15. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 645

16. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 645

17. جگ موہن   مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر   صفحہ 646

18. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 467

19. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 471

20. حکیم محمد موسی   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 472

21. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 468

22. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 475-77

23. حکیم محمد موسیٰ   ادبی دنیا کشمیر نمبر   صفحہ 481-83

باب نمبر: 3

کشمیر کی عہد عتیق کی تاریخ

ہزاروں سال پہلے سرزمین کشمیر ایک وسیع جھیل تھی جس کا نام ستی سر تھا، اسے ہر طرف سے اونچے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔ نامور محقق پروفیسر محی الدین حاجنی کا خیال ہے کہ اُس زمانے میں پہاڑوں پر اگر کوئی انسان بستے تھے تو اُن کی زندگی بن باسی رہی ہوگی۔

دیو مالائی قصوں کے مطابق جلد بھو (JALODBHAVA) نامی آدم خور دیو جھیل سے نکل کر کناروں پر آباد بستیوں میں لوگوں کو تنگ کرتا تھا۔ کشپ رشی نے اس دیو کے خلاف کارروائی کرنی چاہی تو وہ جھیل کے پانی کے اندر چھپ گیا۔ کشپ رشی نے بارہ مولہ کے قریب ایک پہاڑ کاٹ کر جھیل کا پانی باہر نکالا۔ تاہم جو لوگ دیو مالائی کہانیوں پر یقین نہیں رکھتے، انہیں برنیئر جیسے محقق یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ علاقہ زلزلوں کی زد میں رہا ہے جسکی وجہ سے پہاڑوں میں شگاف پڑ گئے۔ چنانچہ کھادن یار کے قریب پہاڑ میں شگاف پڑ گیا۔ اور ستی سر کا پانی نشیب کی طرف بہہ نکلا۔ جسکی نشانی آج کا دریائے جہلم ہے۔ مشہور جغرافیہ دان فریڈرک ڈریو کے مطابق دیو مالائی روایات ہمیں ماضی کی تاریخ کے بارے میں اصلیت جاننے میں بہت مدد دیتی ہیں۔ (1)

چنانچہ یہ بات امکان سے باہر نہیں ہے کہ کشمیر میں پہاڑوں کے پھٹنے اور اس کے نتیجہ میں ایک عظیم سیلاب کے وقوع میں آنے کے وجہ سے ہی ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی تہذیبیں ناپید ہوگئیں۔ (2)

نیلہ ناگ کیشب رشی کا بیٹا تھا اور یہاں بسنے والی ناگ یا ناگا نسل کا جدّ اعلیٰ۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کشمیر میں قدیم زمانہ میں ناگ (یا ناگا) نسل کے لوگ آباد تھے۔

جگ موہن کا بیان ہے کہ

> ''برزہامہ کی کھدائیوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وادی میں 2000 قبل مسیح میں آبادی موجود تھی۔ ناگ یا ناگا یہاں کا قدیم ترین قبیلہ تھا۔ کچھ دوسرے قبائل جن میں کھش، ڈار، بھٹہ، ڈوگر، پشادا اور تانترے وغیرہ شامل ہیں، بعد میں ظاہر ہوئے۔'' (3)

سی ایف اولڈھم کے مطابق یہ لوگ سورج بنسی خاندان کے سپوت تھے لیکن جیمز فرگوسن کا

خیال ہے کہ یہ لوگ تورانی نسل کے خانہ بدوش تھے اور آریا حملہ آوروں نے انہیں بھگا کر یہاں پہنچایا تھا۔ بہرحال تاریخی اندازوں سے یہ بات یقینی ہے کہ یہ لوگ کشمیر کے اصل باشندے تھے اور آریہ نہ تھے۔ ان ہی کی تہذیب کشمیر کی تہذیب کی بنیاد بنی اسی طرح جس طرح کشمیر کی ایک اور قدیم نسل ''پشاچا'' کی زبان کشمیری زبان کی بنیاد بنی۔

اگست 1965ء میں سری نگر کے ایک ماہنامہ ''شیرازہ'' میں اقبال ناتھ کا لکھا ہوا ایک مقالہ کشمیری زبان میں شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار نے قدیم کشمیر کے آٹھ ''ناگ'' قبیلوں کا ذکر کیا تھا۔ یہ ناگ قبیلے چشموں کے کنارے آباد تھے اور پھن دار سانپ کی پرستش کرتے تھے۔ کلہن کے دور تک ناگ قبیلوں اور چشموں کے اردگرد دیومالائی قصوں کا ایسا جال بن دیا گیا تھا کہ یہ جاننا مشکل ہو گیا تھا کہ ''ناگ'' کشمیری انسان تھے یا کوئی غیر مادی روحانی مخلوق تھے۔ (4)

آریہ کشمیر میں وارد ہو گئے تو انہیں ناگوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن بعد میں ان کے مذہب اور معاشرے میں ناگوں کا اثر بہت بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ آریوں نے ناگوں کو دیوتا بنا دیا۔ کلہن کے مطابق کشمیر وہ سرزمین ہے جسے ''نیلہ۔ سنگھا اور پدما'' نامی ناگوں نے اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔ ناگوں نے ہمارے پرکھوں کی کئی رنگ میں دستگیری کی ہے۔ مثلاً انہوں نے زعفران کی کاشت سکھائی۔ انہوں نے تابنے کی کانوں کی نشاندہی کی۔ (5)

ایسا لگتا ہے کہ پشاچوں کو مغلوب کرنے کے لئے ناگوں نے آریاؤں کا ہاتھ بٹایا جس سے اُنکے تعلقات بڑھ گئے اور مذہبی ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔

نیلہ مت پُران کے مطابق کشمیر میں ناگوں کی پوجا کی جاتی رہی ہے۔ آج بھی خوش عقیدہ ہندو ''نوشین'' (برف نو) اور ورن پنچمی کے بڑے دِن پر ناگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اگرچہ ناگ آریائی نسل سے نہیں تھے لیکن بھگوت گیتا میں بھی ان کی ذات کی بڑائی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

مگر جونہی ثقافتی میل ملاپ نے سیاسی اُلجھنیں پیدا کیں، آریاؤں میں ذات پات کی پرانی بیماری نے سر اٹھایا جسکے نتیجہ میں انہوں نے ناگوں کو یا تو بھگا دیا یا ختم کر دیا۔ ''ھیئہ مال'' اور ''ناگرائے'' کی المیہ داستان ہمیں تمثیلی انداز میں یاد دلاتی ہے کہ آریاؤں اور ناگوں کے سیاسی بھائی چارہ کو محض آریاؤں کے ذات پات کے عقیدے نے تباہ و برباد کیا۔

اس دور کے بعد جو بچے کھچے ناگ، نگر یا کشمیر کے دوسرے علاقوں میں بستے رہے، ان کی سیاسی بیداری کے بارے میں صرف ایک روایت باقی ہے کہ کرکوٹ خاندان کا بانی ''درلبھ

وردھن''جس نے 601ء سے 636ء تک حکمرانی کی، دراصل ایک ناگ شہزادہ تھا۔

آریاؤں کی آمد سے پہلے ناگوں کے ہم عصر اور ہم وطن ''پشاچ'' نسل کے لوگ تھے جارج گریئرسن کا خیال ہے کہ اگرچہ آریا اور پشاچ ایک ہی سرزمین (ایران) سے ہندوستان کی طرف آرہے تھے لیکن پشاچوں کی ابتدا سے ہی آریاؤں سے چپقلش رہی کشمیر میں ایک دوسرے سے تعلقات ہونے کے بعد بھی آریا انہیں اچھوت سمجھتے رہے۔ لیکن جہاں تک پشاچوں کی تہذیب کے اثر کا تعلق ہے اس کی بہت بڑی یادگار یہاں کی کشمیری اور دوسری زبانیں ہیں جن پر آج تک درجنوں زبانوں کی پیوندکاری رہی ہے جسے آریاؤں کو مجبوراً قبول کرنا پڑا۔

جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے، ماہرین لسانیات کی تحقیق کے مطابق بلتی شینا کوہستانی، کشمیری، پہاڑی اور خور زبانیں ایک ہی گروپ یعنی پشاچا گروپ یا درد گروپ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر ناموس'' گلگت اور شینا زبان'' میں لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانہ میں پشاچا گروپ (یعنی درد خاندان) میں یہ زبانیں شامل ہیں۔ خور (چترال کی زبان) کافر (کافرستان کی زبان) اور درد گروپ میں شینا، کوہستانی، کشمیری اور پہاڑی شامل ہیں۔ یہ زبانیں الفاظ اور بندش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ آپس میں ان کا ایک ربط موجود ہے یعنی یہ ایک ہی گھرانے کی زبانیں ہیں۔ یہ کہنا آسان ہے کہ یہ پانچوں ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہیں۔''(6)

ڈاکٹر ناموس کہتے ہیں کہ ان تمام تاریخی اور لسانی حقائق سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جدید پشاچا زبانیں اپنی ذات کے لحاظ سے نہ تو ایرانی آریائی ہیں اور نہ ھند آریائی۔ بلکہ زبانوں کا ایک جداگانہ گروہ ہیں۔ (7)

ریاست کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں شینا، بلتی اور کشمیری تینوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اسطرح شینا اور کشمیری نیز پہاڑی اور کشمیری دونوں زبانیں بولنے والے علاقے بھی موجود ہیں۔

پشاچوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''بُرزہ ہامہ'' ان کا مرکز تھا۔ بُرزہ ہامہ میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے بعد ڈی ایچ گورڈن اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بُرزہ ہامہ کے باسی 1200ء قبل مسیح میں یہاں پہنچے تھے۔ جہاں تک کشمیر کو آباد کرنے کا تعلق ہے پشاچ قبائل ابتدائی ناگ عہد سے ہی سارے کشمیر میں وقتاً نوقتاً نو آبادیاں بساتے رہے ہیں۔ ان کی تعداد آریاؤں اور ناگوں

کے مقابلے میں بہت زیادہ رہی ہے اسی لئے ان کی زبان عوام کی زبان بن گئی۔

پشاچوں کے ساتھ ایک اور غیر آریائی قبیلہ کا ذکر آتا ہے جو "یکشا" کہلاتا ہے غالباً کشمیری زبان کا لفظ "یچھ" ان ہی کی یادگار ہے۔ یچھ کے معنی ہیں ناکارہ، بدصورت وغیرہ۔ ہوسکتا ہے یہ لوگ شکل وصورت کے لحاظ سے کم تر ہوں۔

ان ابتدائی قبیلوں کے بعد "آریا" کشمیر پہنچے۔ یہ لوگ اپنی تہذیب، اپنا تمدن، اپنا مذہب اور فلسفہ لائے۔ کشمیری سمبت (کیلنڈر) جو "کالی" کہلاتا تھا، کی ابتدا کشمیر میں آریاؤں کے دور سے ہی ہوئی ہے۔ یہ سمبت 3075-76 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اس حساب سے آج 2004 عیسوی کشمیری کیلنڈر کا 5079 واں سال ہے۔ رشید اختر ندوی نے بھی اپنی شاہکار تصنیف "ارض پاکستان کی تاریخ" میں کشمیر اور اسکے آس پاس کے اُس دور کے حالات کا ذکر کیا ہے:

> "موجودہ پاکستان میں پہلا آدمی شمال مغربی پہاڑی دامنوں میں آباد تھا، یہ پہاڑی دامن ایک تو وہ ہیں جنہیں دریائے "سون" سیراب کرتے ہیں یعنی موجودہ راولپنڈی اور اٹک کے اضلاع اور دوسرے دامن جموں، سیالکوٹ اور پونچھ ہیں۔ بہر حال اس دور کے آدمی نے بھی اپنے آثار نیم گھڑے قسم کے پتھر کے اوزار چھوڑے ہیں جو کلر، چومکھ، ملک پور، سون نالے اور توی کے آس پاس ملتے ہیں۔ پہلے تین مقامات دریائے جہلم اور اسکے معاون ندی نالوں سے سیراب ہونے والے علاقے سے متعلق ہیں۔" (8)

رشید اختر ندوی مزید لکھتے ہیں:

> "دریائے جہلم اور چناب کے علاقے میں ان دنوں جو قبیلے آباد تھے ان میں رگ وید نے سجاونت، مہاواس، اتراکورو اور مدرا کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ سجاونت جنوبی کشمیر کے باشندے تھے۔ سوما، شراب کی بوٹی ان ہی کے علاقے میں پیدا ہوئی تھی۔ اتراکورو اور مدرا سجاونت اور تریکا کے مابین کی سرزمین کے مالک تھے۔ اتراکورو اور مدرا کے اس علاقے کو ہم موجودہ کشمیر کا نام دے سکتے ہیں۔ مشہور عالم فینکے کا تو خیال ہے کہ سنسکرت زبان دراصل کشمیر میں پروان چڑھی تھی۔ ویدک انڈیکس کے مورخین نے اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔ رنگ اچاریہ کہتے ہیں کہ

زمانے میں جنوبی ہندوستان کے لوگ زبان سیکھنے کیلئے کشمیر یا اتراکورو مدرادیس جایا کرتے تھے کیونکہ عام خیال تھا کہ اس علاقے کی زبان بہت پاکیزہ ہے۔"(9)

آریا کون تھے، کہاں سے آئے تھے؟

آریوں کا اصل وطن وسط ایشیا کے مغربی خطے میں خوارزم اور بخارا کا علاقہ تھا۔ 2000 قبل مسیح میں انہوں نے وسط ایشیا کی چراگاہوں سے نکل کر یورپ اور جنوبی ایشیا کا رُخ کیا۔ یہیں سے وادیٔ سندھ میں آریائی قبیلوں کی آمد شروع ہوئی اور 500 سال تک ہوتی رہی۔ یہ قافلے درۂ خیبر اور درۂ بولان کے راستے داخل ہوتے رہے۔ جب وادیٔ سندھ میں گنجائش نہ رہی تو انہوں نے وادیٔ گنگ وجمن کا رُخ کیا اور دور تک پھیلتے چلے گئے۔

وسط ایشیا سے آریوں کی برصغیر میں آمد کا احوال رگ وید سے ملتا ہے جو 1400 قبل مسیح کے قریب مرتب ہوئی۔ آریوں کا ورود کسی ایک ہی حملے کی صورت میں نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ صدیوں تک جاری رہا۔ پہلے انہوں نے سرسوتی اور دریشدوتی کے درمیانی علاقوں (موجودہ پنجاب) میں ڈیرے ڈالے، پھر وہ مشرق میں پٹنہ تک پہنچ گئے۔ آریا برصغیر کے قدیم باشندوں کے مقابلے میں دراز قد، خوبصورت، صحت مند اور مہذب تھے۔ انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں کو، جو رنگ میں کالے تھے، جنگلوں میں دھکیل کر ان کی زمینوں پر قبضہ کرلیا۔ آریہ ان مقامی لوگوں کو "داس"، "راکھشش" اور "ناگ" وغیرہ کے نام سے بلاتے تھے اور انہیں اپنے سے کمتر، ناپاک اور حقیر سمجھتے تھے۔

آریاؤں کے عقائد بھی یہاں کے اصلی باشندوں کے مقابلہ میں صاف ستھرے اور پاکیزہ تھے۔ ان میں ذات پات نہیں تھی۔ اور اس کائنات کا خالق کسی اعلیٰ ہستی کو مانتے تھے۔ وہ خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔ تاہم رگ وید کے مطابق مختلف دیوتاؤں کا وجود تھا۔ اندر بارش کا، اگنی آگ کا، ورون آسمان کا، پرتھوی زمین کا، سوریہ سورج کا اور چندر چاند کا دیوتا ہے۔(10)

جگ موہن کے خیال میں:

"آریا کشمیر میں 800 قبل مسیح کے لگ بھگ آئے۔ انہوں نے یہاں حکومت قائم کی۔ ان کے عقیدہ میں بادشاہ کو آسمانی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔

بھگوان کرشن نے کشمیر کے بارے میں لوگوں سے کہا کہ "یہ جان لو کہ کشمیر پاروتی ہے۔ اس کا بادشاہ بھگوان شیو کا ایک حصہ ہے۔" (11)

ویدوں کے زمانے میں ذات پات کا تصور نہیں تھا۔ یہ بعد میں پیدا ہوا اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صاحب اقتدار لوگوں نے اسے آسمانی اور مذہبی حیثیت دے دی۔ حتیٰ کہ مہابھارت کے مطابق:

"برہمن برہما کے سر سے یا منہ سے پیدا ہوئے ہیں، کھشتری اُسکے بازوؤں سے، ویش اسکی رانوں سے اور شودر اُسکے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔"

برہمنوں کا طبقہ فلاسفروں اور مذہبی پیشواؤں پر مشتمل تھا۔ یہ طبقہ رفتہ رفتہ اہمیت اور طاقت پکڑتا گیا اور معاشرے میں اعلیٰ ترین مقام کا حامل قرار پایا۔ وہ لوگ جو جنگ وجدل میں عملی حصہ لیتے تھے کھشتری کہلائے۔ یہ بھی ایک طاقتور طبقہ بن گیا۔ ایک طبقہ نے گزربسر کے لئے کھیتی باڑی کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ یہ سماج کا تیسرا طبقہ ویش کہلایا۔ برہمنوں اور کھشتریوں کے بعد اس طبقہ کو بھی معاشرے میں ایک ذات کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا۔ چوتھا طبقہ نوکروں چاکروں اور چھوٹے چھوٹے کام کرنے والوں پر مشتمل تھا جو شودر کہلایا۔ (12)

حیرت انگیز طور پر ذات پات کا نظام افلاطون کی ری پبلک سے بھی ملتا ہے جس میں اعلیٰ ترین طبقہ حکمرانوں کا، دوسرا فوجیوں کا، تیسرا تاجروں کا اور ادنیٰ ترین طبقہ غلاموں کا تھا۔ (13)

برہمنوں کا دنیاوی اور روحانی اقتدار اتنا مضبوط تھا کہ منوسمرتی کا خالق یہ اعلان کرنے کے قابل ہو گیا کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو کوروکشیتر میں پیدا ہونے والے برہمنوں سے اپنے اپنے فرائض سیکھنے چاہئیں۔ (14)

تاریخ میں اس بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ برہمن ازم موجودہ حیثیت میں کس طرح پہنچا یعنی برہمن ذات نے معاشرے میں اہم ترین درجہ کیسے حاصل کیا۔

ویدانت کے زمانے میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ اس زمانے میں ہر خاندان کا سرپرست خود ہی مذہبی رسوم کی ادائیگی کا کام سرانجام دیتا تھا۔

اسطرح ویدوں کے زمانے کے برہمن اور منوسمرتی کے زمانے کے برہمن میں کوئی مماثلت نظر نہیں آتی۔ ویدانت کے دور (VEDIC AGE) میں برہمن ایک غیر اہم مبہم سی حیثیت کا حامل تھا لیکن بعد کے زمانے میں ہندوستان میں برہمن مقتدر حیثیت کا حامل قرار

پایا۔ وہ تقدیس مآب اور اقتدار کا حامل قرار پایا اور اُسے عوام پر ایک بالادستی حاصل ہوگئی۔ ایسی کہانیاں ظہور میں آنے لگیں کہ ''کسی برہمن کی ناراضگی کسی شخص کی تباہی و بربادی کا سبب بن گئی''۔ ''برہمن نے کسی کو بد دعا دی اور وہ فنا ہوگیا''۔ منوسمرتی کی تصنیف کے زمانہ (1000 ق م) میں برہمن اختیار اعلیٰ حاصل کر چکے تھے۔ انہیں مذہبی معاملات کے علاوہ سماجی رسم ورواج میں بھی مکمل اختیار حاصل تھا۔ فریزر کے مطابق:

''آریاؤں اور قدیم باشندوں کے درمیان ایک واضح فرق کو برقرار رکھنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ اگر کوئی شودر (قدیم باشندہ) کسی آریائی کو چھو لے جبکہ وہ کھانا کھا رہا ہو تو اسے وہ کھانا چھوڑ دینا چاہیئے۔'' (15)

''برہمن سے چاہے کوئی بھی جرم سرزد ہو، راجہ اسے موت کی سزا نہیں دے سکتا اسے جلاوطن تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی جان اور اس کے مال کو کوئی گزند نہیں پہنچایا جا سکتا۔''

''اگر کسی شخص نے کسی برہمن کو گھاس کے تنکے سے بھی مارا تو اسے اگلے 21 جنموں میں آواگون کے تحت ایک حقیر چوپائے کی زندگی گزارنی ہوگی۔''

اگر کوئی شخص برہمن کا خون بہانے کا مرتکب ہو تو اسے اگلے جنموں میں اتنے سال تک درندوں کی چیر پھاڑ کا شکار رہنا پڑے گا جتنے خاک کے ذرّات برہمن کے خون سے آلودہ ہوئے ہوں۔'' (16)

کوئی شودر کسی برہمن کی ہمسری کرنے کی کوشش کرے تو اسے ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شودر ویدوں کے سننے کی جسارت کرے تو اسکے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا جاتا تھا۔ ایک شودر کو قتل کرنے کی سزا اتنی ہی تھی جتنی کسی کتے کو مارنے کی ہو سکتی ہے۔ بادشاہوں کے لئے حکم تھا کہ وہ برہمنوں کی ہر طرح سے نگہداشت کریں، انہیں دل کھول کر عطیات دیتے رہیں۔

بدھ مت کا ظہور اور عروج برہمن ازم کی انہی زیادتیوں کے خلاف ایک ردّ عمل تھا۔ گوتم بدھ 563 قبل مسیح میں کپل وستو (فیض آباد کے قریب) پیدا ہوئے اور 483 قبل مسیح میں وفات پائی۔ (18،17)

پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف اوّل میں ہندوستان کی جگہ کشمیر بدھ مت کا مرکز بن گیا اور کئی صدیوں تک یہاں بدھ مت کا عروج رہا۔ (19)

کشمیر کے صوبہ لداخ میں بدھ مت اب تک رائج ہے۔ بلتستان اور گلگت کے کئی مقامات پر بدھ مت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

حوالہ جات:

1. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس — صفحہ 38
2. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس — صفحہ 38
3. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس — صفحہ 38
4. اقبال ناتھ — ماہنامہ شیرازہ سری نگر — اگست 1965ء
5. پروفیسر محی الدین حاجی — مقالات حاجی — صفحہ 91
6. ڈاکٹر ناموس — گلگت اور شینا زبان — صفحہ 110
7. ڈاکٹر ناموس — گلگت اور شینا زبان — صفحہ 114
8. رشید اختر ندوی — ارض پاکستان کی تاریخ — صفحہ 59
9. رشید اختر ندوی — ارض پاکستان کی تاریخ — صفحہ 290-91
10. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس — صفحہ 39
11. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس — صفحہ 39
12. فریزر — لٹریری ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 22
13. فریزر — لٹریری ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 23
14. فریزر — لٹریری ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 68
15. فریزر — لٹریری ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 152-53
16. ٹالبائی وھیلر — ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 535
17. خالد ارمان — گوتم بدھ — صفحہ 329
18. مائیکل ہارٹ — سو عظیم آدمی — صفحہ 41
19. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 72-61

سیاسی تاریخ کا آغاز

نامور کشمیری مؤرخ پریم ناتھ بزاز کہتے ہیں:

''کشمیر کی سیاسی تاریخ کا آغاز ایک دلچسپ واقعہ سے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کشمیر کا پہلا بادشاہ ''گوننده اول'' مگدھ کے راجہ ''جراسندھا'' کا رشتہ دار تھا۔ وہ جراسندھا کی طرف سے کرشن سے جنگ کرنے گیا۔ اس نے متھرا کا محاصرہ کیا اور وہیں مارا گیا۔ اسکے بیٹے ''دامودر'' نے بھی گندھارا میں کرشن پر حملہ کیا اور اپنے باپ کی طرح وہ بھی مارا گیا۔ اسکے بعد دامودر کی بیوہ ''یشومتی'' کو تخت پر بٹھایا گیا۔'' (1)

جگ موہن نے اپنی کتاب ''مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر'' میں اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''گوننده اوّل مگدھ کے بادشاہ جراسندھا کا رشتہ دار اور دوست تھا۔ جراسندھا متھرا کے بادشاہ کرشن کا سر تھا۔ گوندا جراسندھا کی مدد کو گیا۔ لیکن کرشن کے ہاتھوں مارا گیا۔ جراسندھا کے بعد اسکا بیٹا دامودر تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کیلئے کرشن کے خلاف جنگ کرنے نکل کھڑا ہوا۔ لیکن وہ بھی مارا گیا۔ اسکے بعد دامودر کی بیوہ یشومتی، جو اس وقت امید سے تھی، کشمیر کے تخت پر بیٹھی۔ اس معاملہ میں کرشن نے اسکی مدد کی۔ اسکے ہاں بیٹا پیدا ہوا جسکا نام گوندا ثانی رکھا گیا۔'' (2)

اسکے دور میں مہابھارت کی جنگ لڑی گئی۔ لیکن گوندا دوئم کے نابالغ ہونے کی وجہ سے پانڈوؤں اور کوروؤں میں سے کسی نے اس کی مدد کی درخواست نہیں کی۔ گوندا ثانی کے بعد 43 راجاؤں نے کشمیر پر حکمرانی کی۔ حتیٰ کہ اشوک اعظم نے 273 ق م میں کشمیر کو تسخیر کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اشوک نے 273 قبل مسیح سے 232 قبل مسیح تک 41 سال کشمیر پر حکمرانی کی۔ (3)

اشوک سے قبل کشمیر پر حکمرانی کرنے والے راجاؤں کے حالات اور خصوصی کارگذاریاں اگلے صفحات میں درج کی جارہی ہیں:

نمبر	نام	مدت حکمرانی			
		از	تا	مدت	
1	راجہ گونندا ثانی	1883ق م	1843ق م	40سال	40سال کی حکمرانی کے بعد 54سال کی عمر میں ہرن دیو کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔
2	راجہ ہرن دیو	1843ق م	1813ق م	30سال	رعایا میں عدل وانصاف کو رواج دیا ملک کو استحکام دیا۔
3	راجہ رام دیو	1813ق م	1744ق م	69سال	عدل واحسان میں باپ سے بڑھ کر تھا۔ کریوہ پٹن میں پاٹل نام کا شہر بسایا مارتنڈ کا مندر تعمیر کیا جو آج تک موجود ہے وہیں ایک نہر تعمیر کی۔
4	راجہ بیاس دیو	1744ق م	1688ق م	56سال	سرکاری سطح پر تعلیم کا محکمہ جاری کیا۔
5	راجہ ورنا دیو	1688ق م	1630ق م	58سال	اسکا قول تھا ہزارریاضت اور عبادت سے ایک مظلوم کی چارہ جوئی افضل ہے۔
6	راجہ سہم دیو	1630ق م	1576ق م	54سال	گوشت خوری پر پابندی لگائی۔ سہم پور گاؤں آباد کیا۔
7	راجہ گوپال چند	1576ق م	1563ق م	13سال	دائمی المریض ہونے کی وجہ سے بہت کمزور تھا۔
8	راجہ وزیانند	1563ق م	1538ق م	25سال	ویجہ پور کا شہر آباد کیا جو بعد میں بج بہاڑہ کہلایا۔ کاشغر اور ختن فتح کر کے کشمیر میں شامل کیے۔ شاہ ختن کی بیٹی سے شادی کی۔
9	راجہ سکھ دیو	1538ق م	1494ق م	44سال	
10	راجہ رامانند	1494ق م	1437ق م	57سال	محاصل میں اضافہ کر کے 10ویں حصہ کی بجائے پانچواں حصہ مقرر کیا۔
11	راجہ سندیمان	1437ق م	1372ق م	65سال	سندیت نگر بسایا۔
12	راجہ موہن دیو	1372ق م	1317ق م	55سال	اس کے دور میں زبردست سیلاب آیا ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔
13	راجہ چندر دیو	1417ق م	1265ق م	52سال	بہت عیاش راجہ تھا اس کے حرم میں 360عورتیں تھیں۔
14	راجہ آنند	1265ق م	1237ق م	28سال	
15	راجہ دربت دیو	1237ق م	1186ق م	51سال	
16	راجہ ہرنام دیو	1186ق م	1147ق م	39سال	
17	راجہ سلکن دیو	1147ق م	1119ق م	28سال	
18	راجہ سنیادت	1119ق م	1102ق م	17سال	عیاش حکمران تھا اپنے بھائی منگلادت کے ہاتھوں قتل ہوا۔

		مدت حکمرانی			
نمبر	نام	از	تا	مدت	
19	راجہ منگلادت	1102ق م	1063ق م	39 سال	بھائی کی طرح عیاش تھا۔ اس کے دور میں ہوا میں زہریلی دھند پھیلی اور ہزاروں لوگ مر گئے۔
20	راجہ کھیمہ اندر	1063ق م	997ق م	66 سال	
21	راجہ بھیم سین	997ق م	936ق م	61 سال	
22	راجہ نیندر سین	936ق م	890ق م	46 سال	
23	راجہ سندر سین	890ق م	849ق م	41 سال	سندر یت نگر ایک بھونچال کے نتیجہ میں غرق ہو گیا، اس جگہ اب جھیل ولر ہے۔
24	راجہ لو	849ق م	818ق م	31 سال	عادل، منصف مزاج، رعایا پرور حکمران تھا۔ سندر یت نگر کا شہر دوبارہ آباد کیا۔
25	راجہ کوشی	818ق م	801ق م	17 سال	
26	راجہ خگندر	801ق م	771ق م	30 سال	کاکاپورہ اور کھونہ موہ آباد کیے۔ یہ گاؤں ضلع پلوامہ میں اب بھی موجود ہیں۔
27	راجہ سوراندر	771ق م	724ق م	47 سال	
28	راجہ گودھر	724ق م	692ق م	32 سال	
29	راجہ سودرن	692ق م	651ق م	35 سال	آڈون آباد کیا۔
30	راجہ جنک	657ق م	625ق م	31 سال	
31	راجہ سینچی نر	625ق م	585ق م	40 سال	شانگس کا گاؤں آباد کیا۔
32	راجہ گلگندر	585ق م	540ق م	45 سال	
33	راجہ بلدیو	540ق م	487ق م	53 سال	بلدیو پورہ کے نام سے ایک بستی آباد کی حبی مال اس کی بیٹی تھی۔ حبی مال اور ناگ رائے کی داستان محبت مورخ رتنا کرنے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے۔
34	راجہ نل سین	487ق م	462ق م	25 سال	ہری پربت پر شریکا دیوی کا مندر تعمیر کیا۔
35	راجہ گھوکرن	462ق م	436ق م	26 سال	
36	راجہ ہربلاد	436ق م	425ق م	11 سال	
37	راجہ بمبور	425ق م	417ق م	8 سال	بمبور اور لولری کی پریم کہانی کشمیر میں بہت مشہور ہے۔ ان دونوں کو ایک ہی شمشان بھومی میں جلایا گیا تھا۔

	مدت حکمرانی				
نمبر	نام	از	تا	مدت	
38	راجہ پرتاب شیل	417ق م	381ق م	36 سال	پرتاب نگر کے نام سے شہر آباد کیا۔ مچھ مون مندر بنوایا۔
39	راجہ سنگرام چند	381ق م	380ق م	1 سال	
40	راجہ لارک چند	380ق م	349ق م	31 سال	لارک نگر کے نام سے شہر آباد کیا۔
41	راجہ بیرم چند	349ق م	304ق م	45 سال	
42	راجہ بیکھن	309ق م	287ق م	17 سال	خود تو بہت کم عقل اور کاہل حکمران تھا لیکن اس کی رانی چکرا دیوی بہت معاملہ فہم خاتون تھی۔ اس نے معاملات ملکی نہایت احسن طریقہ سے نبھائے۔ اکثر راتوں کو مردانہ لباس میں شہر کا گشت کرتی رہتی تھی۔
43	راجہ بھگونت	287ق م	273ق م	14 سال	بیکھن کی وفات پر اس کا بھائی بھگونت چکرارانی کی اعانت سے تخت نشین ہوا اور 14 سال حکمرانی کی۔

ان راجاؤں میں راجہ ہرن دیو سے راجہ سندر سین تک پانڈو خاندان کی حکمرانی رہی۔ اس کے بعد مالوہ خاندان اور گودھر خاندان میں منتقل ہوگئی۔

کلہن کے مطابق کشمیر کے متمدن انسان کی تاریخ 2450 قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے جب گونندہ اوّل تخت نشین ہوا۔ تب سے 1239ء تک 21 خاندانوں نے حکومت کی جب ایک غیر ملکی ''شاہ میر'' نے کشمیر کی حکمرانی سنبھالی۔ (4)

پانڈو خاندان کا مختصر احوال:

بعض مؤرخین نے تحقیق کے بعد قرار دیا ہے کہ پانڈو خاندان نے ایک ہزار سال کشمیر پر حکومت کی۔ مؤرخ محمد دین فوق نے بتایا ہے کہ پانڈو خاندان 65 کلجگ سے 1059 کلجگ تک 994 سال حکمران رہا۔ (5)

تاہم ان حکمرانوں میں سے سوائے رام دیو کے کسی کو شہرت حاصل نہ ہوئی۔ کشمیر میں ان راجاؤں نے جو آثار چھوڑے ہیں، وہ ان کی عظمت اور شان و شوکت پر دلالت کرتے ہیں۔ متعدد مقامات پر پانڈو خاندان کی تعمیرات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ ان آثار کو کشمیری زبان میں ''پانڈو لرہ'' کہا جاتا ہے یعنی پانڈوؤں کی عمارات۔ مارتنڈ کے کھنڈرات اور اسلام آباد کے

نواح میں ڈوڈر کی سطح مرتفع پر بنی ہوئی عمارات کی تعمیر دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ عمارات مکمل طور پر پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ کئی کئی گز لمبے اور چوڑے پتھروں کو نہایت خوبصورتی سے تراش کر دیواروں میں جوڑا گیا ہے۔ ان عمارات کو دیکھ کر اس بات کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ پانڈووں کے پاس کوئی ایسا ترقی یافتہ فن موجود تھا جس کے ذریعہ ان بھاری بھرکم پتھروں کو بلندیوں تک پہنچایا جاتا تھا۔

کشمیر میں پانڈووں کے زمانے کی بعض داستانیں اور لوک کہانیاں بہت مشہور ہیں جن میں ''ھئی مال اور ناگرائے'' کی عشقیہ داستان خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

راجہ رام دیو:

رام دیو پانڈو خاندان کے راجہ ہرن دیو کا بیٹا تھا۔ اس نے 1813 ق م سے 744 ق م تک 69 سال کشمیر پر حکمرانی کی۔ اس نے ملک میں کئی اصلاحات نافذ کیں۔ کسانوں سے بطور محاصل پیداوار کا چھٹا حصہ حاصل کرنے کی بجائے پیداوار کا دسواں حصہ مقرر کیا۔ مارتنڈ کے مندر اور دیگر یادگاریں اسی کے زمانہ میں تعمیر ہوئیں۔ ملک کو اندرونی طور پر ترقی دینے کے بعد وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ فتوحات کی مہم پر روانہ ہوا اور پانچ سو کے قریب راجاؤں کو شکست دے کر خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک تمام برصغیر پر اپنی حکومت قائم کی۔ (6)

69 سال تک حکومت کرنے کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو جانشین بنایا اور خود ایک سادھو کی زندگی اختیار کی۔ اس نے اپنی بقیہ زندگی بھون کے مندر میں عبادت میں گزاری۔ (7)

راجہ سُندر سین:

پانڈو خاندان کا آخری حکمران سندر سین تھا، جو بڑا عیاش اور بدکار حکمران تھا۔ اس نے 41 سال تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ (1018 کلجگ سے 1059 کلجگ تک) ملک میں شراب نوشی قمار بازی اور بدکاری حد سے بڑھ گئی تو خدا اس قدر ناراض ہوگیا کہ ایک رات زبردست زلزلہ آیا۔ دارالحکومت سندیمت نگر کے وسط میں زمین پھٹ گئی۔ زلزلہ سے بارہ مولہ کے قریب کھادنیار کے مقام پر پہاڑ کا ایک ٹکڑا دریائے جہلم میں گرا جس سے دریا کی روانی مسدود ہوگئی۔ بادشاہ اور رعایا سمیت ساری خلقت پانی میں غرق ہوگئی۔ سندیمت نگر کا نام ونشان مٹ گیا اور اس جگہ جھیل وجو

میں آ گئی جواب جھیل ولر کہلاتی ہے۔ (8)

حوالہ جات:

1. محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 35
2. پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدو جہد آزادئ کشمیر	صفحہ 29
3. منشی محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 37
4. منشی محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 37
5. منشی محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 43
6. منشی محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 44
7. پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدو جہد آزادئ کشمیر	صفحہ 29
8. پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدو جہد آزادئ کشمیر	صفحہ 30

حصہ دوئم

کشمیر کا ڈھائی ہزار سالہ
سیاسی اٹلس

اس حصے میں جموں کشمیر کی تاریخ کے مختلف ادوار کو نقشوں کی مدد سے زیادہ واضح اور قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے اس کا آغاز مقدونیہ کے سکندر اعظم کی مشرق کی جانب فتوحات کی زبردست مہم سے کیا جا رہا ہے۔

حصہ دوئم میں استعمال ہونے والے نقشہ جات کیلئے حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

1. HISTORY OF INDIA
FROM EARLIEST TO 1939
BY SIR JOHN DUNBAR, LONDON

2. HISTORICAL ATLAS OF INDIA
BY CHARLES JOPPEN S.J.

3. KASHEER
BY DR. G.M.D. SOOFI
PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY, LAHORE.

باب نمبر: 5

سکندر اعظم کی یلغار

500 قبل مسیح میں شہنشاہ داریوس (دارا) نے وادی سندھ کو فتح کر کے اپنی سلطنت فارس میں شامل کرلیا تھا۔ سکندر اعظم کے حملے کے وقت دریائے سندھ فارس اور ہندوستان کے درمیان سرحد کی حیثیت رکھتا تھا۔

مقدونیہ کے حکمران سکندر نے 327 اور 324 قبل مسیح کے دوران مشرق کی جانب اپنی فتوحات کا آغاز کیا۔ اس نے مصر اور سارے وسط ایشیاء کو فارس کی حکمرانی سے چھڑا کر اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ 327 قبل مسیح میں سکندر کے ایک جرنیل نے جلال آباد سے دریائے کابل کی وادی میں سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی، جبکہ خود سکندر نے شمال میں باختر اور سوگدیانہ کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ 326 قبل مسیح میں سکندر اپنے جرنیل سے آملا اور انہوں نے مل کر اٹک سے 16 میل شمال کی جانب اوہند (OHIND) کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ (1)

ٹیکسا شیلا (ٹیکسلا) کے حکمران راجہ امبھی نے سکندر کا خیر مقدم کیا اور نہایت قیمتی تحائف پیش کیے۔ سکندر اِن تحائف سے بہت خوش ہوا اور اپنی طرف سے مزید تحائف کا اضافہ کر کے راجہ امبھی کو واپس کر دیے اور اُس کی اطاعت کو شرفِ قبولیت بخشا۔

ٹیکسلا سے جہلم تک کا سکندر کا سفر کشمیر کی مملکت کی جنوبی سرحد کے ساتھ ساتھ طے ہوا۔ سکندر کی پیش قدمی کی تفصیلات میں کہیں کشمیر کا ذکر نہیں آتا۔ کشمیر پر اس زمانہ میں پونچھ اور نوشہرہ کے ابھیسار راجاؤں کی حکمرانی تھی۔ اس وقت کے ابھیسار راجہ نے سکندر کا مقابلہ کرنے کی بجائے اسکی اطاعت قبول کر لی۔

دریائے جہلم کے کنارے سکندر کی پورس سے جنگ ہوئی، جو اُس وقت دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیانی علاقے کا حکمران تھا۔ پورس کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو کر سکندر کے سامنے پیش ہوا۔ اس موقع پر وہ تاریخی مکالمہ ہوا جس کا تواریخ میں خاص طور پر ذکر ہوا ہے۔ سکندر نے پورس سے پوچھا "بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" پورس نے برجستہ جواب دیا "وہی جو ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرنا چاہیے" سکندر اس جواب سے بہت خوش

ہوا اور پورس کو اسکی مملکت کی حکمرانی واپس کردی۔ دریائے چناب اور راوی کو عبور کرکے سکندر بیاس کے کنارے پہنچا تو احساس ہوا کہ اس کی فوجیں بہت تھک چکی ہیں اور واپس جانا چاہتی ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک دریائی بیڑا تیار کرکے جنوب کی راہ لی۔ اور منصورہ کے قریب پٹالہ کے مقام سے مغرب کا سفر اختیار کیا۔ اپریل ؍مئی 324ق م میں وہ ''سوسا'' کے مقام پر پہنچ گیا، اُس کے ایک جنرل نے خلیج فارس کا راستہ اختیار کیا اور دریائے فرات کے دہانے پر پہنچ گیا۔

سکندر نے اپنی مہم کے اختتام پر اپنے مفتوحہ علاقوں کے لئے نئے انتظامات ترتیب دیئے۔ اس نے راجہ پورس کو جہلم اور بیاس کے درمیانی علاقہ کا نگران بنادیا۔ ٹیکسلا کے راجہ امبھی کو جہلم سے مغرب کے علاقے کا منتظم بنادیا اور راجہ ابھیسار کو کشمیر اور ہزارہ کے علاقوں کی حکمرانی بخش دی۔ (2)

سکندراعظم کی مملکت میں مقدونیہ، ایشیائے کوچک، مصر، میسوپوٹامیہ (عراق)، فارس (ایران) اور دریائے آموکے شمال میں بلخ تک کا علاقہ، افغانستان، پنجاب اور سندھ کے علاقے شامل تھے۔ لیکن کشمیر اس میں شامل نہ تھا اور اپنی آزاد حیثیت سے اپنے مقام پر موجود تھا۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے اس دور میں یہاں راجہ ابھیسار کی حکمرانی تھی۔ سکندر نے اپنی واپسی پر اُسے ہزارہ کے علاقہ کی حکمرانی بھی سونپ دی تھی۔ (3)

ہسٹری آف انڈیا کے مصنف سر جارج ڈبلن نے بھی سکندراعظم کے حملہ کا ذکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

> ''سکندراعظم نے 326 قبل مسیح میں فارس کی عظیم آریائی سلطنت کو شکست دینے کے بعد ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی۔ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد وہ ٹیکسلا کی طرف بڑھا، جہاں کے حکمران ''امبھی'' نے بھیڑ بکریوں، مویشیوں، ہاتھیوں اور دیگر تحائف سے اسکا استقبال کیا، ٹیکسلا سے سکندر نے راجہ پورس کی مملکت کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ کشمیر کی جنوبی سرحدوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہوا جلال پور جا پہنچا۔ جہاں دریائے جہلم کے کنارے پورس کی افواج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ معرکے کی جنگ ہوئی جس میں پورس شکست کھا گیا۔ تاہم سکندر نے اپنی عظمت اور وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورس کو اسکی حکومت

واپس کر دی۔ سکندر بیاس کے کنارے پہنچ گیا تو اسکی افواج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے جنوب کی راہ اختیار کی۔ حتیٰ کہ 325 قبل مسیح میں وہ بحیرہ عرب کے کنارے جا پہنچا۔"(4)

سکندر اعظم کی یادگار:

سکندر اعظم نے 326 قبل مسیح میں تسخیر ہند کی مہم کے دوران جلال پور شریف کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں پڑاؤ کیا تھا۔ اِس مقام پر ایک یادگار کی تعمیر کا افتتاح 6 مئی 1991ء کو یُونان کے سفیر نے کیا۔ اِس یادگار کی تعمیر پر 53 لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔ (5)

چنانچہ اس طرح مقدونیہ کے عظیم فاتح سکندر اعظم اور اس کے جانشینوں کی عظیم مملکت کی سرحدیں دریائے بیاس کے مغرب میں موجودہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان سے مغرب میں ایشیائے کوچک، ایران، مقدونیہ اور مصر تک وسعت پا گئیں، جبکہ کشمیر ان کی یلغار سے محفوظ ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے قائم رہا۔

بھارت یا ہندوستان نام کی کوئی حکومت اُس وقت وجود نہیں رکھتی تھی، جبکہ جنوبی ایشیاء کے اِن علاقوں میں پٹالہ، مالوہ، مگدھ، آندھرا اور چولا نام سے مختلف مملکتیں قائم تھیں۔

تاریخی شواہد کے مطابق سکندر اعظم کے حملے سے پہلے موجودہ پاکستان کا علاقہ ''سپت سندھو دیش'' (سات دریاؤں کی سرزمین) کہلاتا تھا اور حسب ذیل ریاستوں کا وجود قائم تھا:

1. شمال مغرب میں	کمبوج
2. جنوب مغرب میں پختاتائی	وائو (بنوں)
3. سندھ اور جہلم کے درمیان	گندھارا
4. جہلم اور چناب کے درمیان	کیلیا
5. چناب اور راوی کے درمیان	مُدرا
6. راوی کے شمال مشرق میں	کورو
7. راوی کے جنوب میں	یودھیا
8. سندھ میں دریائے سندھ کے مغرب میں	سندھو
9. مکران کے ساحل پر	گیدروشیا (6)

اس باب کے آغاز میں ذکر آ چکا ہے کہ 500 قبل مسیح میں ایران کے شہنشاہ داریوش نے وادیٔ سندھ کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا اور دریائے سندھ ایران (فارس) اور ہندوستان کے درمیان سرحد کی حیثیت رکھتا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کی صورتحال کے بارے میں کچھ مزید روشنی ڈالی جائے۔

500 قبل مسیح میں گندھارا اور سندھ کے سارے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد داریوش نے اپنی سلطنت کو 20 صوبوں میں تقسیم کیا۔ اِن میں سے تین صوبے وادیٔ سندھ سے تعلق رکھتے تھے:

1. پہلا صوبہ	شمالی	گندھارا	خٹک قبیلے کے علاقے، کاکڑ قبیلے کے علاقے اور آفریدی قبائل کے علاقے پر مشتمل تھا۔
2. دوسرا صوبہ	مغربی	گدروشیا	ساحل مکران اور بلوچستان پر مشتمل تھا۔
3. تیسرا صوبہ	مشرقی		موجودہ پنجاب اور سندھ پر مشتمل تھا۔

المختصر یہ کہ ایک صوبہ موجودہ سرحد، دوسرا صوبہ مکران اور بلوچستان، تیسرا صوبہ پنجاب اور سندھ پر مشتمل تھا۔

اس سارے انتظام میں کشمیر کا نام کہیں نہیں آتا تھا جو کہ ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے اپنی جگہ موجود تھا۔(7)

جنوبی ایشیاء میں اس وقت مگدھ دیش، مالوہ اور چولا کی بادشاہتیں قائم تھیں۔ نقشہ ملاحظہ ہو۔

ٹیکسلا کا پرانا نام ٹیکسا شیلا تھا۔ اس کی بنیاد راجہ رام چندر جی کے سوتیلے بھائی بھرت نے رکھی تھی۔ رامائن کے مطابق اس نے اپنے ایک بیٹے ''ٹیکسا'' کو ٹیکسلا شیلا کی گدی پر بٹھایا تھا اور دوسرے بیٹے ''پُشکلا'' کو پُشکلاوتی (چارسدہ) کی گدی پر۔(8)

مورخین رتنا کر اور ملا احمد کا بیان ہے کہ سکندر کشمیر کے اندر بھی آیا تھا۔(9)

لیکن اکثر تواریخ اور مطبوعہ نقشہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا گیا اور دریائے بیاس کے کنارے اس کا پورس سے مقابلہ ہوا اور یہیں سے

[نقشہ نمبر 1]

326 قبل مسیح میں سکندر اعظم کی یلغار

مقدونیہ کے حکمران سکندر اعظم نے 327 اور 324 قبل مسیح کے دوران مشرق کی جانب اپنی فتوحات کا آغاز کیا۔اس نے مصر اور سارے وسط ایشیاء کو فارس کی حکمرانی سے چھڑا کر اپنے زیرنگیں کرلیا۔326 ق م میں اس نے انک سے 16 میل شمال میں دریائے سندھ کو عبور کیا۔مؤرخ سر جان ڈبلن سکندر اعظم کی اس مہم کا ذکر یوں کرتا ہے:

''سکندر نے 326 ق م میں فارس کی عظیم آرایائی سلطنت کو شکست دے کر برصغیر ہندوستان کی جانب پیش قدمی کی۔سندھ کو عبور کر کے وہ ٹیکسلا کی طرف بڑھا جہاں کے حکمران ''امبھی'' نے تحائف کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔یہاں سے اس نے راجہ پورس کی مملکت کی جانب قدم بڑھائے۔وہ کشمیر کی جنوبی سرحدوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہوا جلال پور جا پہنچا۔''

اس مہم کے دوران سکندر نے جلال پور شریف کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں پڑاؤ کیا۔اس مقام پر ایک یادگار قائم کی گئی ہے جس کا افتتاح 6 مئی 1991ء کو پاکستان میں یونان کے سفیر نے کیا اس یادگار کی تعمیر پر 53 لاکھ خرچ کیے گئے ہیں۔

اس مہم کے نتیجہ میں سکندر اعظم کی عظیم مملکت کی سرحدیں دریائے بیاس کے مغرب میں موجودہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان سے مغرب میں ایشیائے کوچک، ایران، مقدونیہ اور مصر تک وسعت پا گئی تھیں۔جبکہ کشمیر اس کی یلغار سے محفوظ ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے قائم رہا۔

بھارت یا ہندوستان کے نام کی کوئی حکومت اس وقت وجود نہیں رکھتی تھی۔اس سارے خطے کو یعنی جنوبی ایشیاء کو ہندوستان کے نام سے پکارا جاتا تھا جس میں پٹالہ، مالوہ، مگدھ، آندھرا اور چولا نام سے کئی مملکتیں قائم تھیں۔

سکندر اعظم کی آمد سے قبل 500 ق م میں ایران کے شہنشاہ داریوش نے وادیٔ سندھ کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔اس نے اپنی سلطنت کو 20 صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا جس میں سے تین صوبے وادیٔ سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔شمالی، مغربی اور مشرقی۔گویا ایک صوبہ موجودہ سرحد، دوسرا صوبہ مکران اور بلوچستان اور تیسرا صوبہ پنجاب اور سندھ پر مشتمل تھا۔اس سارے نظام میں بھی کشمیر کا کہیں نام نہیں آتا تھا جو کہ ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے اپنی جگہ موجود تھا۔

اس نے جنوب کی طرف واپسی اختیار کی۔

جلال پور شریف کے قریب اس کی یادگار بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے۔

327 ق م میں سکندر کی وفات کے بعد اس کی عظیم الشان سلطنت شکست وریخت کا شکار ہوگئی۔ جنوبی ایشیاء کے تمام علاقوں سے اس کا اقتدار ختم ہوگیا۔ پاٹلی پتر کے شہزادہ چندر گپت نے عروج حاصل کیا اور مگدھ کے موریہ خاندان کی حکمرانی کی داغ بیل ڈالی۔ چندر گپت حقیقتاً ایک عظیم المرتبت حکمران گردانا جاتا ہے۔ اسکی سلطنت شرقاً غرباً خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک وسعت پا گئی تھی۔

سکندر کے ایک جرنیل سلیوکس نے وسطی اور غربی ایشیاء میں اپنی حکمرانی قائم کی تھی لیکن 350 ق م میں چندر گپت موریہ نے اس پر حملہ کر کے اس کے خوابوں کو منتشر کر دیا اور اسے کوہستان ہندوکش تک کے علاقوں سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس طرح ہندوکش کے سلسلے یونانیوں اور وسطی جنوبی ایشیاء کی موریہ سلطنت، جس کا دارالحکومت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا، کے درمیان سرحد قرار پائے۔

حوالہ جات:

1. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 67
2. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 68
3. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 67-68
4. سر جارج ڈبلن — ہسٹری آف انڈیا — صفحہ 35-36
5. روزنامہ جنگ — .... — 7 مئی 1987ء
6. سبط حسن — پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء — صفحہ 93
7. سبط حسن — پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء — صفحہ 107
8. رشید اختر ندوی — ارض پاکستان کی تاریخ — صفحہ 291
9. محمد امین پنڈت — مختصر تاریخ کشمیر — صفحہ 67

بدھ مت کی آمد۔ اشوک کا دورِ حکومت

بدھ مت کا ظہور مشرقی ہندوستان کے مقام کپل وستو میں چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس عقیدہ کو گوتم بدھ کی وفات کے ایک سو سال بعد کشمیر میں عروج حاصل ہوا۔ گوتم بدھ کے جانشین ''نندا'' نے اپنی وفات کے وقت ''رشی مدھیاہکا'' کو طلب کر کے مہاتما بدھ کی یہ پیش گوئی بتائی کہ بدھ دھرم کا اصل ارتقاء سرزمین کشمیر میں ہوگا۔ چنانچہ اس پیش گوئی کے پورا کرنے کے لئے رشی مدھیاہکا، 400ق م اور 310ق م کے دوران، کشمیر آئے اور یہاں بدھ مت کی تبلیغ کی۔ اس طرح چوتھی صدی قبل مسیح کے دوران ہندوستان کی جگہ کشمیر بدھ مت کا مرکز بن گیا۔ (1)

اشوک اعظم:

چندر گپت موریہ 297ق م میں وفات پا گیا جس کے بعد اس کا بیٹا بندوسار اور نامور پوتا اشوک تخت نشین ہوئے۔ اشوک نے 273ق م سے 232ق م تک حکمرانی کی۔

مؤرخ بامزئی کے مطابق مؤرخین میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ کشمیر کی تاریخ کا اشوک ہی مگدھ کا راجہ اشوک تھا اور اسی کی سلطنت شمال مغرب میں ہندوکش سے پرے افغانستان کے بیشتر علاقوں سے بلوچستان اور سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شمال میں ہمالیہ کے دامن، مشرق میں پورا بنگال، جنوب میں کالنگا، آندھرا اور دکن اسکی حدود میں شامل تھے۔ (2)

اشوک نے تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں کشمیر کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اس طرح کشمیر تاریخ میں پہلی بار بیرونی تسلط کا شکار رہا۔ تاہم اشوک کا دورِ حکومت اپنے ساتھ بدھ مت لے کر آیا۔ کشمیر کے عوام الناس مٹھی بھر برہمنوں کی حکمرانی اور انکے جبر و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ انھیں بدھ مت میں اپنی نجات نظر آئی اور انہوں نے جوق در جوق اس عقیدے کو قبول کر لیا۔ کیونکہ یہ ذات پات سے مبرا تھا۔ بدھ مت اپنے ساتھ محبت، پاکیزگی، بھائی چارہ، آزادی، مساوات اور اخلاقی بلندی کا پیغام لے کر آیا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے باعث رحمت جانا۔ (3)

مہاراجہ اشوک بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت (273ق م تا 232ق م)

میں بدھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس نے پاندریتھن میں کشمیر کے دارالحکومت سری نگر کی بنیاد رکھی۔ یہ مقام موجودہ شہر سری نگر سے 5 کلومیٹر جنوب میں واقع تھا۔ اشوک نے ہندوستان سے 5000 بدھ بھکشو لاکر کشمیر میں آباد کئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ بدھ بھکشو اپنے ساتھ زعفران کے پودے بھی لائے جنہیں کشمیر میں کاشت کیا گیا۔ اس طرح زعفران رفتہ رفتہ کشمیر کی ایک قیمتی پیداوار بن گیا۔

اشوک نے اپنی سلطنت کے طول و عرض میں چٹانوں پر اپنے قوانین کھدوائے، جو اب تک محفوظ ہیں۔ صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ میں بھی مانسہرہ کے مقام پر اس قسم کی چٹانیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بدھ مت کی تیسری عالمی کونسل مہاراجہ کنشک کے دور حکومت میں سری نگر میں منعقد ہوئی جو چھ ماہ تک جاری رہی۔ اس کا تفصیلی ذکر کشن خاندان کے باب میں آئے گا۔

مؤرخ کلہن کے مطابق اشوک کے دور میں سری نگر میں 98 ہزار گھر آباد تھے اور شہر دولت سے مالا مال تھا۔ (4)

اشوک کی وفات کے بعد 232 ق م میں اس کا بیٹا جلوک تخت نشین ہوا۔ اس نے 60 سال تک حکمرانی کی۔ جلوک کے عہد میں ابتداء میں بدھ مت کو کچھ بُرے وقت دیکھنے پڑے لیکن بعد میں راجہ نے اس نئے مذہب کو اختیار کرلیا۔

جلوک نے علم و ہنر کی سرپرستی کی۔ اس نے ملک کے انتظامی معاملات میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ اس نے سات اراکین پر مشتمل مجلس شوریٰ قائم کی۔ جس میں حسب ذیل عہدیداران شامل تھے:

1. سربراہِ عدالتِ عالیہ
2. ناظرِ محاصل
3. وزیرِ خزانہ
4. سپہ سالارِ اعلیٰ
5. وزیرِ خارجہ
6. ناظرِ مذہبی امور
7. منجم

راجہ اور اسکی رانی نے 60 سال تک حکمرانی کی۔ اس کے بعد 172 ق م میں وہ اقتدار سے

[نقشہ نمبر 2]

مہاراجہ اشوک کی سلطنت
250 قبل مسیح کا جنوبی ایشیاء

چندر گپت موریہ 297 قبل مسیح میں وفات پا گیا۔ اس کا پوتا اشوک 273 ق م میں تخت پر بیٹھا اور 232 ق م تک 41 سال حکمرانی کی۔ اس بات پر مورخین میں اتفاق پایا جاتا ہے کہ کشمیر کی تاریخ کا اشوک ہی مگدھ کا راجہ اشوک تھا جس کی سلطنت ہمالیہ کے دامن سے مشرق میں بنگال، جنوب میں دکن اور مغرب میں کوہستان ہندوکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

اشوک نے تیسری صدی قبلِ مسیح کے وسط میں کشمیر کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور اس طرح کشمیر پہلی بار بیرونی تسلط میں آیا۔

اشوک کا دورِ حکومت اپنے ساتھ بدھ مت لے کر آیا۔ کشمیری عوام برہمنوں کی حکمرانی میں ان کے جور و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ انہیں بدھ مت میں نجات نظر آئی اور وہ جوق در جوق بدھ مت میں شامل ہو گئے۔ بدھ مت اپنے ساتھ محبت، پاکیزگی، بھائی چارہ، آزادی اور مساوات لے کر آیا۔ اس لیے عوام نے اسے باعثِ رحمت جانا۔

اشوک نے اپنے دورِ حکومت میں بدھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے پانچ ہزار بدھ بھکشو لے کر آیا اور انہیں کشمیر میں آباد کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدھ بھکشو زعفران کے پودے لے کر آئے جنہیں کشمیر میں کاشت کیا گیا۔ اس طرح زعفران کشمیر کی ایک اہم قیمتی پیداوار بن گیا۔

اشوک نے پاندریتھن کے مقام پر کشمیر کے دارالحکومت کی بنیاد رکھی یہ مقام موجودہ سری نگر سے 5 کلومیٹر جنوب میں واقع تھا۔ مورخ کلہن کے مطابق اشوک کے دور میں سری نگر میں 98 ہزار گھر آباد تھے اور شہر دولت سے مالا مال تھا۔

دستبردار ہو گئے۔ اسکے بعد اسکے بھائی دامودر تے اقتدار سنبھالا۔ دامودر نے 32 سال تک حکمرانی کی۔ اس نے دامودر ڈر کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ اس مقام پر آجکل سری نگر کا ہوائی اڈہ قائم ہے۔(5)

بدھ مت کی آمد نے کشمیر کی معاشرتی زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ اس سے قبل ذات پات کا جو نظام یہاں داخل ہوا تھا، عام کشمیریوں نے ا سے قبول نہیں کیا تھا۔ نیلہ مت پران کے مطابق بدھ مت کو ایک کشمیری عالم ''ناگ ارجن'' کے ہاتھوں زبردست ترقی نصیب ہوئی۔ پرانے رسم و رواج ختم ہو گئے۔ ذات پات کی تمیز مٹ گئی، نئے خیالات ابھرنے لگے۔ نئے مذہب کو عروج ملا تو کشمیر کے علاوہ وسط ایشیاء کے شہر ختن اور کاشغر بھی بدھ ازم کے مراکز بن گئے۔(6)

بدھ مت کے ریکارڈ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بدھ مت کشمیر میں تیسری صدی قبل مسیح سے بارہویں صدی عیسوی تک موجود رہا ہے۔ کشمیر کے شمالی صوبہ لداخ میں اب تک بدھ ازم موجود ہے۔

چین کے بعض مشہور عالم سیاحوں نے مختلف ادوار میں کشمیر کی سیاحت کی اور دونوں ممالک کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور اپنے سفرناموں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں کشمیر کو متعارف کرانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ فاہین (FA-HIEN) نے 399ء میں کشمیر کی سیاحت کی۔ چی مانگ (CHE-MONG) 404ء میں کشمیر آیا اور 424ء میں واپس چلا گیا۔ فایونگ (FA-YONG) 420ء میں کشمیر آیا اور ایک سال یہاں قیام کیا۔ ہیون سیانگ (HUEN-TSIANG) 631ء میں کشمیر پہنچا اور 633ء تک یہاں قیام کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئیگا۔ اوکانگ (OU-KONG) 759ء میں کشمیر پہنچا۔ اس نے یہاں سنسکرت زبان سیکھی اور چار سال تک اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گندھارا چلا گیا۔(7)

عظیم ہمسایہ مملکت چین میں جن کشمیری عالموں نے تبلیغ کا کام سرانجام دیا ان میں ''کمارجیوا'' کا نام سرفہرست ہے۔ کمارجیوا تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود ایک بلند پایہ عالم بن گیا اور بہت دور دور تک اس کی شہرت پھیل گئی۔ چین کے شہنشاہ کی فرمائش پر وہ چین کے دارلحکومت چلا گیا اور اپنا مشن وہاں پر جاری رکھا۔ کمارجیوا 413ء میں چین کے دارلحکومت میں انتقال کر گیا۔

سنگھا بوٹی (SANGHA-BUTI) 381ء میں چین پہنچا۔ وہاں اس نے سنسکرت زبان کے بودھ لٹریچر کا چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ گوتم سنگھا (GAUTAM SANGHA) نے 384ء

میں چین جا کر تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔

ان عالموں کے علاوہ ''پونیاترت''، ''دھرم یاس''، ''بدھ یاس''، ''وما لکھشمن'' وغیرہ نے بھی چین جا کر خدمات سرانجام دیں۔ سرزمین کشمیر کے ایک اور سپوت ''گوناورمن'' کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ اس کا تعلق کشمیر کے شاہی خاندان سے تھا۔ وہ تبلیغ کرتا ہوا 418ء میں جاوا جا پہنچا۔ اسکی کوششوں سے جاوا کا سارا ملک بدھ مت کا پیرو کار بن گیا۔ چین کے شہنشاہ نے ''گوناورمن'' کو دعوت دے کر چین بلالیا۔ 431ء میں گوناورمن چین پہنچ گیا۔ شہنشاہ خود اس کے استقبال کو آیا۔ صرف ایک سال بعد 432ء میں گوناورمن کا انتقال ہو گیا۔ (8)

ان کے علاوہ ''دھرم متر''، ''بدھ ورمن''، ''رتن چنت''، ''تن سی سائی'' اور ''سولو شی'' نامی علماء نے بھی چین جا کر چینی زبان کے لٹریچر میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

حوالہ جات:

1. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 61 تا 73
2. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادی کشمیر — صفحہ 30
3. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادی کشمیر — صفحہ 30
4. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 40
5. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 78
6. کے واریکو — سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر — صفحہ 84
7. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 99
8. پی این کے بامزئی — کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر — صفحہ 91

کُشن خاندان کا عروج۔ کنشک کا عہدِ حکومت

232 قبل مسیح میں اشوک کا انتقال ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی اسکی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ اس کے جانشینوں کے پاس صرف مگدھ اور اسکے آس پاس کا علاقہ رہ گیا۔ سب سے پہلے کالنگا اور آندھرا نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ دراوڑوں کی ریاست آندھرا نے چندر گپت کے دور میں دریائے گوداوری اور کرشنا کی گزرگاہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اشوک کی وفات کے بعد انہوں نے بحیرۂ عرب سے خلیج بنگال تک سارے جزیرہ نما کو اپنے تسلط میں لے لیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مگدھ پر بھی قبضہ کر لیا۔ 145 عیسوی میں سوراشٹر، مالوہ، کچھ، سندھ اور کونکن آزاد و خودمختار ہو گئے۔

مہاراجہ کنشک:

کنشک 120 عیسوی (بعض روایات کے مطابق 78 عیسوی) میں تخت نشین ہوا اسکے دور حکومت میں مملکت نے اتنی طاقت پکڑی کہ چین کے خلاف بھی معرکہ آرائی کی اور کامیابی حاصل کی۔ کنشک کی سلطنت فارس کی سرحدوں تک پھیل گئی جبکہ مشرق میں کاشغر، یارقند اور ختن بھی اس کے زیرنگیں آگئے۔ جنوبی ایشیا میں اس کی سرحدیں مشرق میں دریائے جمنا تک پھیل گئیں اور سارا شمالی ہندوستان اس کے زیرنگیں آگیا۔ کنشک کی سلطنت کا دارالحکومت پرشاپور (موجودہ پشاور) تھا۔ مشرق مغرب شمال اور جنوب کے تمام علاقوں کو اس نے اپنے زیرنگیں کر لیا۔ چنانچہ کشمیر پر بھی اسکی حکمرانی قائم ہو گئی۔ تاہم مگدھ دیش، کالنگا، مالوہ، آندھرا اور چولا کی مملکتیں اپنی جگہ قائم رہیں۔ بدھ مت کی ترویج کے لیے اس نے بہت خدمت کی۔ بدھ مت کے ماخذوں میں اس کے عہد کا جو اہم ترین واقعہ درج ہے، بدھ مت کی وہ عالمی کانفرنس ہے جو کنشک کے دور میں کشمیری بودھ عالمِ ناگ ارجن کی صدارت میں سرینگر کے قریب کنزل ون (KANZALWAN) میں منعقد ہوئی تھی، جس میں دور دراز کے علاقوں سے 500 بودھ عالموں نے شرکت کی تھی۔ یہ کانفرس چھ ماہ تک جاری رہی۔ دانشوروں نے اس میں اہم فیصلے کئے اور ایک کتاب ''مہادی بھاش'' مرتب کی، کانفرس کے فیصلوں کو تانبے کی الواح پر کندہ کرا کے پتھر کے

صندوقوں میں محفوظ کر لیا گیا اور مہاراجہ کنشک کے حکم پر اس تہہ خانے کے اوپر سٹوپا تعمیر کیا گیا۔ ماہرین آثار قدیمہ ابھی تک اس مقام کا کھوج نہیں لگا سکے ہیں۔(1)

اس کانفرس کے بعد کشمیر سے تبت، چین اور وسط ایشیا کے ممالک میں بدھ مت کی تبلیغ کے لئے مبلغ بھیجے گئے۔(2)

بدھ مت نے 400 سال سے زیادہ عرصے تک لوگوں میں عام بیداری پیدا کرنے اور انہیں رجعت پسندی اور معاشرتی ناانصافیوں کے سامنے نہ جھکنے کا درس دیا۔ اس زمانے میں آزاد انسانوں کے ایک ایسے فعال معاشرے نے جنم لیا جس میں فلسفہ، ادب، فنون، تعمیرات اور سائنس میں اچھوتے کارنامے سرانجام دینے کی لگن رہی۔ مگر رجعت پسند قوتیں پوری طرح معدوم نہ ہوئی کشن دور کے خاتمہ پر جونہی گوننداخاندان برسرِ اقتدار آیا، رجعت پسند عناصر بدھ مت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور برہمنیت کے احیاء کی کوششیں شروع ہو گئیں۔(3)

کنشک 78ء سے 123ء تک 45 سال حکمران رہا، اسکے مرنے کے بعد اسکے بیٹے ہوشک نے 123ء اور چوشک نے 140ء میں اقتدار سنبھالا۔ 178ء میں کشن خاندان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا، اس کے ساتھ ہی بدھ مت کا زوال شروع ہو گیا۔ رجعت پسند عناصر پھر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بدھ مت کے ماننے والوں پر ظلم و تشدد ہونے لگا۔ گونندا خاندان کے کچھ راجاؤں نے برہمنوں کے زیر اثر آ کر بدھوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس خاندان کے چھٹے راجا ''نار'' کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ہزروں وھارے نظر آتش کر دیے۔ یہ فعل بڑی کاوشوں سے حاصل کئے ہوئے عوامی تمدن کی روایات کے برعکس تھا۔ چنانچہ اس کا ردِّ عمل خانہ جنگی اور بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوا۔(4)

کشن خاندان کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ بدھوں نے اپنے زمانے میں بے شمار تعلیمی درس گاہیں، عبادت گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کروائی تھیں، جن کے نشان اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ وادئ کشن گنگا (نیلم) میں شاردا کے مقام پر اس زمانے کی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

عیسوی سن کے آغاز میں کشمیر میں ایک خاتون رانی یشووتی کی حکمرانی تھی۔ مورخ کلہن اسکے بارے میں لکھتے ہیں:

''جو مرد عام طور پر عورتوں کو ذریعۂ عیش و نشاط گردانتے ہیں،
اس عظیم خاتون کو، جو کشمیریوں کی ماں کہلاتی تھی، دیوی کا درجہ دیتے تھے۔''

[نقشہ نمبر 3]

کُشن سلطنت
دوسری صدی عیسوی کا جنوبی ایشیاء

کنشک 78 عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت فارس کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ مشرق میں کاشغر، یارقند اور ختن بھی اس کے زیرِ نگیں آ گئے۔ اس کا دارالحکومت (پرش پور) پشاور تھا۔

جنوبی ایشیاء میں اسکی سرحدیں دریائے جمنا تک پھیل گئیں اور سارا ہندوستان اسکے زیرِ نگیں آ گیا۔ چنانچہ کشمیر پر بھی اسکی حکمرانی قائم ہوگئی۔

بدھ مت کی تیسری عالمی کانفرنس کنشک کے دور میں سری نگر کے قریب کنزل وَن میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں 500 بودھ عالموں نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس چھ ماہ تک جاری رہی۔ اس کانفرنس کے بعد کشمیر سے تبت، چین اور وسط ایشیاء کے ممالک میں بدھ مت کی تبلیغ کیلئے مبلغ بھیجے گئے۔

کنشک 78ء سے 123ء تک حکمران رہا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ہوشک 123ء میں اور دوسرا بیٹا چوشک 140ء میں تخت پر بیٹھا۔ 178ء میں کشن خاندان کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔

سن عیسوی کے آغاز میں راجہ میگواہن نے سن 1ء سے سن 35ء تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ وہ اہنسا کا قائل تھا۔ اس نے جانور کشی پر پابندی لگا دی۔ اس نے اپنے دور حکومت میں ''میگہ ون''، ''مینگام'' اور ''میگہ وٹ'' نامی آبادیوں کی بنیاد رکھی۔ اس کی رانی امرتا پریتم نے بھی امرتا بھون کے نام سے یادگار قائم کی تھی۔

35ء میں میگواہن کے بعد اس کا بیٹا سرشٹ سین تخت پر بیٹھا اور 30 سال تک حکمرانی کی۔ پھر 65ء میں راجہ ہَرن نے اقتدار سنبھالا اور سات سال بعد فوت ہو گیا۔ 102ء میں راجہ پرورسین نے تخت سنبھالا اور 60 سال تک اقتدار میں رہا۔ اس نے دارالحکومت سری نگر کی بنیاد رکھی۔ 162ء میں پرورسین کی وفات پر اس کا بیٹا یُدھسٹر تخت نشین ہوا اور 201ء تک 39 سال حکمرانی کی۔

راجہ میگوا ہن 1ءتا35ء:

عیسوی سن کے آغاز پر کشمیر کے حکمران راجہ سندیمان نے حکومت سے دستبرداری دی، تاج وتخت چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کی اور ایک غار میں داخل ہو کر ہمیشہ کے لئے عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔(5)

اس کے بعد راجہ میگوا ہن نے قندھار سے آ کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ اہنسا کا قائل تھا۔ اس نے آتے ہی جانور کشی پر پابندی لگا دی۔ اس نے عدل وانصاف کے لئے عدالتیں اور محکمے قائم کئے۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا اور تمام رعایا آسودہ حال ہو گئی۔ اس نے اپنے دور حکومت میں "میگہ ون"، "مینگام" اور "میگہ وٹ" کی بنیاد رکھی۔ اس کی رانی امرتا پربھا نے بھی پرگنہ بھاگ میں "امرتا بھون" کے نام سے یادگار قائم کی۔

35ء میں میگوا ہن کے بعد اس کا بیٹا سرشٹ سین تخت پر بیٹھا اور 30 سال تک حکمرانی کی۔ اس کی وفات کے بعد 65ء میں راجہ ہرن نے راج پاٹ سنبھالا اور 30 سال تک حکمرانی کی۔ 95ء میں راجہ ماترگپت تخت پر بیٹھا اور سات سال کی حکمرانی کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔

102ء میں راجہ پرورسین نے تخت سنبھالا اور 60 سال تک حکمرانی کی ۔ اس نے دارالحکومت سری نگر کی بنیاد رکھی اور دریائے جہلم پر پہلا پل تعمیر کیا۔ 162ء میں پرورسین کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا جدہشٹر تخت نشین ہوا۔ جدہشٹر نے 39 سال، 201ء تک کشمیر پر حکمرانی کی۔

حوالہ جات:

1. پریم ناتھ بزاز — تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر — صفحہ 31
2. مارگریٹ اینڈ رالف شیلر — کشمیر لدّاخ اینڈ زنسکار — صفحہ 32
3. پریم ناتھ بزاز — تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر — صفحہ 31
4. پریم ناتھ بزاز — تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر — صفحہ 32
5. منشی محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 153

مہر گل کا عروج و زوال

دو صدی بعد بدھ مت پر کشمیر میں زوال آ گیا۔ جنوبی ایشیا میں گپت سلطنت کے زوال کے بعد ھُن عروج پا گئے تھے۔ ایک ھن حکمران مہر گل بدھ مت کے پیرو کاروں کا بے دردی سے قتل عام کر رہا تھا۔ مختلف راجاؤں نے آپس میں اتحاد کر کے مہر گل ھُن کو شکست دے دی اور اسے ملک سے باہر نکال دیا۔ (1)

مہر گل نے کشمیر میں پناہ لی۔ یہاں کے راجہ نے اسے اپنی امان میں لے لیا اور اس کے مصاحبوں کو گزارے کے لئے جاگیر عطا کی۔

موقعہ ملتے ہی اس نے اپنے محسن پر شب خون مارا اور ایک سازش کے تحت تخت پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد اپنی طاقت میں اضافہ کر کے اس نے گندھارا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس نے کشمیر کے حکمران خاندان کے علاوہ کثیر تعداد میں بدھ مت کے پیروکاروں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اور ان کی خانقاہیں جلا کر راکھ کر دیں۔

کہا جاتا ہے کہ مہر گل کی افواج کی پیش قدمی کا اندازہ لوگوں کو چیلوں اور گدھوں کے اس غول سے ہو جاتا تھا جو ھُن افواج کے آگے آگے چلتا رہتا تھا۔ (2)

کشمیر کے لوگ مہر گل کو ''تری کوٹہ'' کہتے تھے، جس کے معنی ہیں تین کروڑ کا قاتل۔ کلہن اسکے بارے میں لکھتا ہے کہ'' وہ انسانوں کا بدترین دشمن تھا۔ اس کو نہ تو بچوں پر کوئی ترس آتا تھا، نہ عورتوں اور عمر رسیدہ لوگوں پر کوئی رحم۔''(3)

یہ وہی خونخوار تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک بار کسی مہم سے واپسی پر اس کا ایک ہاتھی پیر پنجال کے پہاڑوں میں پھسل کر نیچے ہزاروں فٹ گہرائی میں جا گرا۔ گرتے ہوئے ہاتھی کی چیخیں بادشاہ کو اتنی بھائیں کہ اس نے ایک ایک کر کے سو ہاتھیوں کو پہاڑ سے گرانے کا حکم دیا اور ان کی چیخوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس جگہ کا نام ''ھستی ونج'' ہے اور اب تک لوگ اس چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں سے مہر گل نے ایک سو ہاتھوں کو دھکا دے کر ہلاک کروایا تھا۔ (4)

مہر گل نے 630ء میں خودکشی کر لی۔ (5)

حوالہ جات:

1. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 32
2. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 33
3. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 33
4. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر — صفحہ 41
5. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 34

[نقشہ نمبر 4]

سفید ھُنوں کی عظیم سلطنت
500 عیسوی کا جنوبی ایشیاء

سفید ھُن قبیلہ وسط ایشیاء سے یلغار کرتا ہوا جنوبی ایشیاء کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سفید ھُن منگول نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کابل کی کُشن حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ 500ء میں انہوں نے گندھارا سلطنت کو شکست دی اور گپت خاندان کی ساری مملکت کو روند ڈالا۔

چھٹی صدی کے آغاز میں ھُن قبیلے کا حکمران مہر گُل تھا۔ ھُن حکومت کا صدر مقام سیالکوٹ تھا جو اس زمانہ میں سکالا کہلاتا تھا۔ ھنوں کی عظیم مملکت آس پاس کی 40 ریاستوں سے خراج وصول کرتی تھی۔ یہ مملکت فارس کی سرحدوں سے چین کے سرحدی شہر ختن تک پھیلی ہوئی تھی۔ پنجاب اور سندھ سے لے کر مالوہ تک کے علاقے انکے زیرِ نگیں تھے۔

مہر گل ایک درندہ صفت شخص تھا۔ 515ء میں وہ مختلف ریاستوں کے اتحاد سے شکست کھا گیا اور اس نے کشمیر میں پناہ لی۔ کشمیر کے حکمران بالادت نے اسے اپنی امان میں لے لیا۔ لیکن اس نے اپنے محسن پر شب خون مار کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کشمیریوں پر بھی اس نے بہت ظلم کیے۔ کشمیری اسے ''تری کوٹا'' یعنی تین کروڑ کا قاتل کے نام سے پکارتے تھے۔

آخر 530ء میں مہر گل نے اپنی بداعمالیوں کے شدید احساس اور کشمیر کے سلجھے ہوئے لوگوں کی مخالفت سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔

کشمیر پر چھٹی صدی میں راجہ دینادت نے 497ء سے 545ء تک 45 سال، بکرمادت نے 540ء سے 582ء تک 42 سال اور بالادت نے 582ء سے 617ء تک 35 سال حکمرانی کی۔ ان تینوں کا تعلق گونندہ خاندان سے تھا جو کئی صدیوں تک کشمیر پر حکمران رہا۔ بالادت کے بعد کارکوٹ خاندان اقتدار میں آیا۔

کارکوٹ خاندان۔ عظیم فاتح للتادت

وکرمادتیہ کے خاندان نے کشمیر پر 192 سال حکمرانی کی۔ اس خاندان کے آخری حکمران جے اندر نے مطلق العنان بننے کی کوشش کی لیکن اسکے وزیر اعظم ساندھی متی نے راجہ کے اس یکطرفہ اقدام کی مزاحمت کی۔ راجہ باز نہ آیا تو عوام نے اسکے خلاف بغاوت کر کے اسے تخت وتاج سے محروم کر دیا اور ساندھی متی کو اسکی جگہ تاج وتخت سنبھالنے پر رضامند کر لیا۔ اس تبدیلی سے گونندا خاندان کشمیر کے تخت پر پھر بحال ہو گیا۔ اور راجہ بالادت کے مرنے تک برسر اقتدار رہا۔

اس خاندان کے خاتمہ کے بعد کارکوٹ خاندان کا ایک راج کمار ''درلبھ وردھن'' کشمیر کا حکمران بن گیا۔ اس نے 619ء سے 653ء تک 36 سال حکمرانی کی۔ اسکے عہد حکمت کا اہم ترین واقعہ مشہور چینی عالم اور سیاح هیون تسانگ کی کشمیر میں آمد ہے جس نے کشمیر کی تاریخ میں نہایت گہرے اثرات چھوڑے۔

هیون تسانگ کی سری نگر میں آمد:

مہاراجہ درلبھ وردھن نے شاہانہ استقبال کیا:

هیون تسانگ علم کی تلاش میں 631ء میں کشمیر آیا۔ اس نے یہاں مئی 631ء سے اپریل 633ء تک دو سال قیام کیا۔ کشمیر میں اس وقت مہاراجہ ''درلبھ وردھن'' کی حکومت تھی۔ مہاراجہ نے اپنے بھتیجے کو مہمان کی پیشوائی کیلئے بارہ مولہ بھیجا۔

جب هیون تسانگ دارالحکومت سری نگر پہنچا تو مہاراجہ اپنے تمام درباریوں سمیت اسکے استقبال کیلئے خود باہر آیا۔ ساری سڑکوں کو جھنڈیوں اور چھتریوں سے سجایا گیا تھا اور سارے راستے پر پھول بچھائے گئے تھے۔ مہاراجہ نے معزز مہمان سے ہاتھی پر سوار ہو کر انکے جلوس میں شامل ہونے کی درخواست کی۔

دوسرے دن محل میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مہاراجہ نے

مہمان سے درخواست کی کہ وہ اپنے تعلیمی اور تحقیقی مشن کا آغاز کریں۔ مہاراجہ نے 20 ملازموں کو مہمان کی خدمات کیلئے مخصوص کر دیا تا کہ وہ اس کیلئے بدھ مت کی شریعت کی مطبوعہ کتابوں اور رسائل کی نقلیں بنا کر مہیا کر دیں۔

ھیون تسانگ نے کشمیر میں بہت سے مذہبی ادارے دیکھے۔ جن میں 5000 راہب رہائش پذیر تھے۔ اس نے مختلف آثار کا معائنہ بھی کیا۔ اسکی ملاقات ایک 70 سالہ بزرگ سے ہوئی جو مہایان فلسفہ کا عالم تھا۔ ھیون تسانگ نے اسکے ساتھ ملکر ''ناگ ارجن'' کی تعلیمات کا مطالعہ کیا۔

ھیون تسانگ کے دورۂ کشمیر کے وقت کشمیر کی سرحدیں ٹیکسلا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کشمیر کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ اس ملک کا احاطہ 700 فرسنگ یعنی 2100 میل ہے اور اسکی سرحدوں کو فلک بوس کوہستانوں نے اپنی حفاظت میں لیا ہوا ہے اور ان میں سے گزرنے والے تمام درّے بہت تنگ ہیں اسی وجہ سے پڑوس کا کوئی حکمران یا بادشاہ اسے تسخیر نہیں کر سکا۔ (1)

رشید اختر ندوی نے اپنی کتاب کی دوسری جلد میں چینی سیاح ھیون تسانگ کی کشمیر میں آمد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہ 631ء کا ذکر ہے جب

> ''ھیون تسانگ بنوں سے ٹیکسلا پہنچا۔ ٹیکسلا کے عمائدین جو نظم و نسق کے ذمہ دار تھے، مل جل کر حکومت کرتے تھے اور انہوں نے کشمیر کے راجہ کو اپنا سربراہ بنا رکھا تھا۔ ٹیکسلا کے بعد ھیون تسانگ سمہاپڑا اور نار اسمہا میں داخل ہوا جو کہ کوہستان نمک کے شمال کا علاقہ ہے۔ وہاں ان دنوں کوئی حکومت نہ تھی اور راجہ کشمیر کا سکہ وہاں بھی چلتا تھا۔''

نار اسمہا کے بعد ھیون تسانگ ہزارہ پہنچا جسے وہ ارُوشا (Urusha) کا نام دیتا ہے۔ یہ بھی ان دنوں کشمیر کے ماتحت تھا۔ ھیون تسانگ نے ہزارہ کے بعد پونچھ اور راجوری کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کی حدود میں شامل تھے۔ یہاں سے ھیون تسانگ وادیٔ کشمیر میں داخل ہوتا ہے اور راجہ کشمیر کا مہمان ہوتا ہے۔ کشمیر کے راجہ نے اس عظیم سیاح کی خوب خاطر مدارت کی اور اسے تمام سہولتیں مہیا کیں۔ ھیون تسانگ نے اپنے میزبان کا نام نہیں لکھا۔

ڈاکٹر تری پاٹھی نے اس سلسلے میں کلہن کی راج ترنگنی سے مدد لی ہے جسکی رُو سے ھیون تسانگ کی سیاحت کے وقت درلبھ وردھن کشمیر کا حکمران تھا جو 601 عیسوی میں تخت نشین ہوا اور 36 سال تک حکمرانی کی۔ اس طرح وہ ہرش کا ہم عصر تھا۔ (2)

ھیون تسانگ نے لکھا:

''کشمیر کے بادشاہ کی حکمرانی ٹیکسلا اور ہزارہ پر قائم ہے۔ وہ ایک طاقتور حکمران ہے اور وسیع ملک پر حکومت کرتا ہے۔ کابل اور کشمیر کے درمیان شاہراہ پر اسی کا تصرف ہے۔ کشمیر کی معاشی صورتحال بہت اچھی ہے۔ وادئ کشمیر پھلوں اور پھولوں سے مالامال ہے۔ کشمیر میں 5000 کے قریب بودھ بھکشو اور ایک سو سے زائد خانقاہیں موجود ہیں۔ چار ایسے مقدس مقامات ہیں جہاں مہاتما بدھ کے تبرکات موجود ہیں۔ مہاتما بدھ کا ایک متبرک دانت بادشاہ کے پاس محفوظ ہے۔(3)

للتادت:

کرکوٹا خاندان کا مشہور ترین بادشاہ للتادت تھا، جس نے 724ء سے 761ء تک 37 سال حکمرانی کی۔ (4) پریم ناتھ بزاز کے مطابق للتادت کا دور حکومت 695ء سے 732ء تک 37 سال پر محیط تھا۔(5)

جب ملک دیرپا نظم ونسق کی بدولت خاصا خوشحال ہو گیا تو للتادت نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور لمبی مہم پر روانہ ہو گیا۔ اس نے شمال مشرقی اور وسطی ہند پر حملہ کر کے گنگا اور جمنا کا سارا درمیانی علاقہ فتح کیا۔ اس نے کانیہ کبج (قنوج) کو فتح کر کے اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ جزیرہ نمائے ہند کے جنوبی علاقوں کو بھی اس نے یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔

اسکے بعد اس نے شمال مغرب کا رُخ کیا اور بہت جلد پرش پور (پشاور) ٹیکسلا اور گندھارا کو ایک دوسرے کے بعد فتح کر لیا۔(6)

جگ موہن کے مطابق جنوب کی طرف للتادت کی فتوحات کے بارے میں شاید غلط بیانی کی گئی ہے۔(7) اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک عظیم فاتح تھا جو کشمیر کی سرزمین نے پیدا کیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ وہ ایران کی مہم سے واپسی پر درۂ زوجیلا میں کہیں لاپتہ ہو گیا۔(8)

مؤرخ محمد دین فوق نے لکھا ہے:

''یہ راجہ براستہ گلگت مراجعت پذیر ہوا۔ لیکن جب دیوسائی کے علاقہ میں پہنچا تو تمام افواج اور خدام کے ساتھ برف کے نیچے دب کر صفحۂ ہستی سے

معدوم ہو گیا۔(9)

جگ موہن کا کہنا ہے کہ للتادت نے مغربی تبت کے ایک حصے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی فوج کا سالار ایک چینی جرنیل چانکیا تھا۔ للتادت کے چین کے شہنشاہ کے ساتھ تعلقات تھے۔ باور کیا جاتا ہے کہ چین کے شہنشاہ اور کشمیر کے بادشاہ تبت کی جارحیت کو روکنے کیلئے ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔(10)

للتادت ایک عظیم منتظم تھا۔ اس نے نظم ونسق کی ساری مشینری کو نئے سرے سے منظم کیا اور اس میں کئی عہدوں کا اضافہ کیا جن میں وزیر اعظم، محل کا منتظم اعلیٰ، رسالہ فوج کا افسر اعلیٰ اور وزیر خزانہ وغیرہ شامل ہیں۔(11)

للتادت کو تعمیرات کا بے پناہ شوق تھا۔ اس نے کئی خوبصورت شہر اور مندر تعمیر کیے۔ اس نے خانقاہیں تعمیر کیں اور ان کے نام متعدد گاؤں وقف کر دیے۔

انتظامی شعبہ میں اس نے بعض احکامات جاری کیے تھے جن پر آج کے دور میں بھی اظہار تحسین کیا جاتا ہے۔ مثلاً

1. اس کا حکم تھا کہ سرکاری عہدے ایک ہی خاندان تک محدود نہیں رہنے چاہئیں۔
2. فوج میں بھرتی ایک ہی پرگنہ سے نہیں کرنی چاہئے۔(12)

للتادت کا عظیم کارنامہ ''مارتنڈ'' کے مندر کی تعمیر تھا۔ یہ مندر اننت ناگ سے چند میل کے فاصلے پر مٹن کے مقام پر سورج دیوتا کے نام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ مؤرخ سٹائین نے لکھا ہے:

> ''اس عظیم پُرشکوہ مندر کے کھنڈرات کشمیر کے قدیم ہندو طرز تعمیر کا جاذب نظر نمونہ ہیں۔''(13)

ینگ ہسبنڈ نے لکھا:

> ''اس مندر کی تعمیر کا محل وقوع دنیا بھر کی عظیم عمارات بشمول پارتھیان، تاج محل اور سینٹ پیٹرز برگ سے ارفع واعلیٰ مقام کا حامل ہے۔ یہ صرف جسامت میں مصری تعمیرات اور خوش وضعی وآن بان میں یونانی تعمیرات سے دوسرے نمبر پر ہے۔''(14)

مؤرخ جی ایم ڈی صوفی نے ان الفاظ میں للتادت کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

> ''وہ تاریخ کشمیر کی سب سے نامور شخصیت تھا۔ وہ اپنے ملک کو عروج کی

84

[نقشہ نمبر 5]

ساتویں صدی کا جنوبی ایشیاء

سفید ھنوں کے زوال کے بعد جنوبی ایشیاء میں کوئی قابل ذکر بڑی طاقت موجود نہ تھی۔ساتویں صدی کے آغاز میں راجہ ہرش، جو بنیادی طور پر تھانیسر کا حکمران تھا، 35 سال کی جنگ کے بعد شمالی ہند کا حکمران بن گیا۔ اس نے 606ء سے 647ء تک حکمرانی کی جبکہ جنوبی ہند کی چالوکیہ مملکت کا حکمران ''پولک سین ثانی'' تھا۔ 620ء میں شمالی اور جنوبی مملکتوں کی فوجیں آپس میں ٹکرائیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ ہرش کو دونوں مملکتوں کے درمیان دریائے نربدا کو سرحد تسلیم کرنا پڑا۔اپنے اقتدار کے آخری دور میں ہرش ہمالیہ سے نربدا تک وادئ گنگا کے تمام علاقے کا فرمانروا رہا۔اسکا دارالحکومت قنوج تھا جو اس زمانے میں ''کنیا کبیا'' کہلاتا تھا اور دریائے گنگا کے کنارے آباد تھا۔اس دور میں کام روپ (آسام) کاٹھیاواڑ اور نیپال میں آزاد حکومتیں قائم تھیں۔مغرب میں سندھ ایک خودمختار ملک تھا اور اس پر شودر ذات کے لوگ حکمرانی کرتے تھے۔ملتان ایک اور خودمختار ملک تھا۔چھٹی صدی کے وسط میں ''چالوکیہ'' کی مملکت اہمیت حاصل کر گئی تھی۔اس پر شمال سے آنے والے راجپوت حکمرانی کر رہے تھے جنہوں نے دکن کے دراوڑوں کو اپنے زیرنگیں کر لیا تھا۔دریائے کشنا اور گوداوری کے درمیان پالو قبیلہ کی حکمرانی تھی۔راجہ ہرش کی موت کے بعد یہ علاقہ پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔

کشمیر پر ساتویں صدی کے آغاز میں راجہ باسردت کی حکمرانی تھی۔جو 582ء میں تخت پر بیٹھا اور 617ء تک 35 سال حکمرانی کرتا رہا۔617ء میں کارکوٹ خاندان کا دُرلبھ وردن تخت پر بیٹھا اور 653ء تک 36 سال حکمران رہا۔اس کے دور حکومت کا اہم ترین واقعہ 631ء میں چینی سیاح ھیون تسانگ کی کشمیر میں آمد ہے۔اس نے یہاں 633ء تک دو سال قیام کیا۔اس نے اپنے سفرنامہ میں کشمیر کے بارے میں لکھا کہ

''کشمیری شمع علم کے پروانے اور اعلیٰ تربیت یافتہ ہیں۔''

اسکے بعد راجہ پرتاپ پیڈ نے کشمیر کی حکمرانی سنبھالی۔اس نے اپنے نام سے پرتاپ پور نام کا ایک شہر بسایا جو بعد میں ''تاپڑ'' میں بدل گیا۔یہ قصبہ اب تک موجود ہے۔پرتاپ پیڈ نے 653ء سے 703ء تک 50 سال کشمیر پر حکمرانی کی۔

اتنی بلندیوں تک لے گیا جہاں کہ پہلے کبھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ آج بھی اننت ناگ کے قریب مارتنڈ، سری نگر سے 14 میل کے فاصلے پر پری ہس پورہ اسکی عظمت کی نشانیاں ہیں۔(15)

للتادت کو کشمیری قوم نے مرنے کے بعد بھی یاد رکھا۔ مؤرخ ابوریحان البیرونی گیارہویں صدی میں محمود غزنوی کے ساتھ کشمیر گیا تھا۔ اس نے لکھا ہے:

''کشمیری لوگ للتادت کی فتوحات کی یاد میں ہر سال تہوار کے طور پر ایک دن مناتے ہیں۔''(16)

حوالہ جات:

1. پی این کے بامزئی — پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہسٹری آف کشمیر جلد اول — صفحہ 97-98
2. پی این کے بامزئی — پولیٹیکل اینڈ کلچرل ہسٹری آف کشمیر جلد دوئم — صفحہ 258-259
3. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 41-42
4. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
5. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 36
6. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 36
7. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
8. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 37
9. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 187
10. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
11. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
12. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 38
13. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
14. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 43
15. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 35
16. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 38

کشمیر کی چند نامور خواتین

آٹھویں، دسویں اور 14ویں صدی عیسوی میں تین خواتین کشمیر کی سیاست پر چھائی رہیں۔ان میں سے ایک جے دیوی، دوسری دیدہ رانی اور تیسری کوٹا رانی تھی۔14ویں صدی میں للہ عارفہ نے شاعری اور تصوف میں اور 16ویں صدی میں حبہ خاتون نے شاعری اور موسیقی میں شہرت عام پائی۔ان سب کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

جے دیوی:

جے دیوی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئی۔وہ نوجوانی کی عمر میں بیوہ ہوگئی۔اس وقت کے حکمران جیاپیڑ (764ء تا781ء) کی نظر اس پر پڑی اس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اس نے اس سے شادی کر لی اور اسے محل لے آیا۔بادشاہ کا جلد ہی انتقال ہوگیا۔اس کا بیٹا اور تخت کا وارث بھی جے دیوی کی زلفوں کا اسیر ہوگیا اور اسے اپنا لیا۔جے دیوی کے بھائیوں کا سرکار دربار میں اثر بڑھ گیا۔اسی کے نتیجے میں جے دیوی کے بھائیوں میں سے ایک کا پوتا اونتی ورمن بادشاہ بن گیا اور اس طرح اُپتل خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوگیا۔(1)

دیدہ رانی:

دوسری نامور خاتون دیدہ، لوہارا (پونچھ) کے حکمران کی بیٹی تھی۔اس کی شادی گپت خاندان کے دوسرے حکمران کھیمہ گپت (950ء تا958ء) سے ہوئی۔وہ کشمیر کے اقتدار پر 8 سال تک چھائی رہی۔پہلے ملکہ کی حیثیت سے، کھیمہ گپت کی وفات پر وہ نابالغ بیٹے "ابھی مایُوں" کی ریجنٹ بن کر کاروبار حکومت چلاتی رہی اور آخر میں خود حکمران کی حیثیت سے۔دیدہ کا اپنے شوہر پر اتنا اثر تھا کہ اس کا نام کھیمہ گپت کی بجائے دیدہ کھیمہ پڑ گیا تھا۔(2)

دیدہ انتہائی خوبصورت عورت تھی اسکے ساتھ ہی وہ حد درجہ ذہین بھی تھی۔اسکی ایک ٹانگ میں لارڈ بائرن کی طرح کچھ نقص تھا لیکن اس لنگ کو وہ اسطرح استعمال کرتی تھی کہ اسکی خوبصورتی میں اور

اضافہ ہو جاتا تھا۔ اور اسکے کئی چاہنے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے پوتوں کو بھی موت کے گھاٹ اتر وادیا تھا۔ اسکے ساتھ ہی وہ کبھی کبھی دھرم کے کام بھی کرتی تھی۔ اس نے کئی مندر اور مٹھ بھی بنوائے۔ اسکا آخری منظور نظر ''تنگا'' نامی چوپان تھا جو ہوتے ہوتے چیف منسٹر اور سالار اعلیٰ کے عہدوں تک پہنچا۔

ان ہی دنوں پرتھوی راج حاکم راجوری نے سرکشی اختیار کی۔ دیدہ رانی نے ''تنگا'' کو لشکر جرار دے کر اسکی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ اُس نے بڑی جواں مردی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کئی ایک خونریز لڑائیوں کے بعد پرتھوی راج کو شکست فاش دیکر گرفتار کرلیا۔ دیدہ کا انتقال 1003ء میں ہوا۔ رانی دیدہ نے 62 مندر آباد کیئے۔ اس نے اپنے شوہر کی یادگار کے طور پر کنگن پور آباد کیا جواب کنگن کہلاتا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کے نام پر ابھی مینو پور آباد کیا۔ جواب بمن کہلاتا ہے۔ دیدہ مر کا مشہور قصبہ بھی اسی ملکہ کے نام سے آباد ہوا۔ (3)

مرنے سے پہلے دیدہ رانی نے اپنے خاندان کے ایک فرد سنگرام کو بادشاہ بنوایا۔ دیدہ رانی شادی سے پہلے لوہارا خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ اس طرح سے لوہارا خاندان اقتدار میں آیا۔ جس نے 1003 عیسوی سے 1101 عیسوی تک کشمیر پر حکمرانی کی۔ سنگرام راجہ 1003ء سے 1028ء تک برسر اقتدار رہا۔ اسی کے دور میں محمود غزنوی نے کشمیر پر پہلا حملہ کیا اور ناکام رہا۔ (4)

کوٹارانی:

لداخی شہزادہ رنچن نے 1324ء میں سلطان صدرالدین کے نام سے کشمیر پر حکمرانی کا آغاز کیا۔ وہ رام چندر کی بیٹی ''کوٹارانی'' کو اپنے عقد نکاح میں لے آیا۔ (5)

کوٹارانی کا اصل نام ''کوترِن'' تھا جو کشمیری زبان کا لفظ ہے اور جس کے معنی کبوتری ہے۔ تحریر میں اس لفظ کی صوتی لحاظ سے درست ترجمانی نہ ہوسکی اور یہ بدل کے کوٹارانی ہوگیا۔

سلطان صدرالدین نے 1325ء سے 1327ء تک دو سال اور سات ماہ حکمرانی کی اسکے بعد اسکا انتقال ہوگیا۔ اسکے پسماندگان میں اسکی بیوہ کوٹارانی اور اسکا نابالغ بیٹا حیدر رہ گئے۔ بیٹا حیدر ابھی نابالغ تھا۔ چنانچہ کوٹارانی نے امرائے دربار کے مشورہ سے سابق حکمران راجہ سہدیو کے بھائی اودیان دیو کو واپس بلا کر تخت اسکے حوالہ کیا اور خود بھی اسکی زوجیت میں چلی گئی۔ (6)

اودیان دیو بہت ہی کم ہمت اور ست الوجود انسان تھا۔ اس نے مملکت کی حکمرانی کے

سارے اختیارات کوٹارانی کے ہاتھ میں دیئے اور وہ نہایت خوش اسلوبی سے ان سے عہدہ برآ ہوتی رہی۔اس نے شاہ میر کو عہدہ وزارت پر قائز کیا۔ چار سال تک ملکی معاملات بخیر وخوبی سرانجام پاتے رہے۔لیکن پھر ایک سنگین صورتحال پیدا ہو گئی۔شمال سے ایک ترک سالار ''اُچل'' ایک لشکر جرار کے ساتھ کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ ذوالقدر خان (ذ و لچہ خان) کے ظلم وستم کا نقشہ عوام کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اودیان دیو اس قدر گھبرا گیا کہ تخت وتاج چھوڑ کر تبت کی طرف بھاگ گیا۔

لیکن کوٹارانی جو اپنے باپ کے زیرسایہ ذولچہ کے ہنگامے دیکھ چکی تھی، مستقل مزاجی سے مردانہ وار اپنی جگہ ڈٹی رہی۔اس نے ہمت نہ ہاری اور تمام وزرأ وامرأ اور سربرآوردہ اشخاص کو اکٹھا کیا اور انکی قومی غیرت کو للکارا۔ اس نے نزدیک ودور تمام رؤسأ اور اعیان مملکت کے نام اس مضمون کے خطوط بھیجے کہ ''ذولچہ خان کی فوج کشی کے وقت جو کم ہمتی اور بزدلی اہالیان کشمیر نے دکھائی تھی، اسکے نتائج سب پر روشن ہیں۔اب دوسرا دشمن سر پر آپہنچا ہے اگر اب بھی ہم دل چھوڑ بیٹھے تو جو نتیجہ ہوگا وہ ذولچہ ہمیں پہلے ہی دکھا چکا ہے۔اگر ہم نے اپنے بزرگوں ''للتادت'' وغیرہ کے کارناموں کو مدنظر رکھا اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے تو دشمن کو منہ کی کھانی پڑے گی اور آئندہ کسی کو حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ ہوگا۔''(7)

ان پیغامات سے لوگوں کے دلوں میں نیا جوش وجذبہ پیدا ہو گیا اور وہ متفق ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔اس بار کشمیریوں نے اپنی شجاعت وجوانمردی سے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔

شاہ میر خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا رانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔رانی نے اسکی خدمات کی پوری داد دی اور نہایت عزت افزائی کی۔اسکے ساتھ پورے ملک میں شاہ میر کی شجاعت اور جوانمردی کی دھاک بیٹھ گئی۔لوگ اسکے کارناموں کے راگ الاپنے لگے۔

جب حالات معمول پر آگئے اور دشمن کی طرف سے بالکل اطمینان ہو گیا۔تو کوٹارانی نے مفرور اودیان دیو کی تلاش شروع کردی اور اسے تبت سے بلا کر پھر سے تخت پر بٹھایا۔اسی امن وامان کی صورت حال میں اودیان دیو پندرہ سالہ حکمرانی کے بعد 1343ء میں وفات پا گیا۔ کوٹارانی کے بطن سے اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ''بولہ رتن'' تھا۔

کوٹارانی نے چار دن تک اودیان دیو کی موت کو خفیہ راز میں رکھا اور سرینگر سے اِندرکوٹ چلی گئی۔وہاں اس نے اپنے بھائیوں کی معاونت سے اپنی حکمرانی کا اعلان کردیا۔

ادھر شاہ میر بھی ترک حملہ آور اُچل کو شکست دے کر ملک سے باہر نکالنے کی وجہ سے عوام میں بہت مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ اس نے 1343ء میں اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ان دونوں (شاہ میر اور کوٹا رانی) کے درمیان ایک کشمکش شروع ہوگئی۔ شاہمیر نے سلطان شمس الدین کے نام سے کشمیر کے تخت و تاج کو سنبھالا۔ اندورنی فتنہ و فساد مٹانے کیلئے اس نے کوٹا رانی کو اپنے عقد میں لانے کی تجویز پیش کی۔ اس نے مصلحتاً اس وقت یہ تجویز منظور کر لی لیکن حجلۂ عروسی میں جا کر اپنے پیٹ میں خنجر گھوپ کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

کوٹا رانی نے کشمیر پر کل 50 دن تک ایک خود مختار حکمران کی حیثیت سے راج کیا۔ (8)

للّہ عارفہ:

کشمیر کی تاریخ میں للّہ عارفہ (لل دید) کو جو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہے وہ کسی اور خاتون کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کا اصلی نام پدماوتی تھا، تاہم ہندوؤں میں للّہ ایشوری اور مسلمانوں میں "لل دید" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسکے والدین پاندریتھن کے رہنے والے تھے جو سرینگر سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جو قدیم زمانے میں کشمیر کا دارالحکومت تھا۔ لیکن للّہ کی پیدائش موضع سیم پور میں واقع ہوئی جو پانپور کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ پریم ناتھ بزاز نے اسکی پیدائش 1335ء بتائی ہے جبکہ جگ موہن کا خیال ہے کہ وہ 1317ء اور 1320ء کے درمیان پیدا ہوئی ہے۔ (9)

پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

> "اوائل عمر ہی سے اس نے برہمنیت کی مروجہ روایات اور رسوم پر کاربند ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے ایک برہمن گھر میں بیاہ دیا گیا جہاں اسے اپنی ساس اور شوہر کے ہاتھوں بڑی مدت تک سختیاں برداشت کرنی پڑیں۔"

ایک روایت مشہور ہے کہ ایک بار اس کے گھر میں کوئی مہمان آئے ہوئے تھے جن کیلئے دعوت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ للّہ پانی بھرنے پنگھٹ پر گئی تو اسکی سہیلیوں نے مذاق کیا کہ "آج تو تمہارے بڑے مزے ہیں ہمیں نہ بھول جانا! للّہ کی زبان سے اچانک یہ بیت نکلا کہ

ھُنڈ مارِتن کِنہ کٹھ
للّہ نِلہ وٹ ژلِہ نہ زاہ

یعنی چاہے ذبح کریں چاہے بھیڑ، للہ کا پلہ بات کہیں نہیں جائے گا۔ پس منظر اس کا یہ ہے کہ للہ کی ساس کھانا تقسیم کرتے وقت للہ کے برتن میں پہلے نیلے رنگ کا باٹ (پتھر) رکھتی تھی اس کے اوپر چاول ڈالتی تھی تا کہ تھالی بھری ہوئی نظر آئے۔ ایک بار اسکے سسر کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے اپنی بیوی کی بہت ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئی۔ (10)

آخر اس نے اپنا گھر تیاگ دیا جگہ جگہ پھٹے پرانے لباس میں نیم عریاں حالت میں پھرنے لگی۔ شاہ ہمدان (سید علی ہمدانی) کشمیر میں آئے تو للہ ان سے ملی اور مذہب و روحانیت کے موضوع پر ان سے تبادلۂ خیالات کیا۔ شیومت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر للہ نے عوام کیلئے ایک رہبر کی حیثیت اختیار کر لی۔ ہندو اور مسلمان دونوں فرقے اسے اپنا روحانی پیشوا، مونس، ہمدرد اور غمخوار سمجھنے لگے۔ اس نے اپنے افکار کا پرچار عوام الناس کی مادری زبان (کشمیری) میں کیا۔ اسکے اقوال "للہ واکھ" کے نام سے کشمیری زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔

للہ ایک پیدائشی شاعرہ تھی۔ اس کا تصور، اسکے محاورے اور الٰہیات کے بارے میں اسکے اقوال پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ زندگی کے بارے میں اسکا ادراک کتنا گہرا تھا۔

اس نے کشمیر میں متحدہ ثقافت کی بنیاد رکھی۔ اس نے اخوت انسانی کے نئے دور کا آغاز کیا جس سے ذات پات اور درجہ بندی کے امتیازات بے معنی ہو کر رہ گئے۔ اس نے کہا:

سنیاسی ایک تیرتھ سے دوسرے تیرتھ
"اسے" ڈھونڈتا پھر رہا ہے
جبکہ "وہ" خود اس کے اندر موجود ہے
ہندو اور مسلمان میں تفریق مت کرو
اگر تم سمجھ رکھتے ہو، تو خود کو پہچانو
یہی اپنے مالک کو پہچاننے کا حقیقی طریقہ ہے

اس کے یہ اشعار "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" کی واضح تفسیر ہیں۔ یہی مضمون اس کے کئی دیگر اقوال میں بھی نمایاں ہے۔ جیسے:

میں نے اپنے نفس کو مارا
جس سے میرے اندر کا چراغ روشن ہوا
مجھے اپنی اصلیت معلوم ہوگئی

اندر کی چمک باہر نکل آئی

اور اندھیرے میں مَیں نے ''اسے'' پکڑ لیا

للّہ کی زندگی میں ہی ضلع اسلام آباد کے ایک گاؤں کیموہ میں 1377ء میں کشمیر کے ایک اور رشی شیخ نورالدین پیدا ہوئے جو کشمیر کے تمام فرقوں میں ''نُند ہ رشی'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ان کا پردادا کشتواڑ کا ایک ہندو راجہ تھا جو کسی خانہ جنگی میں مارا گیا تھا اور اسکے بعد اسکا سارا خاندان کشتواڑ سے بھاگ کر وادئ کشمیر میں پناہ گزین ہوا تھا۔نُند ہ رشی کے والد شیخ سالارالدین سید حسین سمنانی سے ملے اور اسلام قبول کیا۔(11)

ایک روایت یہ ہے کہ پیدائش کے وقت نورالدین نے اپنی ماں ''سِد رہ موجی'' کے دودھ کو بالکل منہ نہ لگایا۔اتفاق سے لل دید کا اسی طرف سے گزر ہوا۔نورالدین کو انکے پاس لایا گیا تو انہوں نے بچے کو مخاطب کر کے کہا: ''یِل نہ زینس مند چھا کھ،دودھ چینس کیازہ چھکھ مند چھان؟''

''جب تو پیدا ہونے میں نہیں شرمایا تو دودھ پینے سے کیوں شرماتا ہے؟'' چنانچہ بچہ دودھ پینے لگا۔(12)

جوان ہو کر نورالدین کو بھی لل دید سے رشد و ہدایت حاصل ہوئی جس سے انہیں مذہبی رواداری اور انسان دوستی کے اسرار و رموز کا ادراک ہو گیا اور انہیں باطنی اطمینان،سکون اور راحت مل گئی۔نورالدین نے ساری زندگی درویشانہ طور پر بسر کی۔وہ تمام مذاہب کی وحدت اور عالمگیر اخوتِ انسانی کے اصولوں کی ترویج کیلئے عمر بھر سرگرم کار رہے۔

انہوں نے گوشت خوری، پیاز اور لہسن سے پرہیز کیا۔زندگی کے آخری دور میں دودھ اور شہد بھی ترک کر دیا۔1438ء میں انہوں نے 61 برس کی عمر میں انتقال کیا۔سلطان بڈشاہ (زین العابدین) نے انکے جنازے میں شرکت کی۔(13)

لل دید کے بارے میں بابا داؤد مشکواتی اسرارالابرار میں لکھتے ہیں:

> ''للّہ عارفہ ایک عجیب و غریب عورت تھی۔طریقت کے نامور مردوں میں درجۂ اختصاص رکھتی تھی۔وہ پیدائشی ولی تھی۔صوفیائے کرام کی صحبت نے اسے اور بھی جلا دے رکھی تھی۔وہ سید حسین (سمنانی) کی ظاہری اور باطنی مریدِ خاص تھی۔''(14)

لل دید کے کلام میں وحدت الوجود کے فلسفہ کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔انکے کلام کے چند

منتخب نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

اے پجاری تو اپنے نظر کے فتور سے ایک کو دو دیکھتا ہے
اور وجود خداوندی کو کبھی مرد خیال کرتا ہے کبھی عورت
تو جو کچھ دیکھتا ہے اور جس الگ روپ میں دیکھتا ہے
سب ''اُسی'' کے نور کا ظہور ہے

❖..................❖

کیا سورج دنیا کی ہر چیز کو روشن نہیں کرتا؟
کیا وہ صرف اچھے اچھے شہروں کو روشنی پہنچاتا ہے؟
کیا ہوا ہر گھر میں داخل نہیں ہوتی؟
یہی اشارہ ہے، اس اصول کو سمجھ

❖..................❖

مورتی بھی پتھر کی ہے اور مندر بھی پتھر کا
اوپر سے نیچے تک سب ایک ہی ہے
اے مُورکھ پنڈت۔ تو کس کی پوجا کرے گا؟

❖..................❖

میں نے تیری تلاش بھَون میں کی
(بھَون، اسلام آباد کشمیر سے 4 میل کے فاصلہ پر ایک تیرتھ ہے)
اور دنیا کے گوشے گوشے میں تجھے تلاش کیا
لیکن تیرا کوئی سُراغ نہ ملا
میں نے سادھوؤں اور ریشیوں سے تیرا پتہ پوچھا
مگر وہ کچھ نہ بتا سکے
آخر تنگ آ کر جب میں نے سارے خیالوں، فکروں اور اندیشوں کو
ترک کیا
یعنی تیرے سوا سب کا خیال چھوڑ دیا
تو میں نے اپنے آپ میں ہی تجھ کو پالیا

اور دیکھا کہ تو میرے دل میں جلوہ نما ہے (15)

للہ کے اقوال کے بہت سے مجموعے چھپ چکے ہیں۔ علامہ عبداللہ یوسف علی اپنی کتاب ''تاریخ ہند۔ازمنۂ وسطیٰ میں معاشرتی واقتصادی حالات'' میں لکھتے ہیں:

''جس مذہبی تحریک کے باعث جدید شیوہ مت صوفیوں کے نقش بندی سلسلہ کے قریب آ گیا اسکی اعلیٰ مثال کشمیر کی للہ دید کی تصنیف میں موجود ہے۔ للہ چودھویں صدی عیسوی میں گزری ہے جبکہ اسکے وطن میں اسلام کی کشش عالمگیر ہو رہی تھی۔ اس کی تصنیف (للہ واکیانی) جسے سر جارج گریئرسن نے مرتب کیا ہے کے علاوہ ایک منظوم انگریزی ترجمہ بھی موجود ہے جو سر رچرڈ ٹمپل نے 1924ء میں کیمبرج سے شائع کیا ہے۔ (16)

للہ عارفہ کی وفات کے بارے میں تاریخ اعظمی میں مرقوم ہے کہ

''درزمان سلطان شہاب الدین از عالم درگزشت۔ یعنی اس نے سلطان شہاب الدین کے دور حکومت میں اس جہاں سے کوچ کیا۔ اس لحاظ سے اسکی وفات 774 اور 780 ہجری کردرمیان کسی وقت میں ہوئی۔ اس کے مرقد کا کوئی نشان نہیں۔''

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مقام از ما ست

(یعنی ہماری موت کے بعد ہماری قبر زمین پر مت ڈھونڈو۔ ہمارا مقام تو عارفین کے سینوں میں ہوتا ہے۔)

حبّہ خاتون:

سرینگر سے اسلام آباد جاتے ہوئے آٹھ نو میل کے فاصلے پر ایک زعفران زار قطعۂ زمین آباد ہے جو قدیم زمانہ میں پدم پور کہلاتا تھا۔ اب اسکا نام پانپور یا پامپور ہے۔ اس زعفران زار میں چندن ہار نامی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ 16 ویں صدی کے وسط میں یہاں عبدی راتھر نامی ایک زمیندار رہتا تھا، جو زمینداری کے علاوہ تبت کے ساتھ نمک کی تجارت بھی کرتا تھا۔

اس زمانہ میں کشمیر پر چک خاندان کی حکمرانی تھی۔ سلطان نازک شاہ چک کی حکمرانی کے

آخری ایام میں 1552ء کے لگ بھگ عبدی راتھر کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بہت حسین تھی۔ اس کا نام زون یعنی چاند یا ماہتاب رکھا گیا۔ زون پانچ سال کی ہوئی تو اسے گاؤں کی مسجد میں قرآن شریف پڑھنے کیلئے بٹھا دیا گیا۔ قرآن ختم کرنے کے بعد اس نے گلستان، بوستان اور کریما وغیرہ فارسی کتابیں پڑھیں۔ پڑھنے کا اسے بہت شوق تھا۔

زون جوان ہوگئی تو اس کے باپ نے اسکی شادی خاندان کے ایک نوجوان سے کردی جو کہ نہ صرف اَن پڑھ تھا بلکہ بدمزاج بھی تھا۔ اسے زون کے علمی اشغال بالکل پسند نہ تھے چنانچہ اسکے ساتھ سسرال میں بہت بُرا سلوک ہونے لگا۔ (17)

زون کو قدرت نے جہاں حُسنِ جہاں سوز عطا کیا تھا وہیں اس میں شعر گوئی کی خداداد صلاحیت بھی موجود تھی۔ اسکے گلے میں بڑا رس تھا۔ وہ اکثر اپنی مترنم آواز میں اپنے ہی لکھے ہوئے گیت گایا کرتی تھی۔ 1571ء کی بات ہے کہ زون جو اَب حبہ خاتون کہلانے لگی تھی، اپنے کھیت میں گوڈی یا نیلائی کر رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کوئی گیت بھی گا رہی تھی۔ شہزادہ یوسف کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے یہ دلکش آواز سنی تو اس طرف کو چل پڑا۔ نزدیک پہنچا تو حبہ خاتون کے حسنِ بے پایاں نے اسے اور بھی مسحور کر دیا۔ زون کی نظر بھی شہزادے پر پڑی۔ دونوں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔

حبہ خاتون کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی جبکہ شہزادہ یوسف 28 برس کا تھا۔ یوسف شاہ کے دوستوں نے حبہ خاتون کا کھوج لگایا اور اسکے خاوند کو پانچ ہزار درہم دے کر طلاق دینے پر راضی کر لیا۔ اس نے موقعہ غنیمت جانا اور بیوی سے علیحدہ ہونا منظور کر لیا۔ اس طرح اٹھارہ سال کی عمر میں قدرت نے دیہات میں رہنے والی ایک لڑکی کو شاہی محلات میں پہنچا کر کشمیر کی ملکہ بنا دیا۔ (18)

شہزادہ یوسف نے دریائے جہلم کے بائیں کنارے ایک وسیع باغ لگوایا جس میں کئی بارہ دریاں اور شاندار عمارتیں بنوائیں۔ یہیں حبہ خاتون کے قیام کا بندوبست کیا گیا۔ شہزادہ خود بھی اسکے ساتھ ہی رہنے لگا۔

حبہ خاتون کا شعر گوئی کا فن جاری رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ نکھرتا گیا۔ شہزادہ یوسف خود بھی شاعر تھا اور فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ دونوں کو فنِ موسیقی سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ اسکے دربار میں ایرانی، ہندوستانی اور کشمیری موسیقی دان حاضر رہتے تھے۔ حبہ خاتون نے اس ماحول سے فائدہ اٹھا کر فنِ موسیقی میں یدِ طولیٰ حاصل کر لیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ کشمیریات کی سربراہ میڈم نصرت نثار اپنے ایک مقالہ ''کشمیر میں موسیقی کا ارتقاء'' میں رقم

طراز ہیں:

''یوسف شاہ چک اور اسکی ملکہ حبہ خاتون نے صوفیانہ موسیقی کی تزئین میں کافی وقت اور محنت صرف کی۔ وہ دونوں موسیقی کے سرپرست ہی نہیں بلکہ خود بھی موسیقار تھے۔ صوفیانہ موسیقی کا ایک خاص مقام ''راست کشمیری'' خاص طور پر حبہ خاتون کی موجدانہ صلاحیتوں کا ہی نتیجہ ہے۔'' (19)

حبہ خاتون کشمیر کی ادبی اور تہذیبی تاریخ کا نا قابل فراموش کردار ہے۔ فوق لکھتے ہیں:

''حبہ خاتون علاوہ حسن و جمال کے، خوش الحانی میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔ یوسف شاہ اور حبہ خاتون کے افسانے یوسف زلیخا کی طرح آج تک مشہور چلے آتے ہیں۔ یہ خاتون ملکۂ ہندوستان نور جہاں کی طرح زیور فہم و فراست سے آراستہ تھی۔ عفت و عصمت اور سلیقہ شعاری کے تمام اوصاف اس میں بدرجہ اتم موجود تھے۔'' (20)

جگ موہن ان الفاظ میں حبہ خاتون کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''حبہ خاتون کے عشقیہ گیت شیلے کے اس لافانی اظہار کی عکاسی کرتے ہیں کہ

Our sweetest songs are those that tell us of sadest thoughts.

یعنی ہمارے شیریں ترین نغمے وہ ہوتے ہیں جو ہمارے غم واندوہ کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔'' (21)

1579ء میں یوسف شاہ کا والد علی شاہ عید گاہ کے میدان میں چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے فوت ہوگیا۔ علی شاہ کی تجہیز و تکفین کے بعد یوسف شاہ تخت نشین ہوا تو حبہ خاتون ملکۂ کشمیر کہلائی۔

یوسف شاہ کو شہزادگی کے زمانہ سے ہی عیش و عشرت کی لت پڑ چکی تھی۔ بادشاہ بنتے ہی اس نے پھر عیش و عشرت کا بازار گرم کیا۔ وہ راگ رنگ میں اتنا مست ہوا کہ دربار کا رنگ ہی بدل گیا۔ امور مملکت نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں آکر خراب ہوگئے۔ مخلص درباری اپنی ناقدری دیکھ کر خانہ نشین ہوگئے۔ حبہ خاتون نے کئی بار بادشاہ کو اس کے فرائض یاد دلائے لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ملکہ نے سید مبارک شاہ کو پیغام بھیجا کہ یہ وقت خانہ نشینی کا نہیں ہے۔ آپ بادشاہ کو آ کر

سمجھائیں اور آنے والے خطرات سے نجات دلائیں۔ سید مبارک شاہ نے بھی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر یوسف شاہ کو ایک سال ایک ماہ اور 19 دن کی حکمرانی کے بعد معزول کر دیا گیا اور وہ کوہستان کی طرف چلا گیا۔ (22)

یوسف شاہ کی معزولی کے بعد امرأ نے سید مبارک شاہ کو اصرار کے ساتھ تخت سنبھالنے پر مجبور کیا۔ مبارک شاہ نے اپنا تاج توڑ پھوڑ کر مساکین میں تقسیم کیا اور معمولی لباس پہن کر کاروبار سلطنت چلاتا رہا۔ وہ عدل وانصاف سے حکومت کرتا رہا۔ اس نے کئی اصلاحات عمل میں لائیں۔

کچھ عرصہ بعد اس نے یوسف شاہ کو واپس بلانا چاہا۔ یوسف شاہ صلح کرنا چاہتا تھا لیکن اسکے مشیروں نے نہ کرنے دی۔ الغرض اندرونی سازشیں، بغاوتیں، کشمکش اور افراتفری اسی طرح جاری رہی۔ حبہ خاتون اس تمام پُر آشوب دور میں کشتواڑ میں مقیم رہی۔ 1581ء میں جب یوسف شاہ نے دوبارہ اقتدار سنبھالا تو وہ واپس سری نگر آ گئی۔

اب یوسف شاہ کچھ بدل چکا تھا۔ سید مبارک شاہ نے اس سے صلح کر لی اور عدل وانصاف اور دانشمندی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ وہ گرمیاں گزارنے کیلئے گلمرگ کی وادی میں چلے گئے۔ اس وادی کو حبہ خاتون نے ہی آباد کیا تھا اور اس کا نام بھی اسی نے تجویز کیا تھا۔

ایک بار دونوں میں کسی بات پر اَن بَن ہو گئی۔ یوسف شاہ ناراض ہو کر وادی وانگٹ چلا گیا۔ وہاں ایک سبزہ زار میں دو چشمے پاس پاس پھوٹتے ہیں۔ ایک کا نام مارسر ہے اور دوسرے کا تارسر۔ یوسف شاہ کو اچانک حبہ خاتون کی یاد ستانے لگی۔ بے اختیار اسکی زبان سے یہ شعر نکلا:

در یادِ دو زُلفِ بُتِ کشمیر نژادے
شد تارسر و مارسر از گریۂ چشم

یعنی محبوبۂ کشمیر (حبہ خاتون) کی زلفوں کی یاد میں میرے آنکھیں اتنا روئیں کہ تارسر اور مارسر دو چشمے جاری ہو گئے۔ (23)

سازشیں جاری رہیں اور ملک اندرونی طور پر کمزور ہوتا رہا۔ اسکے بعد مغل شہنشاہ اکبر کی طرف سے راجہ بھگوان داس کی سربراہی میں کشمیر پر یلغار کا وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر چک حکمرانوں کے باب میں آ چکا ہے۔ یوسف شاہ کو پہلے لاہور میں اور پھر پٹنہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اکبر نے اسکے کشمیر واپس جانے پر پابندی لگا دی۔ (24)

یوسف شاہ نے حبہ خاتون کو اپنے پاس بلانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اسکی یہ درخواست بھی

مسترد کردی گئی۔(25)

حبہ خاتون کی زندگی کے آخری ایام دکھوں اور غموں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے یہ زمانہ گریز میں گزارا۔ وہاں کے لوگ اسکا بہت احترام کرتے تھے۔ اس خطہ میں ایک پہاڑی اسکے نام سے منسوب ہے اور آجکل یہ حبہ بل کہلاتی ہے۔ وہ شکستہ دل ہوکر سری نگر واپس آگئی۔(26)

فتح کشمیر کے بعد اکبر کے ناظم مرزا قاسم نے حبہ خاتون اور دیگر افراد کی گرفتاری کے احکام جاری کیے۔ لیکن حبہ خاتون اس سے پیشتر ہی فقیرانہ لباس پہن کر شاہی محل سے نکل آئی تھی۔ سیاسیات سے کنارہ کش ہوکر اس نے موضع پانتہ چھوک میں دریا کے کنارے ایک معمولی سی کٹیا بنا کر اس میں رہنا شروع کیا تھا۔ لہذا اسے کچھ نہ کہا گیا۔

اسکا دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس نے ہر قسم کا عیش و آرام ترک کر دیا تھا اور اپنی جھونپڑی کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد بنا کر سارا وقت یادالٰہی میں بسر کرنا شروع کر دیا۔ یہ مسجد ابھی تک موجود ہے۔(27)

اسکا انتقال اسکے گاؤں پانتہ چھوک میں ہوا اور اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ 1947ء کے بعد نیشنل کانفرنس کی حکومت نے حبہ خاتون کی یاد میں ایک دن منایا۔ اس روز اسکی تربت کی مرمت کی گئی اور اسکے اردگرد گھاس کا ایک قطعہ بنا کر اسمیں پھولوں کی کیاریاں بنائی گئیں۔(28)

یوسف شاہ کا انتقال نظر بندی کے دوران ہی ستمبر 1592ء میں ہوا۔ اسے ضلع پٹنہ کے ''بسواک'' گاؤں میں دفن کر دیا گیا۔(29)

حبہ خاتون کے فراقیہ گیتوں کے چند نمونے (ترجمہ):

میں نے اپنے ہاتھوں میں مہندی رچائی
نہ جانے وہ کب آئے
مرا محبوب میری محبت میں سرشار آئے گا
آ بھی جا۔ میں تیرے لئے ترستی ہوں
آ بھی جا میں تیرے لئے جاں بلب ہوں
اور تیری فرقت کی مجھ میں تاب نہیں ہے

دور چراگاہوں میں فصلِ بہار آئی ہے
کیا تو نے میری فریاد نہیں سُنی ؟
کوہسار کی جھیلوں میں پھول کھل رہے ہیں
آ پہاڑ کے دامن میں پھیلے ہوئے مرغزاروں کی سیر کریں
کیا تو نے میری فریاد نہیں سنی

ایک تاریخی واقعہ کا ذکر کرنا شاید بے محل نہ ہوگا۔ بخشی غلام محمد نے اپنے دورِ حکومت میں مشہور فلمساز ضیاء سرحدی کو کشمیر آکر کچھ فلمیں بنانے کی دعوت دی۔ جن میں حبہ خاتون کی زندگی کی پر ایک فیچر فلم بنانا بھی شامل تھا۔ ضیاء سرحدی نے یہ دعوت قبول کر لی اور کشمیر آکر حبہ خاتون کے بارے میں مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد بخشی اور اس کے نائب وزیر اعظم درگا پرشاد دھر نے ضیاء صاحب کو بلوا کر دریافت کیا کہ ان کا کام کہاں پہنچا ہے۔ ضیاء سرحدی نے جواب دیا کہ میں نے خاطر خواہ معلومات جمع کر لی ہیں لیکن میں سوچتا ہوں کہ "حبہ خاتون کی زندگی پر فلم بنانا آپ کو راس آئے گا؟ (Suit کرے گا؟)" کیونکہ حبہ خاتون وہ عظیم شخصیت تھیں جس نے اپنے شوہر کی گرفتاری کے بعد ساری عمر دہلی کی حکمرانی کے خلاف جدوجہد جاری رکھی جبکہ آپ نے دہلی کی حکمرانی کو کشمیر میں دعوت دے کر بلایا ہے"۔ یہ جواب سُن کر بخشی اور دھر دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ دوبارہ انہوں نے اس کا ذکر تک نہ کیا اور ضیاء سرحدی واپس بمبئی چلے گئے۔

حوالہ جات:

1. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 44
2. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 46
3. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 247
4. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 47
5. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 304
6. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 307
7. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 308

8. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 50
9. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 103
10. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 363
11. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 107
12. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 363
جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ
13. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 107
14. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 363
15. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 0-258
16. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 364
17. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 371
18. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 373
19. میڈم نصرت نثار	سنگر مال 2002ء	صفحہ 52
20. محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 463
21. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 57
22. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 374
23. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 378
24. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 289
25. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 380
26. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 290
27. محمد عبداللہ قریشی	ادبی دنیا کشمیر نمبر	صفحہ 382
28. پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 291
29. پی این کے بامزئی	کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر (جلد 2)	صفحہ 382

اونتی ورمن۔۔۔معاشی ترقی کا دَور

للتادت کے جانشین غرض پرست، حریص اور نااہل ثابت ہوئے۔ وہ جاگیرداروں اور انکے امرأ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنتے رہے جو ہمیشہ ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے تھے۔ ملک کے اندر نظام حکومت میں ابتری آگئی اور بد نظمی پھیل گئی۔ خوش قسمتی سے ایسے دور میں تاریخ کشمیر کا ایک اور عظیم انسان منظر عام پر آیا جس نے حالات کو سنبھال لیا اور کشمیر کو تعمیر و ترقی کے راستے پر ڈال لیا۔

پچھلے صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جے دیوی کا ایک بھتیجا ترقی کر کے کشمیر میں تاج و تخت کا مالک بن گیا تھا۔ اسکا نام اونتی ورمن تھا۔ اس نے 855ء میں تخت سنبھالا اور 883ء تک 28 سال حکمرانی کی۔ (مؤرخ محمد دین فوق نے اونتی ورمن کا دور حکومت 872ء سے 900ء تک لکھا ہے)

> اس نے تخت سنبھالتے ہی دانش مندی سے عوام کی اقتصادی حالت سدھارنے کیلئے خود کو وقف کر دیا۔ (1)

مؤرخین لکھتے ہیں اس سے پہلے کشمیر کبھی اتنا خوشحال نہ تھا جتنا اونتی ورمن کے 28 سالہ دور حکمرانی میں ہوا۔ اونتی ورمن کی عوام دوست حکمرانی کے دوران کشمیر کی سرزمین نیکی، امن اور خوشحالی کا گہوارہ بن گئی۔ (2)

اونتی ورمن نے جنگ و جدل کی طرف توجہ نہ دی بلکہ اس کی ساری کوششیں ملک کی تعمیر و ترقی اور عوام کی بہبود پر مبذول رہیں۔

خوش قسمتی سے اونتی ورمن کو ایک محبِّ وطن اور ذہین انجنیئر مل گیا جس کا نام ''سویا'' تھا اور جس نے اقتصادی طور پر ملک کو ترقی کے بامِ عروج پر پہنچایا۔

سویا کا تعلق نہایت غریب پس منظر سے تھا۔ وہ ایک اچھوت عورت کو مٹی کے ڈھیر سے ملا تھا۔ اس عورت نے سویا کو اپنے بیٹے کی طرح پالا۔ بڑا ہو کر وہ نابغۂ روزگار ثابت ہوا۔

اتفاق سے بارہ مولہ سے نصف میل بہاؤ کی جانب کھادنیار کے پاس پہاڑ کا ایک ٹکڑا دریائے جہلم میں آگرا جس کی وجہ سے پانی کا بہاؤ رُک گیا اور یہاں ایک جھیل کی صورت پیدا ہو

گئی۔ کھیتیاں پانی کے نیچے دب گئیں۔ مکان اور دوسری عمارات بہہ گئیں۔ لوگ زراعت کی کاشتکاری سے لاچار ہوگئے۔ مہنگائی انتہا کو پہنچ گئی۔ لوگ فاقہ کشی سے مرنے لگے۔ سویا نے کھادنیار کے بند کو کاٹ کر پانی کے نکلنے کا راستہ بنایا۔ اس نے پرانی نہروں کی مرمت کرائی۔ کئی مقامات پر دریا کو گہرا کر کے دریا کا بہاؤ تیز کیا۔ جہاں ضرورت ہوئی دریا کے کناروں پر سنگین بند یا پشتے بنائے۔ اس نے آبپاشی، پانی کی نکاسی اور زراعت کی ترقی میں جو انقلابی اقدامات کئے ان سے اجناس کی پیداوار میں اضافہ ہو گیا اور قیمتیں کم ہو گئیں۔ مثال کے طور پر ایک خروار چاول کی قیمت 200 دینار سے کم ہو کر 36 دینار رہ گئی۔ سویا کی سوچ اپنے وقت سے سینکڑوں سال آگے تھی۔ (3)

نالہ سندھ جو پہلے ترگام کے مقام پر دریائے جہلم میں گرتا تھا، اسکا راستہ بدل کر کئی کوس نیچے شادی پور کے مقام پر دریا میں ڈالا۔ جس سے سری نگر کے گردونواح میں بہت سی زمین نکل آئی۔ (4)

درباریوں میں سے اونچی ذات کے لوگ سویا کے خلاف ہو گئے۔ یہ لوگ بادشاہ کے کان بھرتے رہے۔ انہوں نے یہ بات پھیلائی کہ سویا کشتیاں بھر بھر کے روپیہ دریا میں پھینک دیتا ہے، جسکی لالچ میں لوگ دریا کی تہہ میں سے ملبہ نکالتے ہیں۔ لیکن بادشاہ نے ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ اس نے ہر قدم پر اپنے انجینئر کا ساتھ دیا۔ سویا کی خدمات کے اعتراف کے طور پر سویاپور کے نام سے ایک شہر بسایا گیا جسکا نام اب سوپور ہے۔ (5)

سویا نے ہر قسم کے جانداروں (پرندوں، مچھلیوں وغیرہ) کے شکار پر پابندی لگا دی تھی۔ کلہن کے الفاظ میں:

> ''ان وقتوں میں بہتے پانی میں پرورش پانے والی مچھلی کسی ڈر یا خوف کے بغیر خزاں کے موسم میں ٹھنڈے پانیوں میں سے نکل کر دریا کے کنارے دھوپ میں اپنی پیٹھ گرماتی تھیں۔ بادشاہ کے وزیر سویا نے جھیل ولر میں جانور یا پرندے مارنے پر مستقل پابندی لگائی تھی۔'' (6)

اونتی ورمن کے دور میں تعمیراتی کام زور وشور سے جاری رہا۔ ملک کے استحکام اور خوشحالی نے بادشاہ، اسکے وزیروں اور عزیزوں کو نئے شہروں، قصبوں اور مندروں کی بنیاد رکھنے میں مدد دی۔

بادشاہ نے خود بھی اپنے نام سے اونتی پور شہر کی بنیاد رکھی اور دو شاندار مندر تعمیر کئے جن میں سے ایک کا نام ''اونتی سوامی'' تھا اور دوسرے کا ''اونتیشور''۔ ان مندروں کے کھنڈرات اب بھی

قابل دید ہیں اور پہلگام جانے والے سیاح یہاں ان نوادرات کو دیکھنے کیلئے ضرور رُکتے ہیں۔

یہ تمام تعمیرات اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ بدھ مت کا اثر اب پس منظر میں چلا گیا تھا اور اسکی جگہ دوبارہ ہندومت نے لے لی تھی۔ جدید عمارات کئی سروں اور کئی بازوؤں والی مورتیوں اور تصاویر سے مزّین تھیں۔(7)

بادشاہ خود بڑا منکسر مزاج اور آزاد خیال تھا۔ جس پہلو سے بھی دیکھیں اونتی ورمن کا دَور تاریخ کشمیر میں بہت شاندار دَور تھا۔ بادشاہ اور اسکے وزیروں میں ہم آہنگی تھی۔ ماحول میں پاکیزگی اور احساس تحفظ تھا۔ مذہب، فنون اور ثقافت سے پُرخلوص انداز سے وابستگی تھی۔ بادشاہ کو شریمد بھگوت گیتا سے بہت وابستگی تھی۔ وہ وفات کے وقت بھی اس مقدس کتاب کے اشلوک سن رہا تھا۔(8)

اونتی ورمن کا جانشین شنکر ورمن تھا۔ اس نے خواہ مخواہ کی عسکری مہمات میں حصہ لے کر ملک کے امن اور خوشحالی کو نقصان پہنچایا۔ اس نے بھاری محصولات عائد کیے۔ حتیٰ کہ بیگار کو بھی رواج دیا۔ عام لوگ کہتے ہیں اس نے سوائے سانس لینے کے کسی چیز کو محصول کے بغیر نہیں چھوڑا تھا۔ شنکر ورمن کے بعد والے حکمران بھی انتہائی کمزور کیریکٹر کے مالک تھے۔ اُتپال خاندان کے حکمرانوں کا اختتام 939ء میں ہوا جب ایک برہمن یاشکر دیو کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ لیکن برہمنوں کی بادشاہت صرف 10 سال چلی جب برہمن بادشاہ کے وزیر پاروگپت نے بادشاہ کو قتل کر دیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔(9)

حوالہ جات:

1.	پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 39
2.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 44
3.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 44
4.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 210
5.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 211
6.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 44
7.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 45
8.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 45
9.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 46

محمود غزنوی کے حملے

گزشتہ صفحات میں کشمیر پر محمود غزنوی کے حملے کا ذکر آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ذرا تفصیل سے بات کی جائے۔

نویں صدی عیسوی میں کابل اور قندھار کے درمیان غزنی کی سلطنت قائم تھی۔ 860ء میں ایک ترکمان قبیلہ نے سامانی مملکت کی بنیاد رکھی اور غزنی سمیت وسیع علاقہ پر حکمرانی کرنے لگا۔

961ء میں اس خاندان کے ایک غلام الپتگین نے خود کو غزنی کا خودمختار حکمران بنالیا۔ اسکے بعد اسکا داماد سبکتگین 977ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں لاہور میں جے پال کی حکومت تھی۔ جے پال اپنی فوجیں لے کر درۂ خیبر تک پہنچ گیا تاکہ سبکتگین کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل سکے۔ جے پال شکست کھا گیا اور اسے آئندہ وفادار رہنے اور تاوان ادا کرنے کے وعدے پر واپس جانے کی اجازت ملی۔ لاہور پہنچ کر جے پال نے تاوان کی ادائیگی سے انکار کردیا۔ اسکو سزا دینے کیلئے سبکتگین نے پیش قدمی شروع کی۔ پشاور میں جے پال سے مقابلہ ہوا اور ایک بار پھر اسے شکست ہوئی۔ دوبارہ وعدے وعید کے بعد اسے واپسی کی اجازت ہوئی۔

جے پال کے بعد آنند پال تخت نشین ہوا۔ چند سال تک خراج کی ادائیگی ہوتی رہی 997ء میں محمود تخت نشین ہوا۔ ہندوستان کے راجاؤں نے آپس میں اتحاد کرلیا اور آنند پال کی قیادت میں محمود کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ 1001ء میں محمود غزنوی ایک عظیم لشکر کے ساتھ پشاور پہنچ گیا۔ مقابلہ ہوا اور آنند پال کو شکست ہوئی جسکے نتیجے میں لاہور کو غزنی کی مملکت میں شامل کرلیا گیا۔ آنند پال نے کشمیر میں آکر پناہ لی۔ (1)

محمود نے ہندوستان پر 17 حملے کیے۔ سب میں کامیاب ہوا۔ وہ مشرق میں قنوج اور متھرا تک اور جنوب میں سومناتھ تک پہنچ گیا۔ 1013ء میں کشمیر میں راجہ سنگرام راج کی حکومت تھی جب محمود نے پہلا حملہ کیا۔ محمود کی فوجیں دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتی رہیں پھر پونچھ کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ توشہ میدان کے راستے وادیٔ کشمیر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ راج ترنگنی کے مطابق یہ حملہ ماگھ کے مہینے میں ہوا تھا۔ لوہر کوٹ کے قلعہ میں حملہ روک دیا گیا۔ اوپر سے برف باری شروع ہو

گئی۔ محمود کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد وہ واپسی پر مجبور ہو گیا۔ (2)

محمود کو کشمیر فتح کرنے کی بہت آرزو تھی۔ جس کا اظہار اسکے اپنے اس شعر سے ہوتا ہے:

ما را رہِ کشمیر ہمیں آرزو آید
گاہ است کہ یک بارہ بہ کشمیر خرامیم

(یعنی ہمیں کشمیر کی راہوں کی بڑی آرزو ہے۔ وہ دن کب ہوگا جب ہم ایک بار کشمیر میں محو خرام ہوں گے۔)

محمود کے درباری شاعر ابوالحسن فرخی سیستانی نے محمود کے بیٹے مسعود کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

باش تا با پدر خویش بہ کشمیر شوی
لشکرِ ساختۂ خویش بہ کشمیر بری

یعنی ذرا صبر کرتا کہ تو اپنے باپ کے ساتھ کشمیر جائے اور اپنے بنائے ہوئے لشکر کو کشمیر لے جائے۔ ایک اور شعر میں یوں لاف زنی کی گئی تھی کہ

آں میرِ جہانگیر با لشکر کشمیر
آں کرد کہ با کبک کند باز شکاری

(''یعنی دنیا پر حکومت کرنے والے اس سردار نے کشمیر کی فوجوں کا وہ حشر کر دیا جو شکاری باز کمزور چڑیوں کا کرتا ہے۔'') افسوس کہ محمود کی یہ آرزوئیں پوری نہ ہو سکیں۔ اس نے 1023ء میں دوسری بار کشمیر پر حملہ کیا۔ پھر وہی پونچھ کا راستہ اختیار کیا لیکن لوہر کوٹ سے آگے نہ جا سکا۔ اس سفر میں ابوریحان البیرونی مؤرخ اس کے ساتھ تھا۔ محمود نے کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کیا اور واپس غزنی چلا گیا۔ 1030ء میں محمود کا انتقال ہو گیا۔ اسکے جانشین نا اہل ثابت ہوئے۔ غزنی کی سلطنت کُل 150 سال قائم رہی۔

حوالہ جات:

1. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک جدوجہد آزادیٔ کشمیر — صفحہ 98-97
2. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 98-97

[نقشہ نمبر 6]

11ویں صدی کا جنوبی ایشیاء
1022ء

10ویں صدی کے اختتام پر (992ء میں) افغانستان میں غزنوی خاندان کے بانی سبکتگین نے دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کرلیا۔11ویں صدی کے آغاز میں محمود غزنوی نے راجہ جے پال سے لاہور کی بادشاہت چھین لی۔اس دور میں جنوبی ایشیاء بہت سی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔

محمود غزنوی نے ملتان، گوالیار، کالنجر، قنوج اور دہلی کی مشترکہ افواج کو 1008ء میں شکست دی۔ اسکے بعد اس نے نگرکوٹ، تھانیسر، متھرا اور سومناتھ میں مندروں کو تباہ کرکے انکی تمام دولت سمیٹ لی اور اپنے لئے بت شکن کا لقب حاصل کرلیا۔

وسطی ہند میں بندھیل کھنڈ کی ریاست قائم تھی۔ دکن کی چالوکیہ مملکت زوال پذیر تھی۔تاہم 973ء میں شاہی خاندان کا ایک عنصر اسے بحال کرنے میں کامیاب ہوگیا۔کلیان اس کا دارالحکومت قرار پایا۔

جنوب میں چولا کا حکمران راجہ ''راجہ'' طاقت پکڑ گیا اور 985ء اور 1011ء کے درمیان اس نے کانجی کے پلاؤں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔اس طرح پلاؤں کی 8 سو سالہ خودمختاری کا خاتمہ ہوگیا۔اس نے 1005ء میں کالنگا کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔وہ جنوبی ہند کا مقتدر ترین حکمران بن گیا۔اس نے مدراس اور میسور کو بھی تسخیر کر لیا۔اس کے بیٹے ''راجندر جولا دیو'' نے اپنی مملکت کو اڑیسہ اور بنگال تک وسعت دی۔

10ویں اور 11ویں صدی میں کشمیر پر پہلے دیدارانی اسکے بعد سنگرام راج اور پھر انند دیو کی حکمرانی رہی۔ دیدارانی تقریباً نصف صدی تک برسرِ اقتدار رہی۔ پہلے 950ء سے 958ء تک اپنے شوہر کھیمہ گپت کے ہمراہ۔ پھر 958ء سے 972ء تک اپنے نابالغ بیٹے ''ابھی مینو'' کے مختار کی حیثیت سے اور آخر میں 972ء سے 1003ء تک مکمل حکمران کی حیثیت سے۔ دیدارانی آہنی ارادے کی مالک عورت تھی۔ اس نے اپنے مخالفین کو بیدردی سے کچل کر رکھ دیا۔ 1003ء سے 1023ء تک سنگرام راج کی حکمرانی رہی۔ 1015ء میں محمود غزنوی نے کشمیر پر پہلا حملہ کیا۔محمود غزنوی کو شکست سے دوچار ہوکر واپس جانا پڑا۔ محمود کی زندگی میں یہ واحد مہم تھی جس میں اسے ناکامی کا سامنا ہوا۔ ہندوستان پر اس نے یکے بعد دیگرے سترہ حملے کیے اور سب میں کامیاب رہا۔ کشمیر پر اس نے بعد میں ایک اور حملہ کیا لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ کشمیر کو فتح کرنے کی تمنا اسکے دل میں ہی رہ گئی۔

باب نمبر: 13

مسلم دَور کی ابتداء اور تبلیغی سرگرمیاں

پس منظر:

چودھویں صدی کے آغاز میں کشمیر ایک اذیت ناک صورتحال سے دوچار ہوا۔ 1320ء میں ایک منگول سردار ڈُلچو خان نے ترکستان سے حملہ آور ہو کر کشمیر کو تسخیر کیا۔ کشمیر پر ڈامر خاندان کے راجہ سہدیو کی حکمرانی تھی جو ایک کمزور اور بزدل حکمران تھا۔ ڈلچو نے تباہی مچادی، لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ مردوں کو قتل، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے۔ (1)

اسی دور میں لداخ کا ایک شہزادہ رینچن وادیٔ کشمیر میں وارد ہوا۔ اس کا باپ جو ایک مقامی سردار تھا، بلتیوں کے ساتھ کسی تنازعہ میں مارا گیا تھا۔ راجہ سہدیو نے کسی کام کے عوض اسے لار کے علاقہ میں جاگیر عطا کی۔ چنانچہ اس نے وہاں اپنا اثر ورسوخ قائم کر لیا۔ اس کا پورا نام لاہ چن نگیالبو رینچن (Lha Chin Ngyalbu-Rinchen) تھا۔ کشمیر کے ابتر حالات کے تحت وزیراعظم رام چندر نے خودمختاری کا اعلان کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ راجہ سہدیو ملک سے فرار ہو گیا۔ رینچن نے رام چندر کو قتل کرادیا اور تخت پر اپنا تصرف قائم کیا۔ اس طرح کشمیر پر لداخی بودھ متصرف ہو گئے۔

رینچن نے رام چندر کی بیٹی کوٹارانی سے شادی کر لی اور اسے انتظامی معاملات میں شامل کر لیا۔ اس نے اصلاحات عمل میں لائیں اور انتظامی معاملات درست کئے۔ اس دور میں ترکستان سے شاہ میر نامی ایک شخص کشمیر میں وارد ہوا تھا اور اس نے سرکار دربار تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ رینچن نے شاہ میر کو انتظامیہ کا سربراہ بنادیا۔ (2)

شاہ میر ایک زیرک سیاستدان تھا۔ پسندیدہ عادات واطوار کا حامل تھا اور نہایت تجربہ کار منتظم تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ نہ صرف دربار میں اونچا مقام حاصل کر لیا تھا بلکہ عوام کی نظروں میں بھی قبولیت حاصل کی تھی۔ شہزادہ رینچن کو بھی اپنی مردم شناسی کی بنا پر شاہ میر کی ان خوبیوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وقت نے ان دونوں کے اندر ایک قریبی تعلق پیدا کر دیا۔ اس دوران رینچن اور

شاہمیر عوام وخواص میں قبول عام حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے شہزادہ رینچن کو کشمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ سہدیو کے کمانڈر انچیف رام چندر نے مخالفت کی لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر وہ بھی بھاگ کر ''گگن گیر'' کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ رینچن شاہ نے تخت سنبھالنے کے بعد رام چندر کی بیٹی ''کوٹا رانی'' سے شادی کر لی اور رام چندر کے بیٹے راول چندر کو افواج کا سربراہ مقرر کیا۔

رینچن شاہ کو مذاہب کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اس نے بدھ مت کے علاوہ ہندومت، شیومت اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ انہی دنوں بلبل شاہ نامی ایک مسلمان بزرگ ترکستان سے کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔ رینچن شاہ ان سے ملا اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس نے اپنا نام سلطان صدرالدین رکھا اور اپنے مرشد کے نام پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس کا نام بلبل لانکر ہے۔ اس نے ملک کے حالات بدلنے کی بہت کوشش کی۔ نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کی۔ لیکن تین سال کی مختصر مدت کے بعد 1322ء میں اس کا انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے اپنی بیوہ کوٹا رانی کے علاوہ ایک نابالغ بیٹا چھوڑ گیا جس کا نام حیدر تھا۔

سلطان صدرالدین کی وفات کے بعد کوٹا رانی نے اپنے بیٹے حیدر کو تخت پر بٹھانے کی بجائے راجہ سہدیو کے بھائی اودیان دیو کو گندھارا سے بلا کر تخت پر بٹھایا۔ شاہ میر نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا اور اودیان دیو کی حکمرانی کو تسلیم کر لیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کی کوٹا رانی کو تمام وزراء اور امراء کی حمایت حاصل تھی۔ اودیان دیو نے پندرہ سال تک حکومت کی۔ لیکن وہ بھی ایک نااہل اور ناکارہ حکمران ثابت ہوا۔ اس کے دور حکومت میں اُچل نامی ایک طالع آزما نے کشمیر پر حملہ کیا۔ اودیان دیو ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تاہم کوٹا رانی کی اپیل پر تمام کشمیری اس کی کمان میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسے شکست سے دوچار کیا۔ اس مہم میں شاہ میر نے بہت اہم رول ادا کیا اور اپنی حب الوطنی کی وجہ سے وہ کشمیری عوام میں بہت مقبولیت حاصل کر گیا۔

کوٹا رانی نے ملک کے تمام سرکردہ سرداروں کو خطوط لکھے۔ اس نے لکھا کہ آپ لوگوں کو دشمن کے مقابلہ کیلئے متحدہ ہو جانا چاہیئے کیونکہ انتشار اور خودغرضی کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ جیسا کہ ذُلچو کے حملے کے وقت ہوا تھا جب آپس کے اختلاف اور پست ہمتی کی وجہ سے ملک کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ آپ لوگوں کو کمر ہمت باندھ کر حملہ آور کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اپنے وطن اور اپنے خاندان کی تحفظ کی جنگ میں مارے جانا اس بات سے ہزار درجے بہتر ہے کہ لوگ اپنے اہل وعیال، کمزور خواتین اور معصوم بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر پناہ کی تلاش میں بھاگ کھڑے ہوں اور دشمن

ان عورتوں اور بچوں کو اپنا قیدی بنالے۔

کوٹارانی نے پھر اودیان دیو کو بلا کر تخت پیش کیا 39-1338ء میں اودیان دیو بھی فوت ہو گیا اس کے بطن سے کوٹارانی کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بولا رتن تھا۔ لیکن کوٹارانی نے دونوں بیٹوں کو نظر انداز کر کے راج پاٹ خود سنبھال لیا۔ شاہ میر نے وادی میں اپنے 26 سالہ قیام کے دوران بہت عروج حاصل کر لیا تھا اور کوٹارانی اس سے خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

چنانچہ اس نے اپنا دارالحکومت سرینگر سے اِندر کوٹ منتقل کر دیا اور شاہ میر کو نظر انداز کر کے بھکشن نامی ایک شخص کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ شاہ میر نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ مقابلے میں بھکشن مارا گیا۔ کوٹارانی نے ہتھیار ڈال دیئے اور شاہ میر سے شادی کی تجویز منظور کر لی لیکن بعد میں اس نے خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ شاہ میر نے عنان حکومت سنبھال لی اور اس کے ساتھ ہی کشمیر میں شاہ میری خاندان کی مسلم حکمرانی کا آغاز ہو گیا۔ (3)

وسط ایشیا کے مبلغینِ اسلام:

1. پچھلے صفحہ پر ہم سید شرف الدین بلبل شاہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ آپ بغداد خوارزم از بکستان کے رہنے والے تھے۔ اکتوبر 1320ء میں کشمیر آئے۔ ان کے دست حق پرست پر رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا اور سلطان صدرالدین کا لقب اختیار کیا۔ ان کا انتقال 1323ء میں ہوا اور سری نگر میں مدفون ہوئے۔ (4)

2. 728 ہجری بمطابق 1323ء میں بخارا سے حضرت جلال الدین بخاریؒ تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لائے۔ ان کی وفات 785 ہجری میں ہوئی۔

3. 760 ہجری بمطابق 1355ء میں سید تاج الدین سمنانی اور ان کے بھائی سید حسین سمنانی تبلیغ کے لئے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کا مقبرہ کولگام کے شہر میں مرجع خلایق ہے۔ ان کی اولاد یہاں سیالکوٹ میں آباد ہے۔ سیالکوٹ کے نامور قانون دان سید ممتاز حیدر سمنانی مرحوم حضرت حسین سمنانی کی اولاد سے تھے۔ للّہ عارفہ حضرت حسین سمنانی کی مریدتھیں۔

4. میر سید علی ہمدانی، المعروف شاہ ہمدان نے تین بار کشمیر کا دورہ کیا اور وادی کشمیر کے علاوہ لیہہ، کرگل، سکردو اور گلگت کی سیاحت کی۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کے علاوہ خانقاہیں، مسجدیں اور دست کاریوں کے مراکز قائم کئے۔ پہلی بار وہ 1372ء میں سات سو علماء، صوفیا اور دست کاریوں کے

ماہر کاریگر لے کر آئے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ وہ کشمیر کے اطراف میں پھیل جائیں۔ محنت کر کے اپنی روزی کمائیں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔ انہوں نے چھ ماہ قیام کیا اور یہاں سے حجاز مقدس روانہ ہو گئے۔ (5)

شاہ ہمدان دوسری بار 781 ہجری بمطابق 1379ء میں آئے اور یہاں ڈھائی سال قیام کرنے کے بعد لداخ کے راستے ترکستان چلے گئے۔ 783 ہجری یعنی 1383ء میں آپ تیسری بار تشریف لائے اور 19 جنوری 1385ء کو واپس جاتے ہوئے راستے میں انتقال کیا۔ انہیں ختلان کے قریب کولاب میں دفن کیا گیا۔ شاہ ہمدان 170 کتابوں کے مصنف تھے۔

5. شاہ ہمدان کے بڑے صاجزادے سید میر محمد ہمدانی 786 ہجری 1394ء میں تین سو علما کو ساتھ لے کر کشمیر پہنچے اور 12 سال تک یہاں قیام کیا۔ انہوں نے پانچ مقامات پر خانقاہیں قائم کیں جو اب تک موجود ہیں۔ یہ خانقاہیں سری نگر، سوپور، شاہ آباد ڈورو، پانپور اور وچی میں قائم کی گئیں۔ (6)

سید محمد ہمدانی ازبکستان بھی گئے۔ جہاں بہت سے واقعات ان سے منسوب ہیں۔

6. سید محمد نور بخش: آپ حضرت شاہ ہمدان کے بھانجے تھے اور شاگردِ خاص بھی۔ 840 اور 850 ہجری کے دوران بلتستان میں وارد ہوئے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی اور شاہ ہمدان کے نام پر بیعت لینے لگے۔ بلتستان میں اپنا مشن پورا کرنے کے بعد نالہ ستورو کے راستے یارقند چلے گئے اور وہاں سے طہران۔ انہوں نے 869 ہجری میں وفات پائی۔ بلتستان میں نور بخشی کہلانے والے مسلمان ان ہی کے معتقد ہیں۔

میر شمس الدین عراقی:

پہلی مرتبہ 1484ء میں سلطان حسین مرزا گورنر خراسان کے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آئے۔ وہ اثنا عشری عقیدہ کے پیروکار تھے۔ انہوں نے یہاں 8 سال تک قیام کیا اور مذہب امامیہ کی تبلیغ شروع کر دی۔ انہوں نے 5 سال سکردو میں رہ کر بھی تبلیغ کا کام کیا۔ 908 ہجری میں کشمیر واپس چلے گئے۔ (8)

گزشتہ صفحات میں کشمیر میں تبلیغ اسلام کا جو خلاصہ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جموں کشمیر میں اشاعت اسلام کا آغاز 14ویں صدی عیسوی میں ہوا اور تھوڑے ہی

عرصہ میں ریاست کے طول وعرض میں کشمیری عوام کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہوگئی۔ اشاعت اسلام کا یہ فریضہ وسط ایشیا کے علماء، صوفیا اور اولیائے کرام نے سرانجام دیا۔ ان میں سے ایک بھی مبلغ جنوبی ایشیا (موجود پاکستان وبھارت) سے نہیں آیا تھا۔ یورپی مؤرخ سرارل سٹائن کے مطابق:

''کشمیر میں اسلام حملہ آوروں کے زور اور زبردستی سے نہیں بلکہ مرحلہ وار تبلیغ کے نتیجہ میں پھیلا۔''(9)

نامور مؤرخ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں:

''یہ وہ ملک ہے جس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ اس کو مسلمان بادشاہوں کی تلواروں اور تدبیروں نے نہیں بلکہ مسلمان عالموں اور درویشوں کی تاثیروں نے فتح کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کی چٹانوں سے سر ٹکرایا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ سلطان کی وفات کے تین سال بعد 924 ہجری میں اس کے بیٹے مسعود نے بھی کشمیر پر حملہ کیا لیکن ناکام رہا۔(10)

میر سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان):

سلطان شہاب الدین کی وفات کے بعد اس کا بھائی قطب الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اس نے 1373ء سے 1389ء تک حکومت کی۔ قطب الدین پورہ اسی کی یادگار ہے۔ اس کے دور کا اہم ترین واقعہ میر سید علی ہمدانی کی کشمیر میں آمد ہے۔ میر سید علی ہمدانی جنھیں عرف عام میں شاہ ہمدان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، چودھویں صدی کے ایک نامور مسلم سکالر تھے۔ وہ 22 اکتوبر 1314ء کو ہمدان کے ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد ہمدان کے گورنر تھے۔ سید علی نے حصول تعلیم کے لئے دنیا کی وسیع سیاحت کی۔ عالم اسلام میں ان کی سیاحت کا اہم ترین واقعہ ان کا وُرودِ کشمیر ہے۔ کیونکہ اس کے بہت دُوررَس نتائج برآمد ہوئے۔ سید علی پہلی بار ستمبر 1372ء میں کشمیر آئے اور چار ماہ قیام کے بعد یہاں سے سیدھے ادائیگی حج کے لئے مکہ چلے گئے۔ دوسری بار وہ 1383ء میں آئے اور ایک سال رہ کر واپس ترکستان چلے گئے۔ سید علی کا تیسرا دورۂ کشمیر تیمور کے تسخیر عراق کے نتیجہ میں عمل میں آیا۔ تیمور علوی سیدوں کا جانی دشمن ہو گیا تھا اور اس نے ان کا خاتمہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا کیونکہ ان کا وہاں کے سیاسی معاملات میں

بہت اثر ورسوخ تھا جسے تیمور نے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا تھا۔ سید علی سات سو معروف سیدوں کو ساتھ لے کر کشمیر آ گئے۔ جہاں سلطان قطب الدین نے خندہ پیشانی سے انہیں خوش آمدید کیا۔ سید علی نے علاؤ الدین پورہ میں رہائش اختیار کی۔ بادشاہ روزانہ ان کے ہاں حاضری دینے لگا۔

اس زمانے میں کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ معاشرہ بھی ملی جلی نوعیت کا تھا۔ ایک بار ملک میں قحط پڑا تو سلطان نے ردِ بلا کیلئے یگیہ کی رسم ادا کی۔ سلطان نے دو سگی بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ سید علی نے سلطان کو سمجھایا کہ یہ بات اخلاقی اور شرعی طور پر معیوب ہے۔ چنانچہ سید کے کہنے پر سلطان نے ان میں سے بڑی بہن کو طلاق دے دی اور چھوٹی سورہ رانی کو اپنے عقد میں رہنے دیا۔ یہی رانی بعد میں اس کے دو بیٹوں کی ماں بنی، جن کا نام سکندر اور ہیبت تھا۔

ایک سال بعد سید علی پکھلی کے راستے کشمیر سے روانہ ہوئے۔ جب وہ کافرستان کے قریب کُنار کے مقام پر پہنچے تو علیل ہو گئے۔ آخر 19 جنوری 1385ء کو انھوں نے انتقال کیا۔ انہیں ختلان کے مقام پر سپرد خاک کیا گیا۔

سید علی ہمدانی عربی اور فارسی کے جید عالم تھے۔ انہوں نے علم منطق، فلسفہ، سیاسیات، اخلاقیات، تصوف اور فقہ پر ایک سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی کتابوں میں ذخیرۃ الملوک، فی علم القیافہ، چہل اسرار، سیرۃ الطالبین، منازل السالکین اور اورادِ فتحیہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ سید علی کشمیری مسلمانوں کے دونوں فرقوں شیعہ اور سُنی میں یکساں مقبول و ہردلعزیز تھے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ عالم نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب "مجالس المومنین" میں سید علی کو شیعہ علما میں شامل کیا ہے۔ لیکن پروفیسر محبّ الحسن لکھتے ہیں کہ اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کی سید علی ہمدانی شافعی مسلک کے سنی مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ذخیرۃ الملوک میں بار بار عائشہ صدیقہؓ کے حوالے دیئے ہیں۔ وہ چاروں خلفائے راشدین کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت علیؓ سے وہ بہت متاثر تھے۔ اپنی کتاب القیافہ انہوں نے حضرت علیؓ کے فضائل کے بیان میں لکھی ہے۔ (11)

حضرت میر سید علی ہمدانی نے کشمیری عوام میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ سچائی، محبت، بھائی چارے کے اقدار کے لئے بہت کام کیا۔ انہوں نے اخلاقی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ یہاں کی معاشی اور سماجی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایرانی علماء کے ساتھ ساتھ ہنر مندوں کا ایک گروہ بھی لائے تھے۔ جنہوں نے اہل کشمیر کو مختلف دستکاریوں مثلاً پشمینہ سازی، قالین بافی، شالبافی، چکن دوزی، پیپر ماشی، جالکدوزی، سوزن کاری، خطاطی، چاندی اور تانبے

کی ظروف سازی وغیرہ کی تربیت دی اور کشمیریوں نے آنے والے دنوں میں ان فنون میں بہت شہرت پائی۔(12)

سید علی ہمدانی نے کشمیر کے علاوہ ایشیا کے کئی دوسرے ممالک روس، افغانستان وغیرہ میں بھی تہذیبی انقلاب لایا۔ چنانچہ انہیں ان تمام علاقوں میں پانچ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

یہاں اس حقیقت سے پردہ اٹھانا نامناسب نہ ہوگا کہ جنوبی ایشیاء (برصغیر پاک وہند) میں اسلام کا ورود پہلی صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں عمل میں آیا تھا۔ محمد بن قاسم نے 97 ہجری یعنی 711ء میں سندھ کو فتح کر کے یہاں عربوں کی حکمرانی کی بنیاد رکھی جو کہ ڈیڑھ سو سال تک قائم رہی۔ اس کے ساتھ سندھ اور پنجاب سے لے کر مشرق میں بنگال تک اسلام پھیلتا چلا گیا اور مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ پوری چھ صدیوں تک کسی مسلمان حکمران، مبلغ یا عالم کو تبلیغ اسلام کیلئے کشمیر کا رخ کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ اسکے برعکس، جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، کشورِ کشمیر میں اسلام کا نور پھیلانے کا شرف شمال مغرب میں ترکستان کے علاقوں اور ایران کے رہنے والے علماء اور مبلغین کو چودھویں صدی عیسوی میں حاصل ہوا۔

1320ء میں خوارزم از بکستان سے سید شرف الدین بلبل شاہ تشریف لائے۔

1323ء میں بخارا سے حضرت جلال الدین بخاری کشمیر پہنچے۔

1355ء میں سمنانی برادران تشریف اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

1372ء میں حضرت سید علی ہمدانی پہلی بار، 1379ء میں دوسری بار اور 1383ء میں آئے۔

1394ء میں سید میر محمد ہمدانی 300 علماء کو لے کر کشمیر پہنچے۔

1448ء کے لگ بھگ سید محمد نور بخش نے یہاں پہنچ کر تبلیغ کا کام کیا۔

1484ء میں سید شمس الدین عراقی کشمیر آئے اور امامیہ مکتب کی تبلیغ کی۔

چنانچہ کشمیر میں اشاعت اسلام کا سارا کام ایران اور ترکستان کے انہی بزرگان دین کے ہاتھوں ہوا جس کا اعتراف تاریخ کے نامور ماہرین پنڈت پریم ناتھ بزاز، سرارل سٹائن، رشید اختر ندوی اور دیگر مؤرخین نے کیا۔ آج کے دور میں جنوبی ایشیاء کے جو عناصر کشمیر کی مسلمان اکثریت کی بناء پر اپنا حق جتاتے ہیں اسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

حوالہ جات:

1. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر	صفحہ 49
2. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر	صفحہ 50
3. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس اِن کشمیر	صفحہ 50
4. سلیم خان گمی	کشمیر میں اشاعت اسلام	صفحہ 45
5. ڈاکٹر صابر آفاقی	جلوۂ کشمیر	صفحہ 101
6. ڈاکٹر صابر آفاقی	جلوۂ کشمیر	صفحہ 104
7. ڈاکٹر صابر آفاقی	جلوۂ کشمیر	صفحہ 106
8. ڈاکٹر صابر آفاقی	جلوۂ کشمیر	صفحہ 107
9. رسول پونپر	دولرِک مولر (کشمیری)	صفحہ 88
10. سید سلیمان ندوی	عرب اور ہند کے تعلقات	صفحہ 341
11. محب الحسن	کشمیر انڈر دی سلطانز	صفحہ 58
12. ویلفیئر ٹرسٹ سری نگر	شاہ ہمدان	صفحہ 14

کشمیر میں مسلم حکمرانی کا آغاز

اگر چہ کشمیر میں مسلم حکمرانی کا آغاز 1325ء میں رنچن شاہ سلطان صدر الدین نے کیا تھا لیکن چونکہ اس کی وفات کے بعد راجہ اودیان دیو (سابق حکمران سہد یو کے بھائی) نے دوبارہ کشمیر کا اقتدار سنبھالا جو کہ 1343ء تک جاری رہا، اس لئے حقیقت میں مسلم حکمرانی کے دور کا آغاز 1343ء سے ہی تصور کیا جائے گا جب سلطان شمس الدین شاہ میر نے کشمیر کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد شاہ میری خاندان 1554ء تک 211 سال حکمران رہا۔ جس کے دوران اس خاندان کے 20 سلاطین نے یکے بعد دیگرے انتظام سلطنت سنبھالا۔ ان میں سے سلطان محمد شاہ نے پانچ مرتبہ اور سلطان فتح شاہ نے تین مرتبہ حکومت سنبھالی۔ شاہ میری خاندان کے بعد حکومت چک خاندان کو منتقل ہو گئی اور 1554ء سے 1586ء تک 32 سال چک حکمران برسر اقتدار رہے۔ جن میں سے یوسف شاہ چک نے دوبار تخت سنبھالا۔ آخر 1586ء میں دہلی کے مغل شہنشاہ نصف صدی کی مسلسل کوششوں کے بعد کشمیر پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر چہ اس دوران کئی بار انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

اس پر ہم بعد میں بات کریں گے فی الحال ہم شاہ میری اور چک خاندانوں کی 243 سالہ حکمرانی کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے۔ ذیل میں ہم ان دونوں خاندانوں کی حکمرانی کا ایک گوشوارہ پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس طویل دور کے چیدہ چیدہ اہم اور تاریخی حقائق پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

نوٹ: سلطان شمس الدین (1343ء) سے سلطان حبیب شاہ (1554ء) تک 211 سال شاہمیری خاندان کی حکمرانی رہی اور غازی خان چک (1554ء) سے یعقوب شاہ چک (1586ء) تک 32 سال چک خاندان حکمران رہا۔ 1586ء میں مغل حکمرانوں نے نصف صدی کی کوششوں کے بعد کشمیر کو تسخیر کر کے مغل ایمپائر کا حصہ بنالیا اور کشمیری عوام غلامی کے ایک طویل دور میں مبتلا ہو گئے جو اب تک جاری ہے۔

کشمیر کے مسلم سلاطین اور بادشاہوں کی تفصیل

نمبر	نام حکمران	مدت حکمرانی از	تا	مدت	صفحہ نمبر
1	سلطان صدر الدین۔ رینچن شاہ	1325ء	1327ء	2سال 7ماہ	304
2	سلطان شمس الدین	1343ء	1347ء	3سال 5ماہ	314
3	سلطان جمشید	1347ء	1348ء	1سال 2ماہ	315
4	سلطان علاوالدین	1348ء	1360ء	12سال 2ماہ	317
5	سلطان شہاب الدین	1360ء	1378ء	19سال 3ماہ	318
6	سلطان قطب الدین	1378ء	1394ء	16سال	324
7	سلطان سکندر بت شکن	1394ء	1417ء	24سال	328
8	سلطان علی شاہ	1417ء	1423ء	5سال 9ماہ	336
9	سلطان زین العابدین بڈشاہ	1423ء	1474ء	51سال 2ماہ	339
10	سلطان حیدر شاہ	1474ء	1475ء	1سال 2ماہ	373
11	سلطان حسن شاہ	1475ء	1487ء	12سال 8ماہ	376
12	سلطان محمد شاہ	1487ء	1490ء	2سال 7ماہ	381
13	سلطان فتح شاہ	1490ء	1493ء	2سال 11ماہ	387
14	سلطان محمد شاہ (بار دوئم)	1493ء	1501ء	8سال 9ماہ	389
15	سلطان فتح شاہ (بار دوئم)	1501ء	1514ء	15سال 8ماہ	392
16	سلطان محمد شاہ (بار سوئم)	1514ء	----	5ماہ	398
17	سلطان فتح شاہ (بار سوئم)	1514ء	1517ء	3سال 4ماہ	399
18	سلطان محمد شاہ (بار چہارم)	1517ء	1527ء	10سال 8ماہ	401
19	سلطان ابراہیم	1527ء	1529ء	1سال 11ماہ	405
20	سلطان محمد شاہ (بار پنجم)	1529ء	1537ء	7سال 9ماہ	405
21	سلطان شمس الدین	1537ء	1538ء	1سال	413

کشمیر کے مسلم سلاطین اور بادشاہوں کی تفصیل

نمبر	نام حکمران	مدت حکمرانی		مدت	صفحہ نمبر
		از	تا		
22	سلطان اسمٰعیل شاہ	1538ء	1540ء	1سال6ماہ	413
23	سلطان ابراہیم شاہ ثانی	1540ء	----	4ماہ	415
24	سلطان نازک شاہ	1540ء	1551ء	10سال6ماہ	417
25	سلطان اسمٰعیل شاہ ثانی	1551ء	1553ء	3سال	432
26	سلطان حبیب شاہ	1553ء	1554ء	11ماہ	434
27	سلطان غازی خان چک	1554ء	1563ء	8سال10ماہ	441
28	سلطان حسین خان چک	1563ء	1570ء	6سال9ماہ	447
29	سلطان علی شاہ چک	1570ء	1579ء	8سال8ماہ	455
30	سلطان یوسف شاہ چک	1579ء	1580ء	1سال1ماہ	462
31	سلطان سید مبارک بیہقی	1580ء	----	6ماہ	466
32	سلطان لوہر شاہ چک	1580ء	1581ء	1سال1ماہ	469
33	سلطان یوسف شاہ چک (باردوئم)	1581ء	1585ء	3سال10ماہ	475
34	سلطان یعقوب شاہ چک	1585ء	1586ء	1سال1ماہ	483

(الف) شاہمیری خاندان کا دوسو سالہ دورِ حکومت

سلطان شمس الدین شاہ میری:

1339ء میں مسلم حکمرانی کے آغاز کو مؤرخین نے تاریخ کشمیر کا ایک اہم موڑ قرار دیا ہے۔ پریم ناتھ بزاز نے اسے آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کی فتح کا نام دیا ہے۔ تمام مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام کشمیر میں کسی فاتح کی فوجی مہم کے نتیجے میں یا جبراً نہیں پھیلا بلکہ شاہ میر جیسے عادل، وسیع القلب اور نرم دل حکمران اور میر سید علی ہمدانی اور انکے سینکڑوں رفقائے کار کی تبلیغ، انسان دوستی اور دیانت وشرافت نے ظلم وستم کے پنجوں میں جکڑے ہوئے کشمیریوں کو متاثر

کیا اور وہ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے چلے گئے۔ شاہ میر سے قبل کے راجاؤں کی بد کرداریوں اور انکے ظلم و جبر نے عوام الناس کو گونا گوں مصائب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ بھوک، ننگ اور افلاس کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ قحط کے مارے بھوک سے ہلاک ہو رہے تھے۔ ایسے میں شاہ میر کا حکومت سنبھالنا عوام کیلئے رحمت خداوندی سے کم نہ تھا۔ بقول مؤرخ زونراج:

''اس نے حکومت سنبھالتے ہی پہلی توجہ عوام کے مصائب کی طرف دی اور انکی حالت بدلی۔''

پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

''کشمیر میں اسلام کا ظہور ایک رحمت بن کر آیا اور سیاسی، ذہنی اور روحانی طور پر ایک انقلاب برپا ہو گیا جس نے پستی میں گرے ہوئے کشمیری عوام کے ذہنوں کو بدل کر رکھ دیا۔ زندگی کے ساتھ ان کا رویہ ہی بدل کر رہ گیا اور وہ خود کو دوبارہ انسانوں میں شمار کرنے لگے۔۔۔ اگر چودھویں صدی میں کشمیریوں نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا تو نہ معلوم ان کا حشر کیا ہوتا۔ شاید وہ بالکل نیست و نابود ہو گئے ہوتے۔ اس انقلاب کے ساتھ دراصل کشمیریوں نے نیا جنم لیا اور انکی وہ صلاحیتیں دوبارہ بیدار ہو گئیں جو نااہل اور ظالم راجاؤں کے ظلم اور جبر کی وجہ سے زائل ہو چکی تھیں۔ کشمیری قوم نے نئے دور کا استقبال نہایت ذوق و شوق سے کیا اور ایک نئی تہذیب سے ان کا رابطہ اس طرح بڑھا کہ علوم و فنون، صنعت، دستکاری غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں انہوں نے جوہر دکھانا شروع کر دیے۔ اسلام نے کشمیر کی مردہ روح کو نئی زندگی بخشی۔''(1)

جگ موہن نے اسلام کے ورود کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''مسلم حکمرانی کا آغاز کشمیر کیلئے نہایت مبارک اور حوصلہ افزاء ثابت ہوا۔ شاہ میر کا دورِ حکومت اگرچہ بہت مختصر تھا (1339ء سے 1342ء) تاہم اسکی آمد نے کشمیر کے گھائل وجود پر ایک تسکین بخش مرہم کا کام دیا۔ سلطان نے عوام سے ایک ہمدردانہ، منصفانہ اور روشن خیالی پر مبنی حکمت عملی

[نقشہ نمبر 7]

14ویں صدی کا آغاز

1318ء

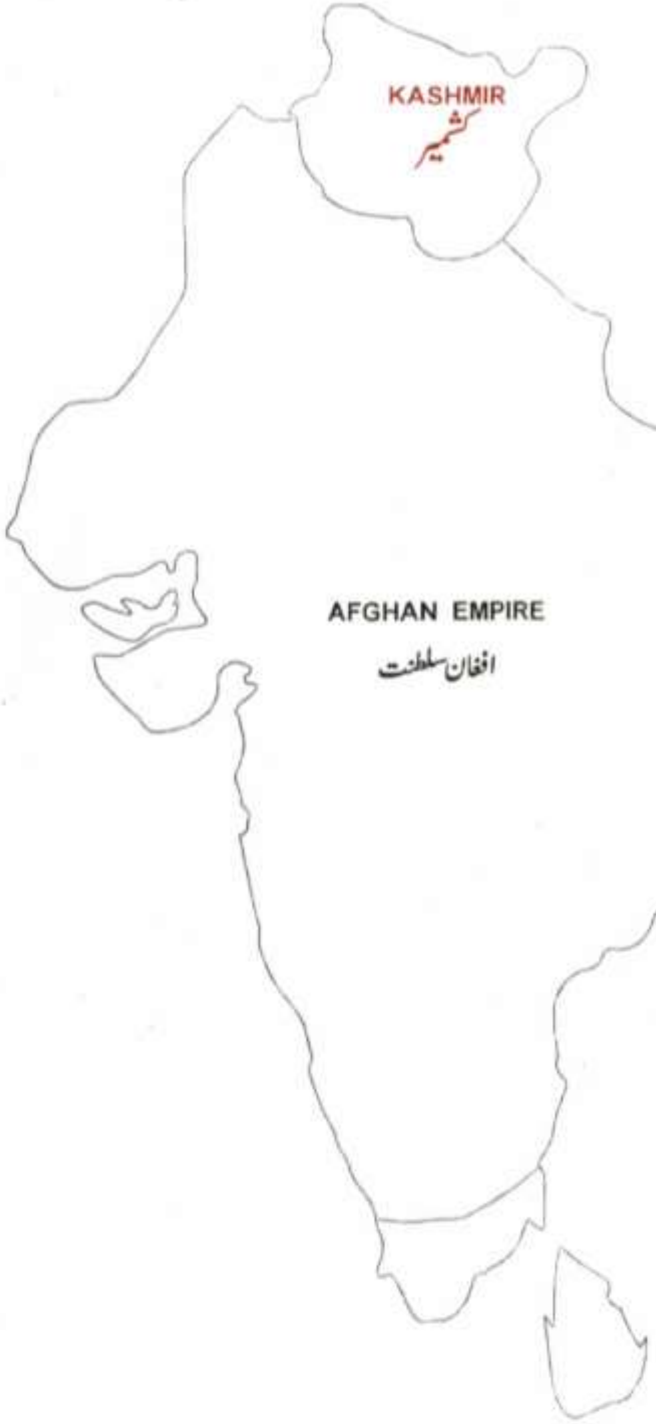

1318ء کے لگ بھگ سارا جنوبی ایشیاء کسی نہ کسی طور پر افغانوں یا پٹھانوں کے زیرنگیں آ گیا تھا۔ خاندان غلاماں کی مملکت نے خلجیوں کیلئے جگہ خالی کر دی تھی۔ جلال الدین اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے 1290ء سے 1295ء تک حکمرانی کی۔ اسکے بھتیجے علاؤالدین نے 1294ء میں دکن فتح کیا اور دیوگڑھ کے یادو راجہ رامچند رکو ایلیچ پور خالی کرنے پر مجبور کیا۔ 1297ء میں اس نے انہلواڑہ گجرات کو تسخیر کیا۔ اس دوران علاؤالدین نے کاٹھیاواڑ کے مشرقی حصے سومناتھ اور سوراناتھ کو زیرنگیں کیا۔ 1303ء میں چتوڑ کو شدید مقابلہ کرنے کے بعد زیرنگیں کر لیا گیا۔ 1309ء کے بعد علاؤالدین کے جرنیل ملک کافور نے دکن کی تسخیر کی مہم کا آغاز کیا۔ 1309ء میں ہی دارنگل کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔ 1312ء میں ملک کافور نے راجہ یادو کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور مہاراشٹر و کرناٹک کے حکمرانوں کو خراج دینے پر مجبور کر دیا۔ 1318ء میں خلجی خاندان کے آخری بادشاہ مبارک خلجی کے نومسلم جرنیل خسرو خان نے مالابار فتح کر لیا۔ اس طرح جنوبی ہند پر افغانوں کا مکمل تسلط قائم ہو گیا۔

لیکن کشمیر اپنی آزاد و خود مختار حیثیت قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ نقشہ اور تفصیل ملاحظہ ہو:

14ویں صدی کے آغاز میں، 1325ء میں کشمیر میں اسلامی دور کا آغاز ہو گیا۔ اس سے پہلے کشمیر پر لداخ کے شاہ رینچن کی حکمرانی تھی اور کشمیر ایک آزاد ملک تھا۔ شاہ رینچن نے مسلمان ہو کر سلطان صدرالدین کا لقب اختیار کیا۔

1339ء میں شمس الدین کے بڑے بیٹے جمشید نے اقتدار سنبھالا۔

1343ء میں علی شیر نے سلطان علاؤالدین کے نام سے حکمرانی کا آغاز کیا اور 1354ء تک حکمرانی کرتا رہا۔ علاؤالدین پورہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

1354ء میں کشمیر کا عظیم المرتبت بادشاہ شہاب الدین تخت پر بیٹھا اور 1373ء تک حکومت کرتا رہا۔ اسکے دور میں شمال، مغرب اور جنوب میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ نقشہ ملاحظہ ہو:

علامہ اقبال نے اسے ان الفاظ میں خراج پیش کیا:

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد
خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد

1373ء میں سلطان قطب الدین تخت پر بیٹھا اور 1389ء تک برسر اقتدار رہا۔

سلطان سکندر نے 1389ء 1413ء تک حکومت کی۔

اختیار کی۔ اس نے محصولات میں کمی کی۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں سے
ایک جیسا سلوک کرتا تھا۔"(2)

شاہ میر نے 1339ء میں سلطان شمس الدین شاہ میری کے نام سے تخت سنبھالا۔ اسکے بعد وہ صرف تین سال زندہ رہا اور 1342ء میں اس نے 80 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسکے دور حکومت میں چک اور ماگرے، دو کشمیری خاندانوں نے بہت عروج حاصل کیا اور آگے چل کر تاریخ کشمیر میں اہم رول ادا کیا۔ سلطان شمس الدین نے نیا کشمیری کیلنڈر رائج کیا جو شاہ رینچن کے قبول اسلام سے شروع ہوتا تھا (1320ء)۔ یہ کیلنڈر سلاطین کشمیر کے آخری عہد (1586ء) تک جاری رہا۔ جب مغل شہنشاہ اکبر نے کشمیر کو تسخیر کر کے اپنا سن جلوس رائج کیا۔ کشمیری کیلنڈر کے مہینوں کے نام حسب ذیل تھے:(3)

1. وہیک	(بیساکھ)	2. زیٹھ	(جیٹھ)
3. ہار	(ہاڑ)	4. شراوُن	(ساون)
5. بادر	(بھادوں)	6. آشد	(اسوج)
7. کارتک	(کتک)	8. مونجھور	(مگھر)
9. پوہ	(پوہ)	10. ماگھ	(ماگھ)
11. پھاگن	(پھاگن)	12. ژتھر	(چیت)

سلطان شہاب الدین:

سلطان شہاب الدین 1354ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس دوران اندرونی طور پر ملک میں کافی استحکام آچکا تھا۔ لوگوں میں خوشحالی اور فارغ البالی آگئی تھی اور وہ اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ سلطان کو اپنی مملکت کو وسعت دینے کا خیال آیا۔ اس نے اپنے دو معتمد ہندو فوجی کمانڈروں، چندر ڈافر اور لولہ ڈافر کی زیر نگرانی ایک بہت بڑی فوج منظم کی۔ اس نے بلتستان، لداخ، کشتواڑ اور جموں سمیت سارے ملک کا نظم ونسق استوار کرنے کے بعد ریاست کی حدود سے باہر قدم نکالا۔ پونچھ راجوری اور اوڑی کے علاقوں سے پچاس ہزار پیادہ اور پچاس ہزار سواروں پر مبنی فوج تیار کر کے پنجاب اور سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور یہاں کے مقامی حکمرانوں کو شکست دے کر اپنی حکومت کی سرحدیں سرہند تک بڑھا دیں۔ مغرب میں پُرش پور (پشاور) کو فتح کرنے

کے بعد اس نے شمال کا رُخ کیا اور کابل، کاشغر اور بدخشاں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ (4)

للتادت کی طرح شہاب الدین کو فتوحات کا بہت شوق تھا۔ زونراج لکھتا ہے:

''آہو چشم حسینائیں اسکے دل کو متاثر نہیں کرتی تھیں۔ نہ ہی شب ماہتاب کی ٹھنڈک یا مشروب کی مستی سے اسے کوئی دلچسپی تھی اسے تو صرف پیش قدمی کرتی ہوئی فوجوں کے قدموں کی آواز بھاتی تھی۔ اسے نہ سردی گرمی کی پرواتھی نہ بھوک پیاس کی۔ وہ پُرعزم بادشاہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتا تو پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں کو عبور کرنے میں حائل مشکلات خود بخود دور ہوتی جاتیں اور فتوحات اس کے قدم چومتیں۔'' (5)

صوفی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''کشیر'' میں لکھتے ہیں کہ

''للتادت کے بعد کشمیر کی تاریخ میں یہ دوسرا بادشاہ تھا جس نے کشمیریوں کے فنِ حرب وضرب اور سپہگری کا لوہا منوایا۔''

ہندوستان میں ان دنوں فیروز تغلق کی حکومت تھی۔ شہاب الدین آگے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن فیروز تغلق کی فوجوں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے بہت زور مارا گیا لیکن جنگ فیصلہ کن نہ ہوسکی۔ آخر فیروز تغلق صلح پر آمادہ ہوگیا۔ دونوں میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رُو سے کشمیر سے سرہند تک کے علاقہ پر شہاب الدین کی حکومت تسلیم کی گئی جبکہ سرہند سے مشرق کے علاقہ پر فیروز تغلق کے اقتدار کو تسلیم کیا گیا۔ (6)

مؤرخ فوق نے لکھا ہے کہ

''صلح کے معاہدہ کے علاوہ فیروز شاہ تغلق کی تین بیٹیاں سلطان کے آدمیوں سے منسوب ہوئیں۔ ایک سلطان کے بیٹے حسن خان، دوسری اسکے بھائی قطب الدین اور تیسری اسکے سپہ سالار سید حسین بہادر سے منسوب ہوئی۔ (7)

شہاب الدین نے صرف فتوحات میں ہی کمال حاصل نہیں کیا بلکہ اندرونی طور پر اس نے کشمیر کے کلچر کو محفوظ کرنے اور اسے ترقی دینے میں بہت کام کیا۔ وہ علم ودانش کا بہت پرستار تھا اور تعمیرات سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے ایک ہندو خاتون لکشمی سے شادی کی تھی اور لکشمی نگر کے نام سے ایک قصبہ ہری پربت کے دامن میں آباد کیا تھا۔

اس نے شہاب الدین پورہ اور شاہ پور کے نام سے دو اور بستیاں آباد کیں جو اُب تک موجود ہیں۔ سلطان کے امراء اور وزراء میں سے بیشتر مشیر ہندو تھے، جن پر اسے کامل اعتماد تھا۔

علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں اس عظیم انسان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد

شہاب الدین اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ایک بار اسکے ایک وزیر اُودے شری نے مہاتما بدھ کے ایک مجسمے کو پگھلا کر سکے ڈھالنے کی تجویز پیش کی تو سلطان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے کہا:

"کچھ لوگوں نے دیوتاؤں کے مجسمے بنوا کر شہرت حاصل کی ہے۔ کچھ نے ان کی عبادت کر کے نام پایا ہے۔ کچھ لوگ ان مجسموں کو محفوظ رکھ کر مشہور ہوئے ہیں کیا ہم ان مجسموں کو تباہ کر کے تاریخ میں بدنامی چھوڑ جائیں؟"

سلطان اپنی رعایا کے تمام فرقوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز تھا اور تمام لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے اور اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ شہاب الدین 19 سال حکومت کرنے کے بعد 1373ء میں فوت ہو گیا۔

جگ موہن نے شہاب الدین کے دورِ حکومت کو شاندار خراج پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

In fact his rule has been called from the political and military point of view, as the most glorious epoch in the history of Muslim Sultanate in Kashmir.

"حقیقتاً کشمیر میں مسلم سلطنت کی تاریخ میں سیاسی اور عسکری نکتہ نظر سے اس کی حکمرانی کو شاندار ترین دور قرار دیا جاتا ہے۔" (9)

سلطان سکندر "بُت شکن":

شہاب الدین کی وفات کے ساتھ ہی کشمیر کی ترقی وکمال کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ چند سال تو خیریت سے گزرے لیکن شہاب الدین کے جانشین سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد ایک ایسا شخص کشمیر کے تخت کا وارث قرار پایا جس نے اپنے آباؤاجداد کی سیرت اور نیک نامی کو

خاک میں ملادیا اس نے کشمیر کی تہذیب و روایات کو داغدار کیا اور اسلام کے مقدس نام کو بٹہ لگایا۔ اس کا نام سکندر تھا۔ تاریخ میں وہ ''سکندر بُت شکن'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

تخت نشینی کے وقت اسکی عمر صرف چھ سال تھی، اسکے بالغ ہونے تک تو خلقِ خدا اسکے ظلم و ستم سے محفوظ رہی کیونکہ اس وقت تک ملک کا انتظام اسکی ماں حورا بیگم اور وزراء کی کونسل کے ہاتھ میں رہا۔ لیکن بالغ ہونے پر اختیارات سنبھالتے ہی اس نے غیر مسلم رعایا کا عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ ایک مذہبی جنونی تھا اور اسلام پھیلانے کا جنون اسکے سر پر سوار تھا۔ اس نے غیر مسلموں پر جزیہ لگایا اور طرح طرح سے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ معمولی بہانوں سے وہ انہیں جیلوں میں ڈال دیتا اور ان پر تشدد کرواتا۔ (10)

غیر مسلموں کو عبادت گاہوں کے علاوہ گھروں میں بھی عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے مندروں کو لوٹا، ان میں رکھے ہوئے مجسمے پاش پاش کر دیے اور انکی عمارات گرا کر زمین بوس کر دیں۔ زونراج لکھتا ہے:

''کوئی شہر، کوئی قصبہ، کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جہاں مندر مسمار نہ کرائے گئے ہوں۔''

سکندر نے سنسکرت زبان کی کئی کتابیں جلا کر راکھ کر ڈالیں۔ چنانچہ اہل علم و دانش ملک سے بھاگ کر ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ بہت سے ستم رسیدہ ہندوؤں کو انکے مسلمان دوستوں اور ہم وطنوں نے پناہ دی۔ کیونکہ مسلمان بھی سکندر کی ظالمانہ کارروائیوں کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بزاز نے سکندر کو کشمیر کی روشن اور تابناک تاریخ پر ایک بدنما دھبہ قرار دیا ہے۔ کشمیر کے تمام ہندو اور مسلمان مؤرخین نے سکندر کے طرزِ عمل کی مذمت کی ہے۔ (11)

صوفی نے لکھا ہے:

> ''یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ حضرت شاہ ہمدان کے فرزند میر سید محمد ہمدانی نے سکندر کے وزیر اعظم سہہ بٹ کو اس قسم کے ظالمانہ اقدامات پر سخت تنبیہ کی تھی اور قرآن حکیم کا حکم ''لا اکراہ فی الدین'' یاد دلاتے ہوئے کہا تھا کہ دین میں کوئی جبر یا زبردستی نہیں ہونی چاہیے۔'' (12)

سلطان سکندر کے ہی عہد میں تیمور 1398ء میں ایک طوفان کی طرح شمال مغرب کی طرف سے ہندوستان پر چھا گیا۔ اپریل 1398ء میں ثمرقند سے روانہ ہو کر دریائے سندھ کے اس مقام پر 20 ستمبر 1398ء کو پڑاؤ ڈالا جہاں جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خان کی یلغار سے بھاگ

[نقشہ نمبر 8]

14ویں صدی کے آخر کا جنوبی ایشیاء

1398ء

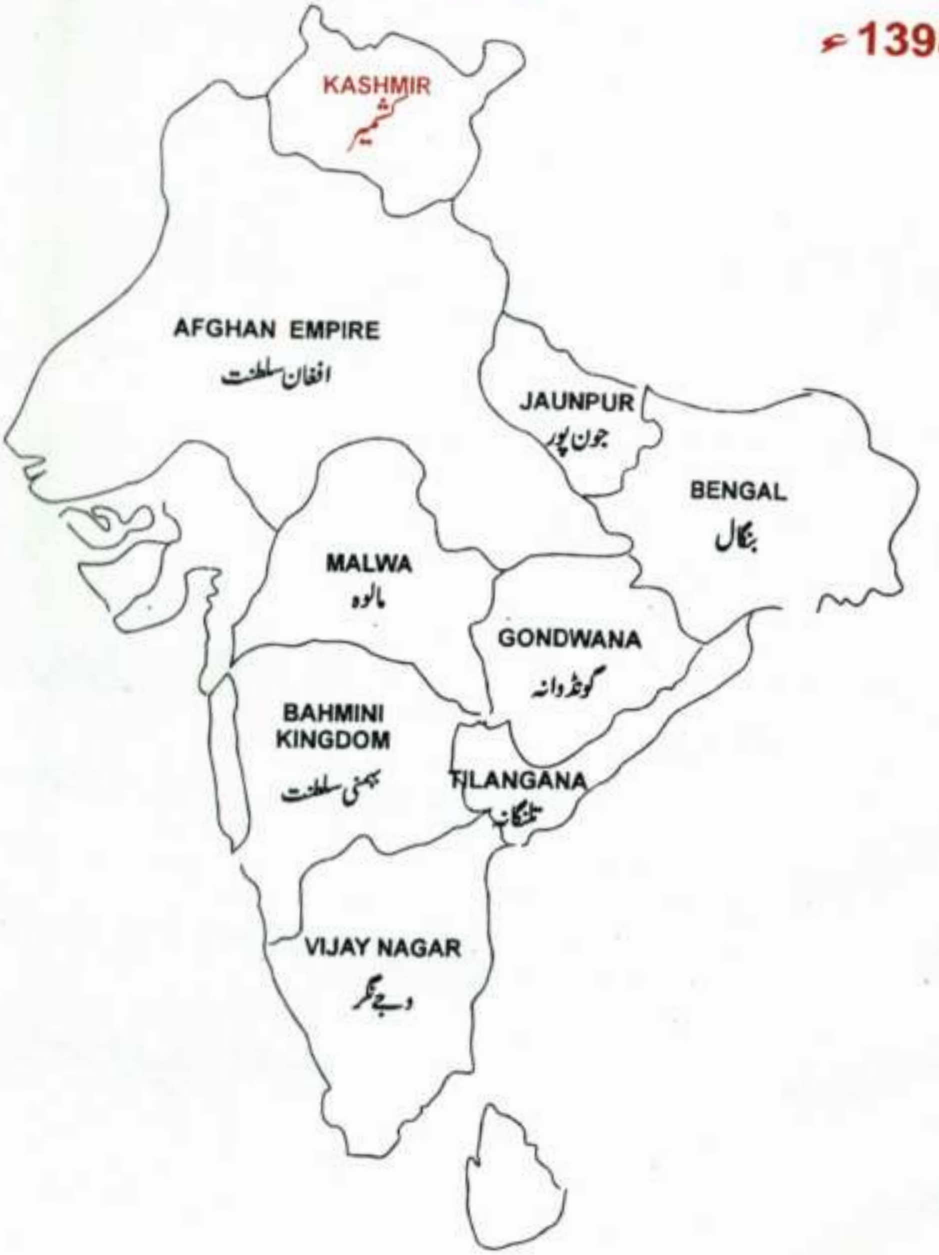

غیاث الدین تغلق نے 1320ء میں مغلوں کے خلاف سرحدوں کو استحکام دیا۔ اس نے وارنگل کو دوبارہ اپنی حکمرانی میں لایا۔ 1340ء میں بنگال اور تلنگانہ خودمختار ہو گئے۔ 1347ء میں دکن میں حسن بہمنی کی سربراہی میں بہمنی مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ 1394ء میں جونپور نے افغان بالادستی کا چوغا اتار پھینکا۔ گجرات بھی عملی طور پر 1394ء میں ہی آزاد ہو گیا۔ ان سب میں طاقتور ریاستیں وجے نگر اور بہمنی سلطنت تھیں۔ بہمنی سلطنت تلنگانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکے تخت پر 1397ء سے 1422ء تک فیروز شاہ بہمنی جلوہ افروز رہا۔

1344ء میں کچھ ہندو ریاستوں نے اتحاد قائم کیا۔ لیکن ان میں صرف تلنگانہ ہی خودمختار رہ سکا۔ وجے نگر میں ایک طاقتور ریاست وجود میں آ گئی۔ 1398ء میں گوا، دھروار اور ملحقہ اضلاع وجے نگر میں شامل ہو گئے۔ گجرات، مالوہ، خاندیش، جون پور اور بنگال افغانوں کے زیرِ تسلط رہے۔ سندھ پر سمیرا راجپوتوں کے جام خاندان کی حکمرانی تھی۔

اس ابتر صورتحال میں جب سارا جنوبی ایشیاء ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، تیمور لنگ مغل لشکروں کو ایک مضبوط فوج میں منظم کر کے ایک بلائے ناگہانی کی طرح وسط ایشیاء کی ریاستوں کو پامال کرتا ہوا فارس پر چڑھ دوڑا۔

اگست 1398ء میں تیمور نے کابل سے کوچ کیا اور دین کوٹ کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کر کے جہلم سے آگے بڑھتا ہوا دریائے ستلج تک جا پہنچا۔ جس جس گاؤں یا قصبہ سے وہ گزرتا رہا، بے بس عوام کے کشتوں کے پشتے لگاتا رہا۔ محمد تغلق دہلی چھوڑ کر گجرات بھاگ گیا۔ دہلی نے ہتھیار ڈال دیے تو تیمور نے شہنشاہ ہند ہونے کا اعلان کر دیا۔ دہلی کی لوٹ مار اور خلقِ خدا کا قتلِ عام کر کے تیمور میرٹھ کی طرف بڑھا۔ وہاں سے دریائے گنگا کو عبور کر کے شمال کی طرف بڑھ گیا اور پھر ہمالیہ کے دامن میں مغرب کی طرف بڑھتا ہوا جموں تک جا پہنچا۔ اور وہاں سے جنوب کی سمت روانہ ہو کر آخرکار جن راستوں سے وہ آیا تھا ان ہی راستوں سے اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے نشانات چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

کشمیر پر شاہمیری خاندان کی حکمرانی تھی۔ 1394ء میں شاہمیری خاندان کے چھٹے فرمانروا سلطان سکندر نے تخت سنبھالا اور 1417ء تک حکمرانی کرتا رہا۔

1398ء میں جب تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا، وہ ابھی دریائے اٹک تک ہی پہنچا تھا کہ سلطان سکندر نے اپنا ایلچی متابقت کیلئے بھیجا جواب میں امیر تیمور نے ایک ہاتھی تمغۂ شاہی اور خلعت گراں سلطان کیلئے بھیجا۔ اسکے بعد سلطان نے مولانا نورالدین کو بیشمار تحفے دے کر دوبارہ تیمور کے پاس بھیجا۔ تیمور نے بہ کمال خوشی و مسرت تحفے قبول کیے۔ اس طرح کشمیر تیموری یلغار اور تباہی و بربادی سے محفوظ رہا۔

کر خیمہ زن ہوا تھا۔ آس پاس کی ریاستوں کے سفیر تیمور کے حضور پیش ہو کر وفاداری کا نذرانہ پیش کرنے لگے۔ سکندر نے بھی کشمیر سے اپنا ایک ایلچی فاتح اعظم تیمور کے دربار میں بھیجا۔ تیمور نے سکندر کے ایلچی کے ذریعے فرمان بھیجا کہ وہ خود دیپالپور کے مقام پر آ کر تیمور سے ملاقات کرے۔

سکندر کشمیر سے روانہ ہوا۔ لیکن راستے میں اسے پیغام ملا کہ تیمور کے وزراء نے تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ طلائی سکے ڈھائی مثقال وزن کے طلب کیے ہیں۔ سکندر وہیں سے واپس سری نگر چلا گیا۔ تیمور محمود تغلق کو شکست دے کر دہلی پر قابض ہوا تو اس نے اپنے دو ایلچی فولاد بہادر اور زین الدین کو کشمیر بھیجا کہ معلوم کریں سکندر تیمور کے دربار میں کیوں حاضر نہیں ہوا تھا۔ دونوں ایلچی سری نگر سے بیش بہا تحائف اور سکندر کے نمائندہ مولینا نور الدین کو ساتھ لے کر واپس آئے۔ 24 فروری 1399ء کو نورالدین نے سکندر کا ایک مراسلہ تیمور کی خدمت میں پیش کیا اور سکندر کے دیپالپور نہ آنے کی وجوہات بھی بیان کیں۔ تیمور اپنے وزراء پر بہت ناراض ہوا کہ اتنی بڑی فرمائش سکندر کی استطاعت سے باہر تھی۔ اس نے زین الدین کو اس ہدایت کے ساتھ واپس بھیج دیا کہ سکندر وزراء کے مطالبات کو نظر انداز کرے اور 28 دن کے بعد دریائے سندھ کے کنارے ملاقات کیلئے آئے۔ سکندر سری نگر سے روانہ ہو کر ابھی بارہ مولہ ہی پہنچا تھا کہ اسے معلوم ہوا تیمور سندھ عبور کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ سری نگر واپس چلا گیا۔ (13)

اہل کشمیر کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان سکندر عین عنفوان شباب میں یعنی 30 سال کی عمر میں 1417ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اور اسکے جانشینوں میں سے قدرت نے ایک ایسا نابغۂ روزگار پیدا کیا جس نے نہ صرف اپنے حسنِ سلوک، رواداری اور پیار محبت سے دل فگار کشمیریوں کے زخموں پر مرہم رکھا بلکہ جنت نظیر کشمیر کو بھی ایک بار پھر بام عروج پر پہنچایا۔ سکندر کی وفات کے بعد پہلے تو اسکا بڑا بیٹا علی شاہ تخت پر بیٹھا۔ جس نے سات سال تک حکومت کی۔ اسکے بعد اُسکے بھائی شاہی خان نے سلطان زین العابدین کے نام سے عنان حکومت سنبھالی۔ کشمیر کے لوگ عقیدت و محبت سے آج تک اسے بڈشاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سلطان زین العابدین۔ بڈشاہ:

بڈشاہ اس سے قبل اپنے بڑے بھائی کے دورِ حکومت میں کشمیر کا وزیر اعظم رہ چکا تھا۔ زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ غیر مسلموں خاص کر ہندوؤں پر سکندر

نے جو ٹیکس لگائے تھے، سب کے سب منسوخ کر دیے۔ بڈ شاہ کے دربار کا مؤرخ ''سری ور'' لکھتا ہے کہ جب میرے والد فوت ہوئے تو میں نے بادشاہ کو بتایا کہ ہندوؤں سے میت کو نذرِ آتش کرنے کا ٹیکس بھی لیا جاتا ہے بادشاہ نے فوراً اس ٹیکس کی منسوخی کا حکم دیا۔ بڈ شاہ نے فرمان جاری کیا کہ ہندوؤں پر ان کا پرسنل لاء لاگو ہوگا۔ اس نے تمام گرفتار شدہ غیر مسلموں کی رہائی کا حکم دے دیا اور جو عالم اور دانشور ہندو ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے انہیں واپس بلا لیا گیا اور تمام لوگوں کو مذہبی آزادی دی گئی اور تمام فرقوں کے لوگ آزاد شہریوں کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ (14)

بڈ شاہ نے غیر مسلموں کے معاملات میں عدم مداخلت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے ملک کی غیر مسلم آبادی کے تالیف قلوب کیلئے وہ مندر دوبارہ تعمیر کرائے جنہیں سکندر نے مسمار کر کے کھنڈرات میں بدل دیا تھا۔ اس نے مارتنڈ اور امرناتھ کے مقام پر دو عظیم الشان مندر تعمیر کرائے۔ (15)

سنسکرت کی تعلیم کو ترقی دینے کیلئے پاٹھ شالائیں اور ودّیا شالائیں قائم کیں۔ ہندو طلباء کو بنارس اور دکن جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے وظیفے دیے جانے لگے۔ ہندو تعلیمی اداروں اور مندروں کو جاگیریں عطا کی گئیں۔ بڈ شاہ نے اپنی ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کے احترام میں گاؤکشی کو ممنوع قرار دیا۔ (16)

بڈ شاہ خود بھی سنسکرت کا عالم تھا۔ اس نے دور دراز سے کتابیں منگوا کر کشمیر میں تقسیم کرائیں۔ صوفی کے الفاظ میں ''بڈ شاہ کے دور نے کشمیر کے سابقہ شاندار اور ترقی یافتہ دور کی یادیں تازہ کر دیں''۔ دوسرے فرقوں سے رواداری، وسیع القلبی، کشادہ دلی اور بھائی چارے کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ بڈ شاہ ذاتی طور پر راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت میں بہت کام کیا۔ اس نے بیرونی ممالک سے عظیم المرتبت مسلمان فلاسفر، دینی علماء، قانون دان منگوا کر اعلیٰ اور اہم عہدوں پر فائز کیے۔ ایک کشمیری عالم مولانا کبیر کشمیری یہاں سے ہجرت کر کے ہرات چلے گئے تھے۔ بڈ شاہ نے انہیں واپس بلا کر شیخ الاسلام مقرر کیا۔ اس عہدے کے علاوہ مولانا کبیر دارالعلوم کے وائس چانسلر بھی تھے۔ بڈ شاہ نے قم سے سید حسین رجوی قمی کو کشمیر بلا کر تبلیغ اسلام کے ادارے کا سربراہ بنا دیا۔ اور زینہ گیر باغ میں اسکا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ ہندوستان سے ایک نامور سکالر قاضی جلال الدین کو بلا کر کشمیر کا چیف جسٹس مقرر کیا۔ ملا احمد کشمیری سے راج ترنگنی اور مہا بھارت کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ بڈ شاہ کے دربار میں حافظ بغدادی اور ملا پارسا جیسے شعراء بھی موجود تھے۔ بڈ شاہ کو شاعری، موسیقی اور مصوری سے بہت دلچسپی تھی۔

ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان بھائی چارہ اور ہم آہنگی کے جذبات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ بڈشاہ نے ملک کے نظم ونسق کی طرف توجہ دی۔ سابقہ قوانین میں پائی جانے والی خرابیاں دُور کیں۔ خالصتاً غیر مذہبی بنیادوں پر قوانین کا ضابطہ مرتب کر کے اسے تانبے کے پتوں پر کندہ کرایا اوران پتوں کو عدالتوں اور فروشگاہوں میں نصب کر دیا۔ دوران حکمرانی اس نے قوانین کی پابندی کو یقینی بنائے رکھا اور کسی قانونی خلاف ورزی میں بڑے سے بڑے اثر رسوخ رکھنے والے اشخاص کی بھی پروانہ کی۔ قید خانوں میں اصلاحات جاری کیں اور قیدیوں کی بہبود کے لئے انہیں ظروف سازی، کمبل بُننے، چٹائیاں بنانے اور دیگر دستکاریوں کی تربیت دینے کا بندوبست کیا۔

بڈشاہ نے ملک کی اقتصادی حالت کو سنبھالنے کیلئے گھریلو صنعتوں کو ترقی دی۔ جن میں شال بافی، قالین بافی، ظروف سازی اور چوبی دستکاریاں وغیرہ شامل ہیں۔ اس نے ہندوستان اور ایران سے ماہرین منگوا کر کشمیر میں کاغذ سازی، ریشم سازی، لکڑی پر کھدائی کا کام (وُڈ کاروِنگ) اور چاندی کے ظروف بنانے کے کام کو رواج دیا۔ (17)

اس نے تانبے کی کان دریافت کی اور لوگوں کو کان کنی پر لگایا۔ اس کے دور میں لداخ میں دریائے سندھ کی رَیت سے سونا نکالنے کا آغاز ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ ملک کی خوشحالی کا زیادہ تر دارومدار زراعت پر ہے۔ چنانچہ اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے آبپاشی کے متعدد منصوبوں پر کام شروع کیا۔

نہروں کی تعمیر کر کے زراعت کو ترقی دی۔ اس کی بنائی ہوئی ''زینہ گیر نہر'' اور '' شاہ کوہل'' آج تک ہزاروں ایکڑ اراضی کو سیراب کرتی ہیں۔ اس نے نہروں اور دریاؤں پر پُل تعمیر کیے تا کہ عوام کو آمدو رفت میں آسانی پیدا ہو۔ علاج معالجے کیلئے مردوں اور عورتوں کیلئے الگ الگ ہسپتال قائم کیے۔

سلطان زین العابدین کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ اس نے محل اور آبادیاں تعمیر کیں، مسجدیں بنوائیں۔ جھیل کے اندر ٹاپُو (جزیرے) بنوائے۔ نہریں، پُل، باغات، مندر اور خانقاہیں تعمیر کیں۔ ان تعمیرات میں سے اکثر اسکے اپنے نام سے منسوب ہیں۔ مثلاً زینہ کوٹ، زینہ گیر، زینہ کدل، زینہ لانک، زینہ مٹھ، زینہ پٹن، زینہ گام، زینہ گنڈ اور زینہ پور وغیرہ۔ محب الحسن لکھتے ہیں کہ

> ''زین العابدین کو ہمسایہ ممالک میں نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ خراسان کے تیموری حکمران مرزا ابوسعید (1452-60ء) نے بڈشاہ کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تو اسکے ساتھ عربی نسل کے گھوڑے

اور اونٹ تحفے میں بھیجے۔ بڈشاہ نے جواباً کشمیری شالیں، زعفران اور دیگر تحائف بھیجے۔ تیمور کے فرزند شاہ رخ نے جوعلوم وفنون کا بہت دلدادہ تھا بڈشاہ کو تحفے میں ہاتھی اور جواہرات بھیجے۔ بڈشاہ نے جوابی طور پر شکریہ کے ساتھ تحائف بھیجے لیکن ساتھ ہی لکھا کہ مجھے بہت مسرت ہوتی اگر آپ نے بجائے قیمتی پتھروں کے کتابیں اور مختلف علوم کے ماہرین بھیجے ہوتے۔ شاہ رُخ نے فوراً چھ سکالر اور متعدد نایاب کتابوں کے مسوّدات روانہ کیے۔''

بڈشاہ کے تعلقات مصر، گیلان اور مکہ کے حکمرانوں سے نہایت دوستانہ تھے اور وہ اسے تحائف بھیجتے رہتے تھے۔ والیٔ گوالیار ڈونگر سنگھ کو بعد میں معلوم ہوا کہ زین العابدین کو موسیقی سے خاص رغبت ہے۔ تو اس نے نہایت قیمتی کتابیں اس موضوع پر تحفے میں بھیجیں۔ گوالیار کے علاوہ بڈشاہ کے سندھ، بنگال، تبت، گجرات، کاٹھیاواڑ، مالوہ سے سفارتی تعلقات تھے۔ (18)

ملک کو اندرونی طور پر خوشحال اور مستحکم بنانے کے بعد اپنی حکمرانی کے آخری دور میں (1460-70ء) اسے اپنی مملکت کو توسیع دینے کا خیال آیا اور اس نے ریاست کی سرحدوں سے نکل کر پنجاب اور وادیٔ کلو و کانگڑہ کو فتح کیا۔ آخر کار 51 سال کی طویل حکمرانی کے بعد جمعہ 12 مئی 1470ء کو 70 سال کی عمر میں اس عظیم فرمانروا نے انتقال کیا۔ سری ور لکھتا ہے:

''اس روز کسی گھر میں کھانا نہیں پکا۔ کسی گھر سے دھواں بلند نہیں ہوا۔ تمام لوگ اسطرح غمزدہ اور دم بخود تھے جیسے انکے سانس رُک گئے ہوں۔ دارلحکومت سری نگر کی یہ حالت تھی کہ جیسے اس سے زندگی چھین لی گئی ہو۔'' (19)

ہماری صدی کے نامور مؤرخ پنڈت پریم ناتھ بزاز، زین العابدین بڈشاہ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''اگر دوسروں کے خیالات کا احترام، آزاد خیالی کی حوصلہ افزائی، علم و ادب کی ترقی، تمام مذاہب کا احترام، ہر شخص کے ساتھ ایک جیسا انصاف اور ستم رسیدہ لوگوں کی دادرسی، سرزمین کشمیر کے تہذیبی ورثہ کی منفرد خصوصیات ہیں تو سلطان زین العابدین بلاشبہ اس دور کا ایک ایسا نمائندہ حکمران تھا جس میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اس کی ذات میں کشمیر کی

تہذیب کی یہ تمام خصوصیات سموئی ہوئی تھیں۔ اس کے دور میں کشمیر نے ترقی وخوشحالی کا وہ عروج دیکھا ہے جو صدیوں سے ناپید ہو چکا تھا۔ بڈشاہ کشمیر کے تمام فرقوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز تھا۔ یہاں تک کہ بعض ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ وہ اصل میں "بڈ شاہ" (یعنی برہمن بادشاہ) ہے۔ وہ ایک اوتار ہے اور اس نے مسلمان بادشاہ کا روپ دھار رکھا ہے۔۔۔" (20)

جگ موہن لکھتے ہیں:

"زین العابدین کی موت پر یوں نظر آیا کہ اس کا تاج اپنی تمام چمک کھو بیٹھا ہے، زمین اور آسمان اداس ہو گئے ہیں۔ انصاف، سخاوت، علم، عظمت، شان وشوکت، امن اور رواداری سب رخصت ہو گئے ہیں۔" (21)

بڈشاہ کے دربار میں مسلمان علماء وفضلاء کے علاوہ جو غیر مسلم سکالر، مؤرخ اور فلاسفر وابستہ تھے ان میں پنڈت شیو بٹ (ماہر طب) پنڈت زونراج (تاریخ دان) پنڈت یودہ بٹ (عالم اور مترجم) پنڈت سدا شیو (ماہر نجوم) پنڈت گوپال کول (ماہر قانون) پنڈت مادھو کول (عالم اور قانون دان) پنڈت کشن کول (سنسکرت اور فارسی کا عالم) تلک اچاریہ (بدھ مت کا پیروکار عالم) پنڈت روپہ بٹ (ریاضی دان اور منجم) اور پنڈت شری بٹ وزیر اعظم شامل ہیں۔

اسکے دور میں جو کتابیں تصنیف یا ترجمہ ہوئیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

.1	زینہ ترنگنی	زونراج کی مستند تاریخ
.2	زینہ راج ترنگنی	سری ور کی مستند تاریخ
.3	زینہ پرکاش	اوتار بٹ (کشمیری زبان میں)
.4	شرح مہابھاشے	علم صرف پر کنشک کے زمانے کی کتاب
.5	ایشور شاتک	اوتار بٹ
.6	لوک پرکاش	سوم بٹ۔ علم موسیقی
.7	شری کنٹھ چرت	سنسکرت نظموں کا مجموعہ
.8	وقایع کشمیر	ملا احمد۔ فارسی زبان میں کشمیر کی تاریخ
.9	ترجمہ مہابھارت	ملا احمد، سوم بٹ

10. تاریخ کشمیر — ملا قادری
11. تاریخ کشمیر — قاضی حمید الدین
12. کفایہ منصوری — علم طب پر گراں بہا تصنیف
13. زینہ ولاس (کشمیری) — بڈشاہ کے اقوال

بڈشاہ کا دور حکومت درحقیقت تاریخ کشمیر کا ایک ایسا سنہرا دور تھا جسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

حاجی خان عرف حیدر شاہ:

زین العابدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حاجی خان حیدر شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ وہ ایک ظالم، نالائق اور کمینی فطرت کا آدمی تھا اور اپنے عظیم باپ کے ورثہ کو سنبھالنے کا بالکل اہل نہ تھا۔ ایک روز اس نے اپنے باپ کے تمام وزراء کو دربار میں طلب کیا اور سرِ دربار انکے سر قلم کرا دیے۔ انکا قصور یہ تھا کہ ایک بار حیدر شاہ نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان وزراء نے اسکا ساتھ دینے کی بجائے بڈشاہ کا ساتھ دیا تھا۔

حیدر شاہ پُورن نامی ایک حجام پر فریفتہ تھا۔ بادشاہ کی نوازشات سے پُورن ترقی کرتے کرتے اعلیٰ عہدوں تک پہنچا۔ وہ نہایت پست ذہنیت کا آدمی تھا۔ اس نے معمولی بہانوں سے مخالفین کو تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کو قتل کرنے کیلئے نت نئے بہانے تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے برہمنوں کو اکسایا کہ مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کر دیں۔ جب انہوں نے سر اٹھایا تو بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اس شورش کو دبانے کیلئے سختی سے کام لیا جائے۔ چنانچہ اسکے نتیجے میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ حتیٰ کہ کئی برہمن اپنی ذات، اپنا نام اور اپنا لباس تک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ (22)

حسن شاہ:

حیدر شاہ کے بعد اس کا بیٹا حسن شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے دادا کی فراخدلانہ حکمت عملی بحال کی۔ وہ ایک علم دوست آدمی تھا۔ اور موسیقی کا بہت شوق رکھتا تھا۔ لیکن کسی حد تک سہل پسند اور آرام طلب تھا۔ اسکی ملکہ ایک سید خاندان سے تعلق رکھتی تھی، جو غیر ملکی تھے۔ اپنی ملکہ کے اثر میں آکر بادشاہ سیدوں کی بے جا سرپرستی کرنے لگا۔ یہ سید کشمیریوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جلد ہی کشمیریوں میں بھی انکے خلاف نفرت پھیل گئی۔ چنانچہ محب الوطن کشمیریوں نے جیالال ٹھاکر،

[نقشہ نمبر 9]

15 ویں اور 16 ویں صدی کا جنوبی ایشیاء 1525ء

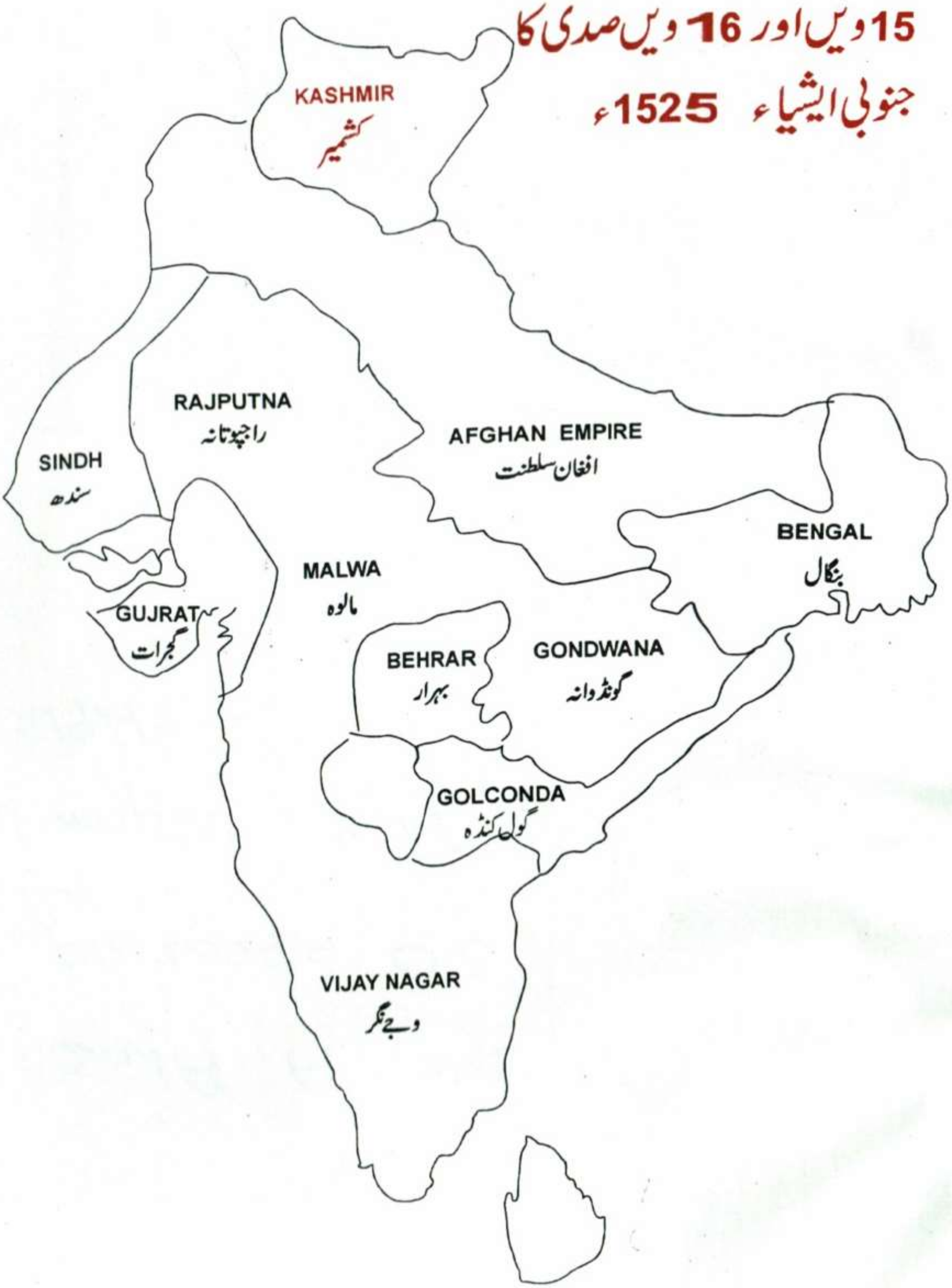

تیمور کی واپسی کے بعد نہ تو دہلی میں کوئی سلطنت باقی رہی تھی، نہ کوئی شہنشاہ تھا۔ 1414ء سے 1450ء تک سیدوں کے ایک خاندان نے وقتی طور پر اقتدار حاصل کیا۔ بہلول لودھی نے اپنی حکمرانی قائم کی جو 1450ء سے 1488ء تک قائم رہی۔ اس نے 1478ء میں اپنی سرحدوں کو بندھیل کھنڈ تک توسیع دے دی۔

ابراہیم لودھی نے (1517ء تا 1526ء) اپنے ساتھیوں کو اپنے بے جا غصہ اور تظلم سے مایوس کیا۔ سلطنت کے مشرقی حصے میں دریا خان لودھی نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا جبکہ مغرب میں گورنر لاہور دولت خان لودھی نے مرکز کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان حالات میں بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ راجپوت خاندان کے حکمرانوں نے اپنی اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور مارواڑ اور اجمیر کے طاقتور حکمران رانا سانگا کو اپنا لیڈر چن لیا۔ مالوہ اگرچہ خود مختار تھا لیکن 1528ء میں اس کا گجرات کے ساتھ الحاق ہو گیا۔ گجرات کے راجاؤں نے جونا گڑھ، کچھ اور مغربی کاٹھیاوار کے علاقے اپنے زیرنگیں کر لیے تھے۔ پرانا دارالحکومت چھوڑ کر احمد آباد کو نیا دارالحکومت بنا لیا تھا۔

بابر کے حملے کے وقت سندھ ملتان کے شاہ حسین اعوان کے زیرِ تصرف تھا۔

بہمنی بادشاہت 1397ء سے 1422ء تک فیروز شاہ اور 1422ء سے 1435ء تک اس کے بھائی احمد شاہ کی حکمرانی میں رہی اور خاصی طاقتور ہو گئی۔ احمد شاہ نے 1426ء میں نیا شہر احمد آباد، آباد کیا۔ کونکن کو فتح کر لیا گیا اور 1469ء میں گوا بھی وجے نگر کی حکمرانی سے چھین لیا گیا۔ 1477ء میں تلنگانہ کو بھی فتح کیا گیا۔

1524ء میں ''جام راج بولے'' نے ایک پرانے قلعے کی مرمت کرا کے اس کا نام مہیش آسور MAHESH ASUR رکھا۔ بعد میں یہ نام بدل کر میسور (MYSORE) ہو گیا، جو اب تک رائج ہے۔ اسی دوران پرتگال نے ہندوستان میں اپنے قدم جما لیے۔ 1510ء میں گوا (GOA) ان کے تصرف میں چلا گیا۔

کشمیر پر گزشتہ دو سو سال سے شاہمیری خاندان کی حکومت قائم تھی جو کہ 1554ء تک جاری رہی۔ 15ویں صدی میں کشمیر کا اولوالعزم بادشاہ زین العابدین 1423ء سے 1474ء تک 51 سال برسرِ اقتدار رہا۔ اس کا دورِ حکومت کشمیر کا زریں دور سمجھا جاتا ہے 1474ء سے 1475ء تک سلطان حیدر شاہ، 1475ء سے 1487ء تک سلطان حسن شاہ، 1487ء سے 1490ء تک سلطان محمد شاہ، 1490ء سے 1493ء تک سلطان فتح شاہ، 1493ء سے 1501ء تک سلطان محمد شاہ دوسری بار برسرِ اقتدار رہا۔ یہ خاندان 1554ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ اس کے بعد چک خاندان نے حکومت سنبھالی جو 1586ء تک جاری رہی۔

1586ء میں اکبر اعظم نے کشمیر کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

سیف ڈامر، جہانگیر ماگرے اور زونراج کی قیادت میں سیدوں کے خلاف بغاوت کی اور ان کے پورے خاندان کو تہہ تیغ کر دیا۔

1482ء سے 1516ء تک کے بتیس (32) سالوں میں دو بادشاہوں محمد شاہ اور فتح شاہ کے درمیان رسہ کشی جاری رہی۔ اس دوران محمد شاہ تین بار اور فتح شاہ پانچ بار کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ دونوں نااہل اور کمزور کردار کے مالک تھے اور اصل طاقت ان کے امراء کے ہاتھ میں تھی۔ (23)

اس دور میں ڈامروں اور نائیکوں کا زور کم ہو گیا تھا۔ لیکن دو نئے خاندان ماگرے اور چک (ماگریش اور چکریش) بہت طاقت پکڑ گئے تھے۔

حوالہ جات:

1.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 50
2.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 50
3.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 315
4.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 320
5.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 51
6.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 74
7.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 322
8.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 74
9.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 51
10.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 75
11.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 76
12.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 77
13.	محب الحسن	کشمیر انڈر دی سلطان	صفحہ 60
14.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 78
15.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 78
16.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 78
17.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 81
18.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 81

19. پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 82
20. پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 82
21. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 54
22. پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 375
23. پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 399-407

(ب) چک خاندان کی 32 سالہ حکمرانی

سلطان حسن شاہ کے دور تک شاہ میری خاندان کشمیر پر تسلسل کے ساتھ حکمرانی کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ اگر چہ اندرونی طور پر انتہا درجہ کا انتشار جنم لے چکا تھا تاہم شاہ میر کی اولاد کا بھرم ابھی قائم تھا۔ لیکن 1487ء میں حسن شاہ کی وفات کے بعد امراء اور وزراء واضح طور پر دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک دھڑا محمد شاہ کی حمایت کرتا رہا اور دوسرا دھڑا فتح شاہ کا طرف دار بن گیا۔ یہ جھگڑا تقریباً 65 سال تک اسی طرح چلتا رہا۔ چنانچہ محمد شاہ کو پانچ مرتبہ تخت پر بٹھایا گیا اور فتح شاہ کو تین بار۔ اس دوران ان دونوں کے درمیان مخالفت اس قدر بڑھ گئی کہ خان پور کے قریب ایک جنگ میں 1700 آدمی کام آئے۔ (1)

جب سلطان فتح شاہ تیسری مرتبہ کشمیر کے تخت پر بیٹھا تو امیروں وزیروں نے ملک کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ بادشاہ کیلئے چھوڑا گیا اور بقیہ تین حصے جہانگیر پڈر، کاجی چک اور شنکر رینہ نے سنبھال لئے۔ (2)

آخری دور میں سلطان اسمٰعیل شاہ اور حبیب شاہ صرف دکھاوے کے حکمران رہ گئے جبکہ اصل اقتدار امراء کے طبقہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ چنانچہ 1554ء میں علی چک نے برسرِ اجلاس حبیب شاہ کو معزول کر کے تاج شاہی اپنے بھائی غازی چک کو پہنا دیا۔ اور اس طرح شاہ میری خاندان کا اقتدار ختم ہوا اور چک خاندان کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ (3)

غازی چک (1554ء تا 1563ء۔ 8 سال 10 ماہ):

غازی چک نہایت منصف مزاج، عادل اور شجاع حکمران اور نہایت اچھا منتظم تھا۔ پروفیسر محی الدین حاجنی نے اسے 16 ویں صدی کا عظیم محبِ وطن کشمیری لیڈر قرار دیا ہے۔ اس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی از سرِ نو نظم و نسق میں اصلاح کا کام شروع کیا۔ حکومت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے اندرونی طور پر یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنے کیلئے اقدامات کیے۔ جن علاقوں سے مرکز کے روابط کمزور پڑ گئے تھے، اسکردو، گلگت، پکھلی (یاد رہے کہ اس زمانہ میں ہزارہ کشمیر راج میں شامل تھا) رانگلی، کشتواڑ اور بھمبر وغیرہ شامل تھے، ان میں روابط کو مضبوط بنانے کیلئے ضروری انقلابی اقدامات کیے۔ گکھڑوں کے علاقے پر پیش قدمی کر کے کمال خان گکھڑ کے

ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ کمال خان نے اپنی بیٹی غازی چک کے نکاح میں دے دی۔

غازی چک کو کئی بار اپنے ہی خاندان کے امراء سے جنگ وجدل کا سامنا ہوا۔ ایک موقع پر نصرت چک اور اسکے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ شہر کے پُل توڑ کر محاربہ و مقابلہ پر تیار ہو گئے۔ غازی چک لشکر کو کشتیوں کے ذریعہ دریا کے پار لے گیا۔ خونریز جنگ ہوئی۔ نصرت چک کے بھائی اور ان کے کئی ساتھی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔

اسکے بعد عبدی رینہ کا بیٹا شمس رینہ کچھ کشمیری امراء کے مشورہ سے ہمایوں بادشاہ کی مدد لینے کیلئے دہلی گیا۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ہمایوں کا انتقال (1560ء میں) ہوگیا۔ شمس رینہ نے ابوالمعالی سے رابطہ کیا۔ ابوالمعالی نے کمال خان گکھڑ کو ساتھ ملا لیا اور شمس رینہ کے ساتھ کشمیر کی تسخیر کو چل پڑا۔ غازی چک نے پورے استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ حملہ آور شکست کھا گئے۔ 1700 مغل قیدی بنا لیے گئے۔ ابوالمعالی ہندوستان کی طرف پسپا ہوگیا۔ غازی چک نے شمس رینہ سمیت بہت سے اسیروں کو تہہ تیغ کیا اور فتح یاب ہو کر واپس آ گیا۔ (4)

1559ء میں حاجی بانڈے مرزا قرا بہادر کو تسخیر کشمیر کیلئے ساتھ لایا۔ راجوری پہنچ کر انہوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ غازی چک اور سید ابراہیم ہیرہ پور کے راستے ان کے مقابلے کیلئے روانہ ہوئے۔ بہرام گلہ میں دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ اسی اثناء میں فتح ملک لوہر چک اور نصرت چک بھی غازی چک سے آ ملے۔ دوسرے دن خونریز لڑائی ہوئی۔ آخر مغلوں کا لشکر مغلوب ہو کر ہندوستان بھاگ گیا۔ (5)

غازی چک عموماً رعایا اور مستحقین سے نیک سلوک کرتا تھا۔ عدل وانصاف اور جود واحسان سے پیش آتا تھا۔ کوئی قصور بیٹے سے بھی سرزد ہو تو معاف نہیں کرتا تھا۔ آخر العمر جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور 1563ء میں حکومت اپنے بھائی حسین چک کو تفویض کر کے کنارہ کش ہو گیا۔ (6)

حسین چک (1963ء تا 1970ء۔ 6 سال 9 ماہ):

حسین چک نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی ملک محمد ناجی کو اپنا وزیر اور مدار المہام بنایا جسکی بے اعتدالیوں نے اوائل حکومت میں ہی رعایا کو اس سے بدگمان کر دیا۔ اس نے غازی چک کے بیٹے احمد خان چک اور ابدال ماگرے کے بیٹے محمد ماگرے کو حکمت عملی سے گرفتار کرا کے انکی آنکھیں نکلوا دیں۔ حسین چک کا سارا دور فتنہ وفساد اور جور وستم میں ہی گزرا۔ اسی دوران 1567ء میں اکبر بادشاہ

نے مرزا مقیم کو ظاہراً بطور سفیر اور باطناً برائے دریافت حالات بھیجا۔ مرزا مقیم نے دو فقیہوں کو ایک فرقہ کی مصنوعی شہادت اور دلائل کی بنیاد پر پھانسی کا حکم سنایا۔ اس حکم پر حسین چک نے دونوں فقیہوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں اکبر اعظم کو اس حقیقت کا پتہ چلا تو اس نے مرزا مقیم کو قتل کرا دیا۔ (7)

حسین چک نے سات سال حکومت کرنے کے بعد معزول ہو کر بقیہ عمر موضع زین پورہ میں عبادت الٰہی میں گزاری۔ اس کا انتقال 1572ء میں ہوا۔

حسین چک نے اپنا نظام الاوقات بنا رکھا تھا۔ اسی کے مطابق کاروبار حکومت سرانجام دیتا تھا:

1. بروز یک شنبہ	(اتوار)	مصاحبت مشائخ و فقراً
2. بروز دوشنبہ	(سوموار)	مشاورت فقیہان و قاضیان
3. بروز سہ شنبہ	(منگل)	تفریح و سیر و شکار
4. بروز چہار شنبہ	(بدھ)	معائنہ افواج و سپاہ و تیر اندازاں
5. بروز پنج شنبہ	(جمعرات)	مجالست اہل نشاط و ارباب رقص و سرود
6. بروز جمعہ	(جمعہ)	مصاحبت علمائے دین، مباحثہ امورات دینی
7. بروز شنبہ	(ہفتہ)	مصاحبت پنڈتاں، برہمناں، وید خواناں

ہر ایک طائفہ کیلئے خزانۂ عامرہ سے وظائف اور مشاہرے (تنخواہیں) مقرر تھے۔ ہنرمندوں اور دانشوروں کی پوری قدر اور حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

علی شاہ چک (1570ء تا 1579ء۔ 8 سال 9 ماہ):

حسن شاہ کی تخت سے دستبرداری پر 1570ء میں علی شاہ چک نے کشمیر کا اقتدار سنبھالا۔ مدت کے بعد کشمیر کے مظلوم عوام کو یہ دن نصیب ہوئے کہ کچھ عرصہ کیلئے علی شاہ جیسے نیک دل اور رعایا پرور بادشاہ کے زیر سایہ آرام و راحت سے زندگی بسر کریں۔ جلوس والے دن اس نے جامع مسجد سری نگر میں علماء، فضلاء، امراء، وزراء اور عوام و خواص سب کو جمع کر کے جلسۂ تاج پوشی منعقد کیا۔ جس میں اس نے بہ آواز بلند عوام کو احسان مندی اور عدل و احسان کا وعدہ کیا۔ اس نے معاشرے میں پائی جانے والی برائیاں، جور و جبر، ظلم و ستم، سفاکی، قتل و غارت، ناانصافی بہ یک جنبش قلم موقوف کرنے کا اعلان کیا اور وہ بعد میں ان وعدوں پر قائم بھی رہا۔ اس نے مشائخ اور فقراء کی تابعداری اور خدمت گزاری کو اپنا فرض منصبی قرار دیا۔ خصوصاً محبوب العالم حضرت شیخ حمزہؒ

اور شیخ ہر دی بابا ریشی کی خدمت میں ادنیٰ غلاموں کی طرح حاضر رہتا۔

معزول سلطان نازک شاہ کے بیٹے حیدر خان اور سلیم خان بعض رؤسا اور امرائے ہندوستان کو اپنی معاونت پر مستعد کر کے کشمیر پر چڑھ آئے۔ بادشاہ نے اپنے بھتیجے لوہر چک اور حبیب چک کے بیٹے محمد چک کو پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ مخالفوں کی مدافعت پر مامور کیا۔ یہ لوگ یلغار کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ نوشہرہ میں دشمن افواج مقابلہ پر آ گئیں۔

ہندوستانی افواج کی لاتعداد جمعیت کو دیکھ کر انہوں نے قوت بازو کی بجائے قوت دماغ کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا۔ محمد چک نے حیدر خان اور سلیم خان سے خط و کتابت سے رابطہ قائم کیا اور لوہر چک کو فساد کی جڑ قرار دے کر اس کی مشکیں باندھ لیں اور نوشہرہ میں اُن کے حوالے کر آیا۔ خود اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کر کے انہیں نوشہرہ اپنے ساتھ کشمیر لے آیا۔ جب سنگ پورہ پہنچے جو انکی سکیم کے مطابق مناسب مقام تھا۔ لوہر چک کو آزاد کر کے دشمن پر حملہ کر دیا۔ سلیم خان مارا گیا اور حیدر خان بھاگ کر واپس ہندوستان چلا گیا۔ (8)

بہادر سنگھ راجۂ کشتواڑ نے سرکشی کی تو اسکی سرکوبی کیلئے ایک لشکر جرار متعین ہوا لیکن اس نے گھبرا کر جلدی ہتھیار ڈال دے اور اطاعت قبول کر لی نیز اپنی ہمشیرہ شنکر دیوی علی شاہ کے نواسے سے منسوب کر دی۔ اسی سال اکبر بادشاہ کے سفیر قاضی صدر الدین اور مولانا عشقی شہزادہ سلیم کی کتخدائی کی درخواست لے کر آئے۔ بادشاہ تعظیم و تکریم سے اُن سے پیش آیا۔ کشمیر میں اکبر کے نام کا خطبہ رائج کر کے حسب استدعا بھائی کی لڑکی مع تحائف بادشاہ دہلی کی خدمت میں بھجوا دی۔

1579ء میں ایک دن بادشاہ میدان عیدگاہ میں چوگان کھیل رہا تھا۔ گیند کے پیچھے لپکا تو چوگان سے اس کا پیٹ پھٹ گیا اور انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ابھی گھر نہ پہنچا تھا کہ دم نکل گیا۔

ابدال خان بھائی کی میت چھوڑ کر اپنی جمعیت اکٹھی کرنے لگا اور صف آرائی کر کے یوسف شاہ سے لڑنے پر تیار ہو گیا۔ مصیبت زدہ یوسف نے اس صورتحال میں باپ کی میت جامع مسجد میں رکھ دی اور خود سید مبارک خان کے ہمراہ دارالامارت کی طرف بڑھا۔ سید صاحب کے مشورہ پر یوسف شاہ نے ابدال خان کے سسر حاجی محمد چک کو چند دیگر امراء کے ساتھ ابدال خان کے پاس بھیجا۔ جس نے وعظ و نصیحت سے دربار کو سمجھانا چاہا۔ لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ آخر سید مبارک خان نے غضب ناک ہو کر پہلے یوسف شاہ کے سر پر تاج رکھا اور اس کی تعظیم بجا لا کر فوج جمع کرنے کی فکر میں نکلا۔ یوسف شاہ بھی اپنی فوج کو منظم کرنے کی تیاریوں میں لگ گیا۔

سید مبارک نے نوہٹہ پہنچ کر دشمن پر قیامت برپا کر دی۔ ابدال خان نے طیش میں آکر سید مبارک خان پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ ابھی دور ہی تھا کہ سید مبارک کے بیٹے ابوالمعالی کے تیر نے اُسے گھوڑے سے گرادیا۔ سید حسین خان نے آگے بڑھ کے اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔

یوسف شاہ ابھی آرام گاہ میں نہ پہنچا تھا کہ سید مبارک خان فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتا ہوا واپس آگیا اور اُسے راستے میں ہی مبارک باد دی۔

دوسرے دن یوسف شاہ نے تزک واحتشام سے اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی۔(9)

یوسف شاہ چک (باراوّل 1579ء تا 1580ء۔1 سال 1 ماہ):

پہلی بار یوسف شاہ ایک سال ایک ماہ کشمیر کے تخت وتاج کا مالک رہا۔ اس ایک سال کے دوران اس کا زیادہ تر وقت کارہائے مملکت سے غافل ہو کر عیش وعشرت، نأ ونوش، نغمہ وسرود میں گزرتا رہا۔ وہ شعر ونغمہ کا بہت دلدادہ تھا اور خود بھی شعر کہتا تھا۔

اس کی ملکہ ''حبہ خاتون'' تاریخ میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔ حبہ خاتون چندرہار گاؤں کے ایک معمولی زمیندار کی بیٹی تھی۔ قدرت نے اسے حسن لازوال عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شاعرہ بھی تھی۔ اس کی آواز بہت مسحور کن تھی اور اسے گانے کا بھی بہت شوق تھا۔ موسیقی سے اسے خاص لگاؤ تھا۔ اپنے گانوں کی دھن خود تیار کرتی تھی۔ اس کے لکھے ہوئے اور گائے ہوئے نغمے اب تک کشمیر میں زباں زدعام ہیں۔ خاص طور پر اس کے فراقیہ نغمے بہت مشہور ہیں۔

ایک بار یوسف شاہ سیر وشکار کے لئے نکلا ہوا تھا کہ اس کے کانوں میں حبہ خاتون کے گانے کی آواز پڑی۔ وہ اس آواز کو ڈھونڈتا ہوا اس تک پہنچ گیا دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں ایک دوسرے کے لئے دل ہار بیٹھے۔ حبہ خاتون کی بچپن میں ہی کسی کے ساتھ شادی کر دی گئی تھی۔ لیکن یہ ایک انمل اور بے جوڑ شادی تھی، چل نہ سکی۔ اس کی یوسف شاہ سے شادی ہوگئی اور پھر وہ ساری عمر سچے معنوں میں اس کی رفیقہ حیات بن کر دکھ سکھ کی ساتھی بن گئی۔

یوسف شاہ اپنی زندگی کے اس ابتدائی دور میں عیش وعشرت میں حد درجہ ڈوبا رہا۔ اس کی بے اعتدالیوں نے عوام کو اس سے بدظن کر دیا۔ امن وامان کی صورتحال بہت خراب ہوگئی۔ سید مبارک خان بادشاہ کی مصاحبت سے دست بردار ہو گئے تھے اور ان کی جگہ محمد بٹ نے وزیر کا منصب سنبھالا تھا۔ امرائے وزارت کے ساتھ بدسلوکیوں نے انہیں بادشاہ سے منحرف کر دیا۔

ابدال بٹ امرائے کشمیر میں سے ایک تھا۔ اسے وزیر اعظم بننے کا بہت شوق تھا۔ اس نے یوسف شاہ اور محمد بٹ دونوں کے خلاف معاندانہ مہم شروع کر رکھی تھی۔

6 صفر 988 ہجری (مطابق 1580ء) کی آدھی رات کو اس نے علی چک، نوروز چک، لوہر چک، شمس چک اور فتح چک کے ساتھ مل کر جہلم کے پُل کاٹ دیئے اور بغاوت کر دی۔ اس کے بعد یہ لوگ سید مبارک خان کے گھر گئے اور ان سے مدد مانگی لیکن انہوں نے بابا خلیل کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ باغیوں سے نرمی اور مصالحت سے کام لینا چاہئے۔ لیکن بادشاہ کا دماغ آسمان پر تھا۔ اس نے صلح صفائی کی بات نہ مانی دوسرے دن یوسف شاہ نے سید مبارک خان کے خلاف فوج بھیجی جس نے عیدگاہ میں جھنڈے گاڑ دیئے۔ مجبوراً سید مبارک خان میدان میں آگئے۔ یہاں بھی انہوں نے نصیحتوں سے کام لیا لیکن کسی نے توجہ نہ دی سید مبارک نے اپنے دستوں کو آگے بڑھایا اور جنگ شروع ہوگئی قتل وغارت کا بازار گرم ہوگیا۔ یوسف شاہ کے ساتھیوں میں سے محمد خان، محمد قاسم، علی ملک اور ابراہیم گنائی سید مبارک کے ہاتھوں مارے گئے۔ کچھ بھاگ کر ڈگر میں بادشاہ کے پاس پہنچے۔ کچھ ہتھیار ڈال کر سید مبارک کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔

اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لعنت وملامت کرنے لگا۔ اور ملا حسن اسود کو صلح کا پیغام دے کر سید مبارک کے پاس بھیجا۔ لیکن سید نے صلح منظور نہ کی اور جواباً کہلوادیا کہ میں نے لڑائی سے پہلے آپ کی کتنی منت وسماجت کی تھی۔ لیکن نخوت اور رعونت نے آپ کو راہ نہ دی۔ اب بھی بہتر ہے کہ آپ کچھ دنوں کے لئے کوہستانوں اور مرغزاروں کی طرف جا کر ٹھنڈی ہوائیں کھائیں تاکہ آپ کی خودسری اور نخوت دور ہو۔ اس اثنا میں بغض وعناد کی آگ سرد ہو جائے گی اور میں آپ کو واپس بلا کر مسند نشین کر دوں گا۔

ناچار یوسف شاہ نے اپنا مال واسباب بطور امانت علی چک کے گھر چھوڑ دیا اور 13 صفر 988 ہجری کو اپنا تاج شاہی سید مبارک کے پاس بھجوادیا اور خود کوہستان کی طرف نکل گیا۔

سید مبارک خان بیہقی (1580ء 6ماہ 2روز):

یوسف شاہ کی برطرفی کے بعد چند روز تخت حکومت خالی رہا۔ کوئی شخص اسے سنبھالنے کو تیار نہ ہوا۔ آخر 20 صفر 988ھ مطابق 1580ء کو علی چک اور لوہر چک وغیرہ نے سید مبارک خان کو مسند حکومت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ نیک دل سید تنہائی میں تاج شاہی کو سامنے رکھ کر یوں گویا ہوا:

جہان و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
ہزار بار من ایں نقطہ کردہ ام تحقیق

اس کے بعد وہ مسند پر بیٹھا اور عہد سلاطین کا تاجِ شاہی توڑ پھوڑ کر فقراء، وغرباء میں تقسیم کر دیا اور خود معمولی لباس میں کاروبار سلطنت سرانجام دینے لگا۔(10)

اس نے جور و جبر اور بدعت کی وہ تمام روایات جو چکوں کے دور میں عام تھیں، ختم کر کے عدل وانصاف سے حکمرانی کا طریقہ اپنایا۔ چکوں کی زیادتیوں سے وہ بہت شاکی تھا اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، جس کی وجہ سے کئی امرائے ریاست اس سے شاکی ہو گئے اور اس کے خلاف ہو گئے۔ یہ لوگ یوسف کو واپسی پر آمادہ کرنے لگے بلکہ وہ کوہستان ہرتل تک چلا بھی آیا۔ سید مبارک پہلے ہی حکومت کے جھنجٹ سے بے زار تھا۔ اس نے یوسف شاہ کو خط لکھا:

شہا فقر و غنا از ما و ملک و عز و جاہ از تو
کہ دنیا را وفائے نیست خواہ از ما و خواہ از تو

یوسف شاہ بھی صلح وصفائی کو لڑائی جھگڑے پر ترجیح دیتا تھا، اس نے اپنے بیٹوں یعقوب اور ابراہیم کو سید مبارک کے پاس بھجوایا، وہ خود بھی جانے کے لئے تیار تھا لیکن فتنہ گر ابدال بٹ نے اسے منع کیا اور سید مبارک کے خلاف اس کے کان بھرنے لگا۔ چنانچہ یوسف شاہ نے ابدال بٹ کے مشورے سے سید مبارک کو ایک توہین آمیز جواب لکھوایا۔ جس سے سید مبارک کی غیرت کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے یوسف کے خلاف فوجی کاروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پیش قدمی شروع کر دی۔ یوسف شاہ ہرتل کے عقب میں روپوش ہو گیا۔ ابدال بٹ نے دونوں جانب اپنا مکر و فریب کا عمل جاری رکھا۔ بادشاہ پٹن تک آ کر واپس چلا گیا۔ ادھر ایک سکیم کے تحت ابدال بٹ نے شنکر چک کے بیٹے لوہر چک کو مسند حکومت کے لئے منتخب کر لیا اور سید مبارک خان کو حکومت سے معزول کر دیا۔

لوہر شاہ چک (1580ء تا 1581ء 1 سال 1 ماہ):

15 شعبان 998 ہجری مطابق 1580ء یوسف شاہ کا عم زاد لوہر چک ابدال بٹ کی استقامت سے تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس نے اپنا نام لوہر شاہ رکھا۔ سید مبارک خان حکمرانی کے بوجھ سے تنگ تھا۔ وہ گھر بیٹھ کر امن و آسائش سے زندگی گزارنے لگا۔ عرصہ دراز کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کے بعد ابدال بٹ کو وزارت کا منصب ہاتھ آیا۔ رفتہ رفتہ لوہر شاہ برائے نام

بادشاہ رہا اور سارا کاروبار حکومت ابدال بٹ کے ہاتھ میں آیا۔

اسی دوران یوسف شاہ کو کیا سوجھی کہ امرائے کشمیر کی منافقت اور خود غرضیوں سے تنگ آ کر اکبر بادشاہ کی خدمت میں آگرہ جا پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ اکبر کمال مہربانی سے پیش آیا۔ دو کنیزیں یوسف شاہ کو عطا کیں لیکن فوجی امداد کے لئے آج کل کرتا رہا۔ (11)

11 ماہ بعد اکبر نے راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ تسخیر کشمیر پر مامور کیا۔ جب لشکر لاہور پہنچا تو وزیر محمد بٹ ایک ہزار سوار و پیادہ فوج کے ساتھ منتظر تھا۔ یوسف شاہ کو اب یہ احساس ہوا کہ اکبر بادشاہ اس امداد کی حکمت عملی سے کشمیر پر خود قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے محمد بٹ کے مشورے سے راجہ مان سنگھ سے اجازت لی کہ وہ شاہی لشکر کی روانگی سے پہلے انتظامی حالات دیکھے۔

اجازت تو مل گئی لیکن اس کی حالت بہت کمزور تھی چنانچہ اس نے لاہور کے کچھ تاجروں سے قرضہ لیا اور کشمیر روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے اپنی جمعیت کو 4000 تک پہنچایا۔ اس نے امرائے مملکت کو خطوط لکھے جن کا کسی نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ یوسف شاہ کشمیر تک آ پہنچا۔

ادھر لوہر شاہ اور ابدال بٹ بھی مقابلہ کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ نوشہرہ میں دونوں فوجوں کو آمنا سامنا ہوا۔ لیکن کسی لڑائی کے بغیر لوہر شاہ کی فوج یوسف شاہ سے مل گئی۔ اس کے بعد میر حسین چاڈورہ اور شمس ڈولی بھی، جو بہرام گلہ کی مدافعت پر مامور تھے، یوسف شاہ سے مل گئے۔ راجوری کے راجہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ لوہر شاہ اور ابدال بٹ یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائے۔ یوسف شاہ نے پہلے ہی سید مبارک کو اپنا ہمنوا اور خیر خواہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ وہ بارہ مولہ کے راستے سوپور پہنچ گیا۔ کامراج کے علاقے پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

ابدال بٹ نے ایک اور چال چلی۔ بابا خلیل کے ذریعہ یوسف شاہ کو ایک خط بھجوایا۔ جس میں یہ دھوکہ دینا چاہا کہ:

> ''آپ کے لشکر کے بیشتر امراء لوہر شاہ سے عہد و پیمان کر چکے ہیں اور اس کی فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔ حیدر ملک دو ہزار سواروں کے ساتھ شب وخون مارنے کو تیار ہے۔ اگر آپ سلامتی چاہتے ہیں تو پونچھ کی طرف نکل جائیں۔ ورنہ خیریت نہیں۔'' (12)

یوسف شاہ نے یہ تحدید آمیز خط پڑھا اور فوراً ہی ابدال بٹ کو ایک منظوم جواب بھجوایا جس کا پہلا شعر تھا: (13)

بادشاہ رہا اور سارا کاروبار حکومت ابدال بٹ کے ہاتھ میں آیا۔

اسی دوران یوسف شاہ کو کیا سوجھی کہ امرائے کشمیر کی منافقت اور خود غرضیوں سے تنگ آکر اکبر بادشاہ کی خدمت میں آگرہ جا پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ اکبر کمال مہربانی سے پیش آیا۔ دو کنیزیں یوسف شاہ کو عطا کیں لیکن فوجی امداد کے لئے آج کل کرتا رہا۔ (11)

11 ماہ بعد اکبر نے راجہ مان سنگھ اور مرزا یوسف کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ تسخیر کشمیر پر مامور کیا۔ جب لشکر لاہور پہنچا تو وزیر محمد بٹ ایک ہزار سوار و پیادہ فوج کے ساتھ منتظر تھا۔ یوسف شاہ کو اب یہ احساس ہوا کہ اکبر بادشاہ اس امداد کی حکمت عملی سے کشمیر پر خود قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے محمد بٹ کے مشورے سے راجہ مان سنگھ سے اجازت لی کہ وہ شاہی لشکر کی روانگی سے پہلے انتظامی حالات دیکھے۔

اجازت تو مل گئی لیکن اس کی حالت بہت کمزور تھی چنانچہ اس نے لاہور کے کچھ تاجروں سے قرضہ لیا اور کشمیر روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے اپنی جمعیت کو 4000 تک پہنچایا۔ اس نے امرائے مملکت کو خطوط لکھے جن کا کسی نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ یوسف شاہ کشمیر تک آپہنچا۔

ادھر لوہر شاہ اور ابدال بٹ بھی مقابلہ کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ نوشہرہ میں دونوں فوجوں کو آمنا سامنا ہوا۔ لیکن کسی لڑائی کے بغیر لوہر شاہ کی فوج یوسف شاہ سے مل گئی۔ اس کے بعد میر حسین چاڈورہ اور شمس ڈولی بھی، جو بہرام گلہ کی مدافعت پر مامور تھے، یوسف شاہ سے مل گئے۔ راجوری کے راجہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ لوہر شاہ اور ابدال بٹ یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائے۔ یوسف شاہ نے پہلے ہی سید مبارک کو اپنا ہمنوا اور خیر خواہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ وہ بارہ مولہ کے راستے سوپور پہنچ گیا۔ کامراج کے علاقے پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

ابدال بٹ نے ایک اور چال چلی۔ بابا خلیل کے ذریعہ یوسف شاہ کو ایک خط بھجوایا۔ جس میں یہ دھوکہ دینا چاہا کہ:

> ''آپ کے لشکر کے بیشتر امراء لوہر شاہ سے عہد و پیمان کر چکے ہیں اور اس کی فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔ حیدر ملک دو ہزار سواروں کے ساتھ شب وخون مارنے کو تیار ہے۔ اگر آپ سلامتی چاہتے ہیں تو پونچھ کی طرف نکل جائیں۔ ورنہ خیریت نہیں۔'' (12)

یوسف شاہ نے یہ تحدید آمیز خط پڑھا اور فوراً ہی ابدال بٹ کو ایک منظوم جواب بھجوایا جس کا پہلا شعر تھا: (13)

چہ می گوئی اے گرگ ابدال رنگ
بترسائی از آب دریا نہنگ

ابدال بٹ کو یہ خط ملا تو مایوس ہو کر سری نگر چلا گیا۔ دوسرے دن یوسف شاہ نے موضع دلنہ سے سری نگر کی طرف کوچ کیا۔ ابدال بٹ نے راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن یوسف شاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ لوہر شاہ کی فوج کے دانت کھٹے ہو گئے اور وہ درہم برہم ہونے لگی۔ لوہر چک چتر شاہی زمین پر پھینک کر فرار ہو گیا۔ یوسف شاہ فتح کے نقارے بجاتا ہوا دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا۔ شہریوں نے مبارکباد کے نعروں سے اس کا استقبال کیا۔

ملا محمد امین مستغنی اس معرکہ سے پہلے ہی دیوان حافظ سے فال نکال چکا تھا۔ یہ شعر برآمد ہوا تھا جو اس موقع کی مناسبت سے پورے طور پر صادق آتا تھا:

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

لوہر شاہ نے ایک سال اور 19 روز کشمیر پر حکمرانی کی۔

یوسف شاہ چک (بار دوئم 1581ء تا 1585ء 3 سال 10 ماہ):

دوسری بار کشمیر کا تخت و تاج سنبھالتے ہی یوسف شاہ نے زمانۂ ادبار کے رفیق محمد بٹ کو وزیراعظم اور مدارالمہام بنا دیا، جو کہ اپنی قابلیت اور وفاداری کے لحاظ سے اس منصب کا مستحق بھی تھا۔ عقل و دانش اور تدبیر و حکمت میں محمد بٹ نہایت قابل اعتبار مشیر ثابت ہوا۔ وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالتے ہی اس نے اندرونی فتنہ و فساد کی طرف توجہ دی۔ لوہر شاہ پانچ ہزار سواروں سمیت بھاگ گیا تھا اور سرینگر میں روپوش تھا۔ اسے ایک مکان کے تنگ و تاریک حجرے سے برآمد کیا گیا۔ دوسرے باغیوں اور مفروروں کو بھی گرفتار کر کے قرار واقعی سزائیں دی گئیں۔

اندرونی فتنہ و فساد سے ملک کو پاک کر کے نظم و نسق کے استحکام پر توجہ دی گئی۔ عدل و انصاف اور رعیت پروری کا رویہ اختیار کیا گیا۔ محمد بٹ فقرا اور علما کی دل سے خدمت کرنے لگا۔ وہ حضرت بردی بابا ریشی کی خدمت میں پاپیادہ جایا کرتا۔ یوسف شاہ نے سید مبارک خان سے قریبی تعلقات استوار کئے۔ یہاں تک کہ وہ سید صاحب کی ملاقات کیلئے خود ان کے گھر پر جاتا۔

کچھ عرصہ بعد کچھ مفسدوں نے پھر سے فساد پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن بادشاہ نے ان فتنہ پردازوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اسی اثنا میں اکبر بادشاہ کا سفیر تیمور بیگ شاہی مراسلہ

لے کر کشمیر پہنچا۔ جس میں یوسف شاہ کو لکھا گیا تھا کہ:

''تم نے کشمیر واپس جانے کے بعد ملک کے حال احوال کی بالکل کوئی اطلاع نہیں دی۔ اب چاہیئے کہ فوراً ہماری خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔''

اس سلسلہ میں بعد میں پیش آنے والے واقعات کی روئیداد اگلے باب میں دی جا رہی ہے۔ اس لئے یہاں ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

یعقوب شاہ چک (1585 تا 1586ء ایک سال 9 ماہ):

کشمیریوں کے خلاف آخری جنگ میں راجہ بھگوان داس اور شاہ رخ مرزا کی قیادت میں 50 ہزار سواروں کا لشکر دریائے کشن گنگا (نیلم) کو عبور کر کے حدود کشمیر میں داخل ہو گیا۔ یوسف شاہ والئی کشمیر نے بھی مقابلہ کی مکمل تیاری کر لی۔ محمد بٹ کو محافظت اور رسد رسانی کیلئے سرینگر میں چھوڑا اور یوسف شاہ خود 12 ہزار سوار اور 30 ہزار پیادہ کے ساتھ حملہ آوروں کے مقابلہ کو نکلا۔ کوارمست پہنچ کر سید ابوالمعالی، حسین چک، شمس چک، یعقوب خان، بابا طالب اصفہانی، حسن بٹ، حسن ملک آف چاڈورہ کھکھ وبمبہ قبائل کے سُورما شامل ہو کر جواں مردی سے لڑتے رہے۔ سینکڑوں مغلوں کے سر کاٹ کے یوسف شاہ کو پہنچاتے رہے۔ (14)

قدرت الٰہی سے زبردست بادل چھا گئے اور ایک مہینہ تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ پُل اور راستے بہہ گئے مغلوں کی فوج کا سلسلہ آمد و رفت منقطع ہو گیا۔ رسد رسانی مسدود ہو گئی۔ مغل فوج ہاتھیوں اور گھوڑوں کو ذبح کر کر کے کھانے لگی۔ جس میدان میں مغل فوجوں نے ڈیرہ ڈالا تھا وہ بارش سے دلدل بن گیا۔ جس سے مغل افواج بہت پریشانی کا شکار ہو گئیں۔ ایسے میں راجہ بھگوان داس نے ایک نئی حکمت اختیار کی۔ اس نے شاہ پور خان کے ہاتھ یوسف شاہ کو خط بھجوایا۔ جس میں لکھا تھا کہ موجودہ صورت حال میں ہماری حالت از حد خراب ہے۔ لیکن اکبر اعظم بہت طاقتور حکمران ہے وہ اگلی بار اس سے عظیم تر لشکر کے ساتھ حملہ کرے گا۔ تمہیں وہ مصیبت اٹھانی پڑے گی جس کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ یوسف شاہ دہلی اور آگرہ میں اکبر کا جاہ و جلال دیکھ چکا تھا وہ راجہ بھگوان داس کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے مرزا قاسم شاہ کو شاہ پور خان کے ہمراہ بھگوان داس کے پاس بطور ایلچی بھیجا۔ جس کی وساطت سے عہد نامہ ہو گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ عہد نامہ میں یہ طے پایا تھا کہ یوسف شاہ ایک بار اکبر اعظم کی ملاقات کو اٹک چلا جائے اس کی ذات اور اس کی حکمرانی دونوں محفوظ رہیں گی۔ چنانچہ

یوسف شاہ فوج کے ہروال دستوں کے بہانے چار ہزار سواروں کے ساتھ بھگوان داس کے پاس اس کے لشکر میں چلا گیا۔ کشمیریوں نے اس واقعہ کی کشمیری زبان میں تاریخ لکھی ہے ''نیو، گرفتار گو'' یعنی لے گئے اور گرفتار ہو گیا۔ اس فقرے کے اعداد 993 بنتے ہیں۔

یہ کشمیر کی تاریخ کا المناک ترین واقعہ تھا۔ کشمیری بہت بے جگری سے مغلوں کے خلاف لڑ رہے تھے اور کامیابیاں حاصل کر رہے تھے۔ یوسف شاہ نے بنا سوچے سمجھے اور کسی سے مشورہ کئے بغیر ایک ایسی حرکت کا ارتکاب کیا جس نے کشمیر کے دانش مند عمائدین کو دیوانہ بنا دیا۔ انہوں نے اتفاق رائے سے یعقوب خان کو مسند سلطنت پر بٹھا دیا اور کمر ہمت باندھ کر بابا طالب اصفہانی اور محمد سلیم کاشغری کی قیادت میں مغل جارحیت کے خلاف کارروائیاں شروع کیں۔ انہوں نے اس جوش و خروش سے مغلوں پر حملے کیے کہ تین ہزار کے قریب مغل ہلاک ہو گئے۔ شاہ رُخ مرزا دریائے جہلم پر پُل بنا کر کھاوڑا کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن کھکھہ قبیلہ کی ایک جماعت نے اس پر دھاوا بول دیا اور اسکو تمام ہمراہیوں سمیت نیست و نابود کر دیا۔ انکا سارا مال و اسباب قبضے میں لے کر دریائے جہلم کے پُل کو توڑ دیا۔ (15)

آخر تنگ آ کر راجہ بھگوان داس نے یوسف شاہ کی مشاورت سے مرزا علی اکبر کو بطور سفیر یعقوب شاہ کے پاس بھیجا اور اسکی تسلی و تشفی دے کر عہد و پیمان کیے (کہ یوسف شاہ خیر و عافیت سے ہے اور اکبر بادشاہ سے ملاقات کے بعد خیریت سے واپس آ جائے گا۔) اسکے بعد یعقوب شاہ نے محاربہ سے ہاتھ اٹھا لیا اور وہ سری نگر واپس چلا گیا۔

اسکے بعد راجہ بھگوان داس یوسف شاہ کو ساتھ لے کر اکبر بادشاہ کے پاس اٹک چلا گیا۔ اس نے یوسف شاہ کے بارے میں اکبر سے بہت سفارشیں کیں لیکن اس نے ایک نہ مانی اور یوسف شاہ کو قید کر لیا۔ راجہ بھگوان داس کو یوسف شاہ سے وعدہ خلافی کا اتنا رنج ہوا کہ اس نے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لی۔ (16)

میدان جنگ سے واپس آ کر 1585ء میں یعقوب خان نے جشن تاجپوشی منعقد کیا۔ علی ڈار کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ علی ڈار خوش مزاج آدمی تھا لیکن کثرت سے مے نوشی کا عادی تھا اور غیر مستقل مزاج تھا۔ جسکی وجہ سے آئے دن نت نئے جھگڑے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ اسی اثناء میں یعقوب شاہ اپنے بیٹے کی منگنی کی تقریب میں اچھہ بل گیا ہوا تھا۔ علی ڈار شمس چک، علی شیر ماگرے اور مہر حسین چاڈورہ وغیرہ سے مل کر بادشاہ پر حملہ آور ہوا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

قاضی موسیٰ قاضی القضاۃ تھا، سنت والجماعت کے مسلک سے تعلق تھا۔ ایک بار یعقوب شاہ نے اسے حکم دیا کہ اذان میں "عَلِیًّ وَّلِیَّ اللّٰہ" کا کلمہ پڑھا کریں۔ قاضی نے اسے خلاف شرع قرار دے کر اس سے انکار کیا۔ چنانچہ اس نے قاضی موسیٰ کو بلا کر سرِ اجلاس قتل کرا دیا اور اسکی لاش ہاتھی کی دُم سے باندھ کر سارے شہر میں پھرائی گئی۔ (17)

اس واقعہ کا شدید ردِ عمل پیدا ہوا۔ سارے ملک میں فرقہ وارانہ فضا مسموم ہوگئی۔ اس موقع پر کشمیر کے اکابرین نے جن میں شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی شامل تھے، بجائے خود کوئی کارروائی کرنے کے دہلی جا کر اکبر کے دربار میں پہنچے اور اسے تسخیر کشمیر کی ترغیب دی۔ اکبر کے ساتھ حسب ذیل عہد و پیمان پر اتفاق ہوا:

1. حاکم وقت امورات مذہبی بیع و شرا اجناس اور نرخ غلات کے معاملات میں دخل نہیں دے گا۔
2. حکام اہالیان کشمیر میں سے کسی کو غلام یا کنیز نہیں بنائیں گے۔
3. باشندگان ملک ہر قسم کی جور و بدعت اور ظلم و تعدی سے مامون رہیں گے۔
4. چونکہ امرائے کشمیر زمانہ بے استقلالی میں فتنہ و فساد کا سبب بنتے رہیں اسلئے انہیں ملکی و مالی امور میں مداخلت نہ کرنے دی جائے۔

اکابرین کشمیر کی درخواست پر 1586ء میں جلال الدین محمد اکبر نے مرزا قاسم میر بحر کی قیادت میں 40 ہزار سوار اور 20 ہزار پیادہ کے ساتھ کشمیر پر حملہ کیا۔ یعقوب شاہ بھی 30 ہزار سوار اور 10 ہزار پیادہ لے کر مقابلہ کو نکلا۔ اسکے بعد جگہ جگہ مغلوں کے خلاف کارروائیاں ہونے لگیں۔ محب وطن کشمیریوں نے مغلوں کا جگہ جگہ ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اندرونی خلفشار نے انکی قوت کو منتشر کر دیا۔ آخر کار یعقوب خان شکست کھا کر کشتواڑ کی طرف نکل گیا اور مغلوں کا لشکر 14 ذیقعد 994 مرزا قاسم کی سرکردگی میں سری نگر میں داخل ہوگیا۔

اور یوں کشمیری قوم کی آزادی و خودمختاری، عزت و آبرو اور اقتدار اعلیٰ کے یہ آخری نشانات مٹ گئے اور کشمیر ہمیشہ کیلئے غلامی کے قعر مذلت میں ڈوب گیا اور کسی شاعر نے کہا

نہ از یوسف نشاں دیدم نہ از یعقوب آثارے
عزیزاں یوسف ار گم شد چہ شد یعقوب را بارے

حوالہ جات:

1. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 391
2. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 399
3. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 439
4. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 440
5. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 445
6. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 447
7. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 452
8. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 457
9. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 460
10. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 466
11. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 470
12. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 472
13. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 473
14. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 481
15. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 483
16. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 383
17. ادبی دنیا کشمیر نمبر صفحہ 103
18. محمد دین فوق مکمل تاریخ کشمیر صفحہ 389

تاریخِ کشمیر کا ایک قابلِ غور پہلو

گزشتہ صفحات میں آپ نے کشمیر میں ورودِ اسلام کے بعد شاہمیری خاندان کی سوا دو سو سالہ تاریخ سے شناسائی حاصل کی ہے۔ یہ وہ خاندان ہے جس نے سلطان شہاب الدین اور سلطان زین العابدین جیسی اولوالعزم ہستیاں پیدا کی ہیں۔ کسی بھی ملک اور قوم کیلئے یہ تاریخی حقیقتیں اپنے ماضی پر شرمسار ہونے کی بجائے سرمایہ افتخار سمجھی جائیں گی۔

آئندہ صفحات میں ہم اس دور میں دہلی کے تخت کیلئے مختلف خاندانوں کی باہمی جنگ و جدل، آویزشوں، سازشوں، ریشہ دوانیوں، قتل و غارت گری، شہروں اور آبادیوں کی تباہی و بربادی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ آج ہمارے ملک جموں کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ اور شہ رگ کہنے والے، برصغیر پاک و ہند کے اندر کس قسم کا اندازِ حکمرانی اپنائے ہوئے تھے۔ ہر آئے روز کسی سلطان، بادشاہ یا حاکم کو قتل کر کے نئے عہد کی ابتداء کی جاتی اور ابھی خون خشک نہیں ہوتا تھا کہ قاتل خود مقتول بن کر اپنے انجام کو پہنچ جاتا تھا۔ بسا اوقات پورے خاندان کو خون میں غسل دیا جاتا تھا۔ اس باب میں آپ دیکھیں گے کہ باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو، داماد سسر کو اور علاقائی حاکم اپنے بادشاہ کو تہہ تیغ کر کے اقتدار کے سنگھاسن پر بیٹھنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے تھے اور اسی قدر تعجیل کے ساتھ قاتل کا اپنا لاشہ بھی اپنے کسی عزیز یا ماتحت کے ہاتھوں خاک و خوں میں تڑپ رہا جاتا تھا۔ انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے رہے۔ عوام کو گھاس اور چارے کی طرح استعمال کیا جاتا رہا اور بظاہر اکبرِ ثانی اور عالمگیر ثانی جیسے القابات استعمال کر کے اپنی جھوٹی انا کو تسکین دی جاتی رہی۔

برصغیر کی اس دور کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی حکمران نے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کچھ نہیں سوچا۔ صرف شیر شاہ سوری ایک ایسا حکمران گزرا ہے جس نے اپنے پانچ سالہ عہدِ حکومت میں اپنے دور کا شاہکار تخلیق کیا جسے آج گرینڈ ٹرنک روڈ (شاہراہِ اعظم) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہم اپنی گفتگو کا آغاز خلجی خاندان کی حکمرانی سے کرتے ہیں۔ 1228ء میں جلال الدین خلجی نے دہلی کے تخت پر قبضہ کیا۔ اس نے اپنے بھتیجے علاؤ الدین کو اودھ کا گورنر بنا دیا۔ علاؤ الدین نے آس پاس کے علاقوں کو اپنی حکمرانی میں لانے کا

سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ مالوہ ہوتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے چچا جلال الدین کو عین اُس وقت خنجر مار کر ہلاک کر دیا جب وہ اپنے بھتیجے سے آگے بڑھ کر معانقہ کر رہا تھا۔

علاؤالدین خلجی (1295ء سے 1317ء):

علاؤالدین انتہائی ظالم اور سفاک انسان تھا۔ چچا کو قتل کرنے کے بعد اس نے چچا کے بیٹوں اور بیوہ کو بھی ختم کر دیا۔ اسکے نتیجے میں عوام میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ علاؤالدین نے وسیع پیمانے پر باغیوں کے بیوی بچوں کو قتل کر کے بغاوت پر قابو پالیا۔

1316ء میں علاؤالدین خلجی کو غصے کی حالت میں مرگی کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔

مبارک خلجی (1317ء سے 1320ء):

علاؤالدین خلجی کے بیٹے مبارک نے اپنے ایک بھائی کو اندھا اور دو جرنیلوں کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنے ایک غلام خسرو خان کو وزیر بنا کر حکومت اسکے حوالے کی اور خود عیش وعشرت میں ڈوب گیا۔ خسرو خان نے 1320ء میں مبارک خلجی کو قتل کرنے کے علاوہ ایک ایک خلجی کو چُن چُن کر قتل کیا اور خود دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

تغلق خاندان

غیاث الدین تغلق (1321ء تا 1325ء):

1321ء میں غیاث الدین تغلق ایک بڑی فوج لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا اور خسرو خان کو ہلاک کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا۔ 1325ء میں غیاث الدین ایک چبوترے سے گر کر ہلاک ہو گیا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے تخت سنبھالا۔

محمد تغلق (1325ء تا 1335ء):

محمد تغلق نے ایران کو فتح کرنے کے لئے ایک بڑی فوج بنائی۔ اس کے بعد اس نے چین کو تسخیر کرنے کے لئے ایک لاکھ کی تعداد میں فوج ہمالیہ کی طرف بھیجی۔ یہ سب لوگ جنگلوں کی

ترائیوں میں مارے گئے۔ محمد تغلق نے رعایا پر تباہ کن ٹیکس عائد کیے۔ 1340ء میں سارا مشرقی ہندوستان بغاوت کر کے آزاد ہو گیا۔ افغانوں نے پنجاب کو تاراج کر ڈالا۔ محمد تغلق نے گجرات پر حملہ کر کے اسے روند ڈالا۔ محمد تغلق 1351ء میں گجرات سے واپسی پر ٹھٹھہ (سندھ) کے مقام پر بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

نامور مصنف اور دانشور مختار مسعود نے اپنے ایک مضمون میں جو مینار پاکستان کے حوالہ سے لکھا گیا ہے محمد تغلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"جب شیخ شہاب الدین نے محمد تغلق کو سلطان عادل کہنے سے انکار کر دیا
تو انہیں ایک مینار پر لے گئے اور بغیر سیڑھیوں کے نیچے اتار دیا۔"

فیروز شاہ تغلق (1351ء تا 1388ء):

فیروز تغلق 1351ء میں تخت پر بیٹھا۔ بنگال کی بازیابی میں ناکام ہونے کے بعد اس نے بنگال اور دکن دونوں کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔

1354ء میں فیروز شاہ تغلق کی فوجوں کا کشمیر کے سلطان شہاب الدین کی افواج کے ساتھ دریائے ستلج کے کنارے مقابلہ ہوا۔ جنگ فیصلہ کن نہ ہو سکی۔ آخر فیروز تغلق صلح پر آمادہ ہو گیا۔ دونوں میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے کشمیر سے سرہند تک کے علاقے پر شہاب الدین کی حکومت تسلیم کی گئی جب کہ سرہند سے مشرق کے علاقے پر فیروز تغلق کے اقتدار کو تسلیم کر لیا گیا۔

مؤرخ محمد دین فوق نے لکھا ہے کہ صلح کے معاہدے کے علاوہ فیروز شاہ کی تین بیٹیاں سلطان کے آدمیوں سے منسوب ہوئیں۔ ایک سلطان کے بیٹے حسن خان سے دوسری اس کے بھائی قطب الدین سے اور تیسری اس کے سپہ سالار سید حسین بہادر سے منسوب ہوئی۔

1386ء میں فیروز شاہ تغلق نے اپنے بیٹے نذیر الدین کو بادشاہ بنا دیا۔ لیکن ایک بغاوت کے نتیجہ میں نذیر الدین کو دہلی سے نکال دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ فیروز شاہ اپنے پوتے غیاث الدین کے حق میں دست بردار ہو گیا ہے۔ 1388ء میں فیروز تغلق 90 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

غیاث الدین کا اپنے عمزادوں سے جھگڑا ہو گیا انہوں نے اسے معزول کر کے اسکے بھائی ابو بکر تغلق کو تخت پر بٹھا دیا۔ 1390ء میں ابو بکر کا چچا نذیر الدین فوج لیکر دہلی پر چڑھ آیا اور ابو بکر کو قید کر لیا۔

نذیرالدین تغلق (1390ء تا 1394ء):

نذیرالدین تغلق نے 1394ء تک چار سال حکمرانی کی اور مر گیا۔ اس کے بڑے بیٹے نے 45 دنوں کی فرمانروائی کے بعد کثرت شراب نوشی کے نتیجہ میں خود کو موت کے حوالے کیا۔

محمود تغلق (1394ء سے 1414ء تک):

محمود کا دور حکومت بغاوتوں اور دھڑے بندیوں سے عبارت ہے۔ مالوہ، گجرات اور خاندیش اطاعت سے منحرف ہو گئے۔ دہلی بھی مختلف گروہوں کے درمیان تصادم اور بدامنی کا شکار ہو گیا۔

1398ء میں تیمور کا حملہ:

تیمور ہندوستان میں کابل کے راستے داخل ہوا۔ اسکے پوتے پیر محمد نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ دونوں فوجیں ستلج پر اکٹھی ہو گئیں اور دہلی کا رخ کیا۔ راستے میں آنیوالی ہر آبادی کو تباہ کر دیا۔ محمود تغلق گجرات کی طرف فرار ہو گیا اور تیمور کی فوجیں دہلی میں داخل ہو گئیں۔ شہر کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا گیا۔ اور شہریوں کا قتل عام ہوا۔ منگول میرٹھ پر بھی قابض ہو گئے۔ 1399ء میں منگول ہندوستان کی غارت گری کے بعد کابل کے راستے واپس چلے گئے انکے بار برداری کے جانور اور چھکڑے لوٹ کے مال سے بھرے ہوئے تھے۔ محمود تغلق دہلی واپس آیا اور 1414ء تک وہیں رہا۔

تیمور جاتے وقت خضر خان کو اپنی طرف سے گورنر مقرر کر گیا تھا۔ اس نے سید خضر خان کا نام اختیار کیا اور 1414ء میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ دہلی کی سلطنت محض شہر اور اردگرد کے علاقوں تک محدود رہ گئی تھی۔

خاندان سادات (1414ء تا 1450ء خضر خان 1414ء تا 1421ء):

سید خضر خان بہت معمولی حکمران تھا۔ اس نے گوالیار اور روہیل کھنڈ پر خراج نافذ کر دیا۔

سید مبارک (1421ء تا 1436ء):

1421ء میں سید خضر خان کا بیٹا سید مبارک تخت نشین ہوا۔ اسکے دور میں پنجاب میں زبردست انتشار پھیلا۔ 1436ء میں وہ اپنے وزیر کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اسکی جگہ اسکا بیٹا سید محمد

دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ 1444ء میں سید محمد کی موت پر اسکا بیٹا سید علاؤالدین دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا دارالحکومت دہلی سے بدایوں منتقل کر دیا۔ اسی کے دور میں بہلول خان لودھی پنجاب سے آ کر دہلی پر قابض ہو گیا۔

لودھی خاندان

بہلول لودھی (1450ء سے 1488ء):

بہلول لودھی نے پنجاب کو دہلی کی سلطنت میں ضم کر دیا۔ 1452ء میں جونپور کے راجا نے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں چھڑنے والی جنگ 26 سال تک جاری رہی۔ بالآخر جونپور کے راجا کو شکست ہوئی۔ بہلول نے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اس کی موت کے وقت اس کی سلطنت جمنا سے ہمالیہ تک، مشرق میں بنارس تک اور مغرب میں بندھیل کھنڈ تک پھیلی ہوئی تھی۔

سکندر لودھی (1488ء تا 1506):

1488ء میں بہلول کا بیٹا سکندر لودھی حکمران بنا۔ اس نے بہار کو لودھی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 1506ء میں سکندر کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا۔ ابراہیم ایک تندخو اور سفاک شخص تھا۔ اس نے دربار کے تمام امرا کو قتل کر دیا۔

بابر کی آمد:

1526ء میں مغل خاندان برصغیر میں داخل ہو گیا۔ بابر نے پنجاب کے گورنر کو گرفتار کر لیا اور لاہور پر قابض ہو گیا۔ ابراہیم لودھی کا بھائی علاؤالدین بابر سے مل گیا۔ اسے مغل فوج کے ہراول میں شامل کر لیا گیا۔ ابراہیم لودھی نے اس فوج کا راستہ روکا۔ بابر بذات خود سامنے آیا۔ دونوں فوجوں کا ٹکراؤ پانی پت کے میدان میں ہوا۔ یہ شہر دہلی کے شمال میں دریائے جمنا کے کنارے آباد ہے۔ پانی پت کی یہ جنگ 1526ء میں ہوئی جس میں ابراہیم لودھی کو شکست ہوگئی۔ بابر نے پہلے دہلی اور پھر آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بابر تیمور کی چھٹی پشت میں تھا۔ اسکا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حاکم تھا۔ بابر پہلا مغل حکمران ہے جس نے تزک بابری کے نام سے اپنی سوانح حیات

لکھی۔(اس کا ترجمہ 1826ء میں ہوا۔) 1526ء میں دہلی اور آگرہ کی فتح کے بعد بابر کے بڑے بیٹے ہمایوں نے ابراہیم لودھی کی تمام سلطنت کو زیر کرلیا۔ 30 دسمبر 1530ء کو بابر دہلی میں بخار میں مبتلا ہوکر فوت ہوگیا۔اس کی وصیت کے مطابق اسے کابل میں دفن کیا گیا۔

بابر کے چار بیٹے تھے۔ کامران کابل کا گورنر تھا۔ اس نے باپ کے مرنے کے بعد خودمختاری کا اعلان کردیا۔ ہمایوں دہلی کا فرماں روا تھا اس نے جونپور کی بغاوت کو کچل دیا۔ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ نے بابر کی موت کی خبر سن کر مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

1535ء تک 5 سال کی معرکہ آرائیوں کے دوران ہمایوں نے گجرات کی فوج کا صفایا کردیا۔ 1537ء سے 1540ء تک ہمایوں شیر خان کے ساتھ معرکہ آرائی میں مصروف رہا۔

شیر خان سے شیر شاہ سوری:

لودھیوں کی حکومت ختم ہونے پر شیر خان بابر سے وابستہ ہوگیا تھا۔ اسکی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر بابر نے بہار میں ایک کمان اسکے حوالے کی تھی۔ 1529ء میں محمود لودھی نے بہار پر قبضہ کرلیا تو شیر خان اس سے مل گیا اور محمود کی وفات کے بعد بہار کا خودمختار حاکم بن گیا۔ 1537ء میں ہمایوں شیر خان کی سرکوبی کیلئے بنگال پہنچ گیا۔ جھڑپیں ہوئیں مگر بے نتیجہ رہیں۔ 1539ء میں دریائے گنگا کے کنارے پڑاؤ کے دوران شیر خان نے ہمایوں پر اچانک حملہ کردیا اور ہمایوں بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ شیر خان نے بنگال پر قبضہ کرلیا۔ 1540ء میں شیر خان نے لاہور تک ہمایوں کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ سندھ کی طرف نکل گیا۔ 18 ماہ تک صحراؤں میں بھٹکنے کے بعد ہمایوں اور اسکے ساتھی 14 اکتوبر 1542ء کو عمر کوٹ پہنچے۔ جہاں انکا خیر مقدم کیا گیا۔ یہیں ہمایوں کے حرم کی ایک خوبصورت رقاصہ حمیدہ نے اکبر کو جنم دیا۔

شیر خان نے 1540ء میں دہلی کی سلطنت پر قبضہ کرلیا اور شیر شاہ کے لقب سے ہمایوں کے تمام مقبوضہ جات میں اپنی حکمرانی کا اعلان کردیا۔ وہ چونکہ افغانوں کے قبیلہ ''سُور'' سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی مناسبت سے وہ شیر شاہ سُوری کے نام سے معروف ہوا۔ 1541ء میں شیر شاہ نے مالوہ فتح کیا اور 1544ء میں مارواڑ کو تسخیر کرلیا۔ 1545ء میں وہ چتوڑ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ ایک گولہ پھٹنے سے ہلاک ہوگیا۔ اسکا خاندان 1554ء تک برسرِ اقتدار رہا۔

ہمایوں کی واپسی:

ہمایوں 1542ء میں عمرکوٹ پہنچا تھا۔ وہاں سے وہ قندھار چلا گیا جہاں اس وقت ہمایوں کے بھائی مرزا عسکری کی حکمرانی تھی۔ اس نے ہمایوں کی مدد سے انکار کر دیا۔ قندھار سے ناکام ہو کر وہ ایران چلا گیا۔ 1545ء میں ہمایوں کے شاہ طہماسپ کے ساتھ مراسم اچھے ہو گئے اور اس نے افغانستان پر حملے کیلئے ہمایوں کو 14 ہزار گھوڑے فراہم کیے۔

افغانستان میں داخل ہو کر ہمایوں نے اپنے بھائی مرزا عسکری سے قندھار چھین لیا، ساتھ ہی اسکو معافی بھی دی۔ وہاں سے ہمایوں نے کابل پر لشکر کشی کی جہاں اسکا تیسرا بھائی ھندال اس سے آملا۔ 1548ء میں ہمایوں کا دوسرا بھائی کامران بھی اس سے آملا لیکن 1553ء میں جب وہ پھر سرکشی پر اتر آیا تو اسے قید کر کے اندھا کر دیا گیا۔

1554ء میں ہمایوں نے موقع مناسب جان کر اپنا دہلی کا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کیلئے فوجیں اکٹھی کیں اور کابل روانہ ہوا۔ جنوری 1555ء میں ہمایوں نے پنجاب پر حملہ کر دیا اور پھر کسی دقت کے بغیر لاہور دہلی اور آگرہ کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

خاتمۂ کلام:

کشمیر میں شاہمیری خاندان کے تقریباً سوا دو سو سال کی مستحکم حکومت کے دور میں ہندوستان میں خلجی، تغلق، سادات، لودھی اور مغل و سُوری خاندانوں کی دہلی کے تخت کیلئے محاذ آرائیاں، سازشیں، قتل و غارت، لوٹ مار، شہروں کی تباہی و بربادی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ ہمارے قارئین، خاص کر ہماری نوجوان نسل اپنے مادرِ وطن کی عظمت واستحکام سے شناسائی حاصل کر سکیں۔

اس باب میں دی گئی تفصیلات کیلئے ہم نے کارل مارکس کی معرکہ آرا کتاب ''ہندوستان کا تاریخی خاکہ'' سے استفادہ کیا ہے۔

مغلوں کی مسلسل جارحیت

اور

کشمیر کی غلامی کا آغاز

''عام کشمیری اب بھی اس بات سے بے خبر ہیں کہ کشمیر کو زیر تسلط لانے کیلئے مغلوں کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے۔ ہمارے تعلیم یافتہ افراد نے فارسی یا سنسکرت کی طرف توجہ نہیں دی کہ عوام الناس نہ سہی کم سے کم یہ پڑھے لکھے لوگ ہی جان سکتے کہ کشمیریوں کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کیلئے کتنی جدوجہد کرنی پڑی 1586ء کے بعد کشمیری زبان میں بھی ایسی کوئی تاریخ نہیں لکھی گئی جسکے ذریعہ ہمارے بھائیوں کو یہ پتا لگتا کہ وہ کیا وجوہات تھیں جنکی بنا پر ہم اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ کسی زمانے میں کشمیر پر مسلمان حکمرانی کیا کرتے تھے جن میں چک خاندان آخری حکمران خاندان تھا۔ کشمیر میں پیروں کا ایک طبقہ ہمیشہ موجود رہا ہے جنکو صرف اتنا پتہ ہے کہ چک حکمران حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ کے مخالف تھے۔ ان پیروں کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ سارے چک حکمران حضرت شیخ کے مخالف نہیں تھے۔ دوسرے یہ کہ چک حکمرانوں کے اندر حب الوطنی کا جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ مغل انہیں دیکھ کر دہل جاتے تھے۔ جس وقت حضرت شیخ یعقوب صرفی اور حضرت بابا داؤد خاکی مغل شہنشاہ اکبر کے پاس دہلی گئے تا کہ اسے کشمیر پر حملے کی ترغیب دے سکیں۔ اس سے پہلے 50 سال تک مغلوں نے کشمیر کو فتح کرنے کیلئے کئی بار حملے کئے تھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے تھے۔''(1)

اس میں شک نہیں کہ مغل شہنشاہیت بابر کے زمانہ سے ہی کشمیر کی مملکت کو اپنے زیر اقتدار لانے کیلئے نصف صدی تک بار بار حملہ آور ہوتی رہی ہے اور اسے بار بار ناکامی کا سامنا ہوتا رہا ہے۔ مغلوں کو آخرکار اس وقت کامیابی حاصل ہوئی جب کشمیر کے اس وقت کے چند مذہبی رہنماؤں نے انہیں خود دعوت دی اور اس جارحیت میں انکے مددگار بنے۔

مغلوں کا پہلا حملہ:

دہلی میں لودھی خاندان کے زوال کے بعد مغل بادشاہ بابر نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تو اس نے کشمیر کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرنا چاہا۔ اس نے کوچک بیگ ازبکی اور شیخ علی ترک کی کمان میں ایک لشکر جرار کشمیر کی تسخیر کے لیے بھیجا۔ یہ لشکر نوشہرہ پہنچا تو یہاں کاجی چک ایک پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے آس پاس کے علاقوں سے کچھ فوج اکٹھی کی اور مغل افواج کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ مغل لشکر کے ساتھ پہلا معرکہ یہیں ہوا۔ کاجی چک کے دو بیٹوں حسین خان اور غازی خان نے بہادری کے جوہر دکھائے اور جارح افواج کا ڈٹ کر مقابلہ ہی نہیں بلکہ جوابی کارروائی کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ اس طرح مغل افواج اپنے پہلے حملے میں ناکام رہیں۔ کاجی چک کشمیر آیا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ (2)

مغلوں کا دوسرا حملہ:

مغل خار کھائے بیٹھے تھے۔ کشمیر جیسا چھوٹا ملک تاتاری لشکر کو شکست دے یہ انکی برداشت سے باہر تھا۔ کشمیر اسوقت اندرونی خلفشار کا شکار تھا۔ محمد شاہ کو تخت سے اُتار کر ابراہیم شاہ کو بٹھایا گیا تھا۔ دو کشمیری امیروں علی رینہ اور ریگی چک نے اپنی طرف سے ابراہیم ماگرے کو مدد طلب کرنے کیلئے شہنشاہ بابر کے پاس بھیجا۔ بابر نے ابراہیم ماگرے کی بڑی آؤ بھگت کی اور سلطان ابراہیم شاہ کو تخت سے اتارنے کیلئے 20 ہزار مغل دستے کشمیر بھیجے۔ یہ دستے کشمیر کو خانہ جنگی سے بچانے کیلئے نہیں بلکہ اسے مغل سلطنت کا حصہ بنانے کیلئے بھیجے جا رہے تھے۔ بانگل (BANGIL) کے مقام پر کشمیر کی افواج سے انکا مقابلہ ہوا۔ سینکڑوں مغل سپاہی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ کشمیری کمانڈروں میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کئی کمانڈر مارے گئے اور فوج شکست کھا گئی۔

دولت چک اور کاجی چک نے مشکل سے جان بچائی۔ مغل افواج قتل و غارت کرتی ہوئی سرینگر پہنچ گئیں جہاں ابراہیم شاہ ایک مٹی کے مادھو کی طرح برائے نام حکمران تھا۔ مغلوں نے اسے تخت سے اتار کر محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا اور اس کے پردے میں خود حکمرانی کرتے رہے۔ مغلوں نے کشمیر کے چار حصے کیے اور یہ حصے ملک ابدال، لوہر ماگرے ریگی چک اور علی رینہ نامی نوابوں

میں بانٹ دیے۔ یہ 936 ہجری کا منحوس سال تھا۔ (3)

مغلوں کا تیسرا حملہ:

اگلے سال شہنشاہ بابر کا بھائی کامران مرزا بابر سے اجازت لے کر 30 ہزار سپاہ کے ساتھ پھر حملہ آور ہوا اور نوشہرہ پہنچ گیا۔ یہاں سے مرزا محرم بیگ تاشلقچی اور شیخ علی ازبکی مغل افواج کے کمانڈر مقرر ہوئے۔

کشمیریوں کی سمجھ میں اب آیا کہ مغلوں کے اصل ارادے کیا ہیں۔ چنانچہ وہ آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر بحیثیت ایک قوم کے حملہ آوروں کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کاجی چک میدان میں آیا۔ فوجی حکمت عملی اس طرح ترتیب دی گئی کہ مغلوں کو اتھ واجن (ATH WAJAN) نامی گاؤں تک یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ان کو کسی خاص مقابلے کا سامنا ہو گا۔ بانگل میں مقابلہ ہوا جس میں مغلوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ آخر محرم بیگ اور شیخ علی صلح کے جتن کرنے لگے۔ خانقاہ معلّی میں ایک معاہدہ لکھا گیا۔ جس کے تحت مغل افواج کو کشمیر سے واپس جانا پڑا دولت چک اور ابدال ماگرے نے مغل افواج کو ملک کی سرحدوں سے باہر نکال دیا۔ (4)

مغلوں کا چوتھا حملہ:

شہنشاہ بابر نے اپنے رشتہ دار امیر کاشغر سلطان محمد سعید خان کو کشمیر پر حملے کی ترغیب دی۔ امیر کاشغر نے اپنے پوتے مرزا حیدر کو 14 ہزار پیدل اور سات ہزار سوار فوج کے ساتھ کشمیر کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ کشمیر میں اس وقت محمد شاہ کو پانچویں بار تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ ملک انتشار اور افراتفری کا شکار تھا تاہم کشمیر کے اہم امراء قلعہ ہانجک میں جمع ہوئے اور انھوں نے حیدر مرزا کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن کشمیری "رہنما" مقابلہ نہ کر سکے۔ 1600 سپاہیوں کی ہلاکت کے بعد مقامی فوج پسپا ہو گئی۔ کاشغری افواج تعاقب کرتی ہوئی سرینگر پہنچ گئی۔ چھ مہینے تک یہ افواج تاخت و تاراج کرتی رہیں۔

اہل کشمیر ایک بار پھر کاجی چک کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے اس بار غاصبوں کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کیا۔ اس لحاظ سے کشمیری حریت پسندوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آج سے ساڑھے چار سو سال پہلے انہوں نے غیر ملکی غاصبوں کے خلاف گوریلا طور کی جدوجہد کا طریقہ

اپنایا۔ کشمیری جانباز جنگلوں سے چھپ چھپ کر حملے کرتے رہے۔ کاشغری افواج چھ ماہ بعد صلح پر مجبور ہو گئیں۔ چنانچہ کاشغری افواج لوٹ کھسوٹ کا مال اکٹھا کر کے کشمیر سے رخصت ہو گئیں۔ کسانوں نے اس سال جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہ فصلیں کاشت نہ کر سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں زبردست قحط پڑا اور آبادی کا بڑا حصہ فنا ہو گیا۔ (5)

مغلوں کا پانچواں حملہ:

944 ہجری بمطابق 1537ء میں کشمیر کا بادشاہ محمد شاہ فوت ہوا تو اس کی جانشینی پر امیروں وزیروں میں ٹھن گئی۔ ابدال ماگرے اور ریگی چک فریاد لے کر مغل شہنشاہ ہمایوں کے پاس دہلی پہنچ گئے۔ اس وقت ہمایوں شیر شاہ سُوری سے اپنی جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کئے ہوئے تھا لیکن اس کے باوجود اس نے مرزا حیدر کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

مرزا حیدر لاہور سے کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ خواجہ حاجی بانڈے بھی تھا جس کا مغلوں سے پہلے کوئی گٹھ جوڑ تھا۔ مرزا حیدر 20 رجب 947 ہجری کو کشمیر میں داخل ہوا۔

کاجی چک کشمیر کی حالت دیکھ کر شیر شاہ سُوری سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا۔ شیر شاہ ہندوستان میں مغلوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا اس لیے وہ صرف پانچ ہزار سپاہ بھیج سکا۔ کاجی چک یہ دستے لے کر مرزا حیدر کو کشمیر سے بے دخل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دونوں کے درمیان واہ تور کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ کاجی چک کو شکست ہو گئی اور مرزا حیدر نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔

کاجی چک نے اس کے بعد بھی مغلوں کے خلاف مختلف مقامات پر اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ آخر تھنہ کے مقام پر کشمیر کا یہ عظیم مجاہد ملیریا میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

مرزا حیدر کے دور میں کشمیر میں فرقہ پرستی نے بہت زور پکڑا۔ شیعہ سنی فرقہ وارانہ منافرت کی ایسی آگ بھڑکی جس نے کئی صدیوں تک معاشرے کو مسموم کیے رکھا۔ مرزا حیدر نے اپنی سنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سکردو سے شیعہ عالم میر شمس الدین عراقی کے بیٹے میر دانیال کو گرفتار کیا۔ سال بھر جیل میں رکھ کر اس کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے اسے قتل کرایا۔ اس قتل نے کشمیر کی آئندہ تاریخ پر بہت سنگین اثرات چھوڑے۔

کشمیر میں مرزا حیدر کے دس سال اسی فتنہ و فساد کی نذر ہو گئے۔ آخر میں اس کے پاس صرف آٹھ سو رسالہ فوج باقی بچی جسے کشمیریوں نے "واہ تور" کے مقام پر حملہ کر کے ختم کر دیا۔ اس

جنگ میں مرزا حیدر بھی تہہ تیغ ہو گیا۔ اس نے کشمیریوں کے ساتھ اتنے ظلم روا رکھے تھے اور کشمیریوں کو اس سے اس قدر نفرت تھی کہ اس کی تدفین کے لیے جگہ نہ ملی۔ پانچ روز بعد سیّد محمد بیہقی کی مداخلت پر اس کی تدفین ہوئی۔ (6)

مغلوں کا چھٹا حملہ:

1554ء (961ہجری) میں کشمیر میں شہمیری خاندان کے دو سو سولہ (216) سال کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور چک خاندان بر سرِ اقتدار آیا۔

چک خاندان کو گرانے کیلئے ایک کشمیری لیڈر رعبدی رینہ کا بیٹا شمس رینہ دلّی کی طرف دوڑ پڑا۔ ان ہی دنوں مغل شہنشاہ ہمایوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ ماتمی ماحول ہونے کے باوجود مغل دربار نے مرزا ابو المعالی کو مغل افواج کے ساتھ کشمیر کو تسخیر کرنے کیلئے بھیجا۔ ھانزہ ویر (HANZAWEER) کے مقام پر مغل اور کشمیری افواج کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف سے 4ہزار سپاہی مارے گئے۔ کشمیریوں نے 1700 جنگی قیدی پکڑے، جن میں شمس رینہ بھی تھا۔ اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ مغلوں کو شکست فاش ہوئی جسکی یاد عرصہ تک انکے حلق میں پھانس بنی رہی۔ (7)

مغلوں کا ساتواں حملہ:

اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے مرزا حیدر کا بھتیجا قراء بہادر ایک بھاری فوج لے کر کشمیر روانہ ہوا۔ اہل کشمیر کو جونہی خبر ہوئی کہ مغل کشمیر پر پھر حملہ کرنے لگے ہیں، تو وہ ایک بار پھر غازی چک (کاجی چک کے بیٹے) کے گرد جمع ہو گئے۔ بہرام گلہ کے مقام پر مغلوں سے مقابلہ ہوا۔ حسب سابق مغلوں کو زبردست شکست ہوئی۔ غازی خان (غازی چک) ایک بار پھر قومی رہنما اور ہیرو بن گیا۔ تھوڑے عرصے بعد اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور اس کی جگہ اس کا بھائی حُسین خان چک تخت پر بیٹھا۔ غازی چک نے اپنے والد کاجی چک کی روایت کو قائم رکھا۔ نوشہرہ میں پناہ گزینی کے دوران اس نے نوجوانی میں اپنے والد کے ساتھ مل کر مغلوں کو اس قسم کی شکست سے ہمکنار کیا تھا اور بادشاہ بننے کے بعد اب پھر بہرام گلہ میں ان کو شکست سے دوچار کیا۔

کشمیر کے نامور دانشور پروفیسر محی الدین حاجنی اس بات پر نہایت افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے مؤرخ ان دونوں باپ بیٹوں کو مغلوں کو بار بار شکست سے دوچار کرنے کا وہ

کریڈٹ نہیں دیتے، جس کے وہ حقدار ہیں۔(8)

مغلوں کا آٹھواں حملہ:

کشمیر کے فرمانروا یوسف شاہ چک کو دارالحکومت میں مغل شہنشاہ اکبر کا ایک شاہی فرمان پہنچا جس میں یوسف شاہ کو حکم دیا گیا کہ وہ شہنشاہ کی بارگاہ میں فرش بوسی کے لئے حاضر ہو جائے۔ خط میں تحریر تھا:

''ہمارے پاس بہت عرصہ سے آپکی مملکت سے کوئی خیر خبر نہیں پہنچی وغیرہ''(9)

گویا مغلوں نے از خود ہی کشمیر کو مغلوں کی زیر نگیں مملکت تصور کر لیا تھا۔ یوسف شاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کا اجلاس طلب کیا اور معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ درباریوں کی متفقہ رائے سے خاص کر وزیر اعظم مرزا قاسم کے مشورہ سے شہزادہ یعقوب خان کو تحائف دے کر اکبر کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ ان تحائف میں چالیس شالیں ایک سو تیز رفتار گھوڑے اور زعفران شامل تھا۔

مغل شہنشاہ کو یہ بات کچھ پسند نہ آئی شہزادہ یعقوب کا کوئی خاص استقبال نہیں کیا گیا۔ اس نے یہ ساری صورتحال اپنے والد کو لکھ کر بھیج دی۔ اکبر بادشاہ کابل کی تیاریوں میں تھا۔ اس نے شہزادہ یعقوب خان کو اپنے ساتھ لیا۔ لدھیانہ پہنچ کر اس نے حکیم علی اور صالح عاقل نامی دو اشخاص کو یہ حکم دے کر کشمیر روانہ کیا کہ یوسف خان کو اصالتاً لاہور حاضر کریں۔

یعقوب خان نے جونہی اکبر کے یہ تیور دیکھے وہ ان قاصدوں سے پہلے ہی اجازت لیے بغیر کشمیر روانہ ہو گیا اور اپنے والد کے پاس پہنچ کر اکبر اعظم کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ یعقوب خان کے اس طرح سے جانے سے اکبر آگ بگولہ ہو گیا۔ ادھر اسکے قاصدوں نے سرینگر سے اسے یہ اطلاع بھیجی کہ یوسف شاہ اکبر شاہی دربار میں حاضر ہونے سے ٹال مٹول کر رہا ہے۔ اکبر کیلئے اتنا ہی کافی تھا اس نے راجہ بھگوان داس کو چالیس ہزار افواج کے ساتھ کشمیر پر حملے کا حکم دیا۔

یوسف شاہ نے مقابلہ کی تیاریاں کر لیں اور خود 12 ہزار شاہسوار اور 30 ہزار پیادہ فوج لے کر اوڑی کے قریب ''کوارمست'' نامی مقام پر پہنچا۔ پہاڑی راستوں پر یوسف شاہ نے فوجی دستے مقرر کیے۔ ''بولیاس'' کے مقام پر کشمیریوں نے مغل افواج کے دستے کو شکست دی۔ ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی جس کی وجہ سے مغل افواج کا شیرازہ بکھر گیا۔(10)

اب راجہ بھگوان داس نے ایک ڈپلومیسی اختیار کی۔ اس نے یوسف شاہ کے پاس قاصدوں کے ذریعے پیغام بھجوائے کہ اگر اس بار مغلوں کو شکست ہوئی تو کیا ہوا۔ اگلی بار اکبر ایک لاکھ سپاہ

کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔ان کے پاؤں کشمیر کی سرزمین کو روند ڈالیں گے۔ساتھ ہی وہ یوسف شاہ پرزور دیتا رہا کہ آپ ایک بار شہنشاہ اکبر کی ملاقات کے لیے چلے جائیں تو نہ آپ کے ملک پر قبضہ ہوگا نہ ہی آپ سے حکمرانی چھینی جائے گی۔ یوسف شاہ اپنے فوجی کمانڈروں وزیروں اور رشتہ داروں سے پوچھے بغیر بھگوان داس کی تجویز کے مطابق اکبر کی ملاقات کو چل پڑا۔

یوسف شاہ اکبر کے دربار میں پہنچا تو اس نے فوراً ہی یوسف شاہ کو بیڑیاں پہنا کر لاہور کی جیل میں ڈال دیا۔(ایک اطلاع کے مطابق یوسف شاہ کو روہتاس کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا) راجہ بھگوان داس نے یوسف شاہ کو جان اور حکمرانی کے تحفظ کا یقین دلایا تھا۔یہ عہد شکنی دیکھی تو اس غیرت مند راجپوت نے خودکشی کر لی۔(11)

بعد میں راجہ مان سنگھ (بھگوان داس کے بیٹے) نے اپنے بہنوئی اکبر اعظم کے پاس سفارش کر کے یوسف شاہ کو قید سے رہائی دلائی اور صوبہ بہار میں مختصری جاگیر عطا کی جہاں اس نے زندگی کے بقیہ ایام گزارے۔چند سال بعد یوسف شاہ خالق حقیقی سے جاملا۔آخری ایام میں اسے عارضہ دماغ لاحق ہو گیا تھا۔(12)

ساڑھے تین سو سال بعد ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں بسواک میں کشمیر کے آخری خودمختار تاجدار کی قبر دریافت ہوئی ہے جس پر حکومت جموں کشمیر نے مقبرہ بنوایا ہے۔

حوالہ جات:

1.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 5
2.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 120
4،3.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 122
5.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 123
6.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 126
7.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 128
8.	پروفیسر محی الدین حاجنی	مقالات	صفحہ 129
9.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 479
10.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 481
12،11.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 483

مغل حکمرانی کا دور

1586ء سے 1752ء

جلال الدین محمد اکبر:

مغل خاندان کا جدِ امجد امیر تیمور تھا۔ 1398ء میں جب کشمیر پر سلطان سکندر شاہ میری کی حکمرانی تھی، امیر تیمور نے جنوبی ایشیا پر یلغار کی۔ سلطان سکندر کے ضمن میں اس کا ذکر آ چکا ہے تیمور نے 11 بیٹے چھوڑے تھے۔ اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ اس کے بیٹوں میں سے ایک عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حکمران بنا۔ 1483ء میں عمر شیخ مرزا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ظہیر الدین محمد بابر رکھا گیا۔

بابر کا پوتا جلال الدین اکبر 1542ء میں امر کوٹ میں پیدا ہوا۔ 1554ء میں اس نے دہلی کا تخت سنبھالا۔ چک حکمرانوں کے آخری دور میں کشمیر کے اندرونی حالات انتہائی ابتر ہو چکے تھے۔ شیعہ سنی منافشات نے امن وامان کو پارہ پارہ کر رکھا تھا۔ کشمیری عوام حالات کو سدھار نہ سکے تو ان کے علماء کا ایک وفد شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی کی قیادت میں دہلی پہنچا اور اکبر سے چکوں کی ظالمانہ حکومت سے نجات دلانے کی درخواست کی۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر انہوں نے مغلیہ حکومت سے ایک معاہدہ پر دستخط کرائے جس میں حسب ذیل شرائط شامل تھیں:

1. مغل حکمران مذہبی معاملات، اشیاء کی خرید وفروخت اور خوردنی اجناس کی شرح میں مداخلت نہیں کریں گے۔
2. اس ملک (کشمیر) کے باشندوں کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا ان سے جبریہ بیگار نہیں لی جائیگی۔
3. کسی کشمیری مرد یا عورت کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان غلام نہیں بنایا جائے گا۔
4. امرائے کشمیر کو جو سارے فساد کی جڑ ہیں ملکی انتظام میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (1)

مورخ پریم ناتھ بزاز نے اس معاہدے کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس معاہدے کی دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کی نوعیت سراسر غیر مذہبی ہے۔ غرض وغایت تمام کشمیریوں کی آزادی کا بلاتفریق مذہب وملت کا تحفظ کرنا ہے۔ دوئم یہ کہ یہ عامتہ الناس کی بہتری اور ہمدردی کے مقصد سے واسطہ رکھتا ہے اسکا اونچے طبقے کے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" (2)

حال ہی میں روزنامہ "ڈان" کراچی کے ہفت روزہ ایڈیشن مؤرخہ 8 فروری 2004ء میں ایک بھارتی قلمکار پرویز دیوان نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ

"مغلوں نے ابتدائی 3 سال (1586ء سے 1589ء) اپنے تسلط کو استحکام دینے میں لگا دیے۔ انہوں نے ہر قسم کے اسلحہ جات پر مکمل پابندی لگادی جن میں باورچی خانے میں استعمال ہونیوالی بڑی چھریاں بھی شامل تھیں۔ انہوں نے ہر گھر کی تلاشی لی۔ خاص طور پر گھروں کے تہہ خانوں کی، جہاں وہ سمجھتے تھے کہ اسلحہ چھپایا ہوگا۔ 1589ء کے اختتام پر کشمیر کے میدانوں میں کسی فرد بشر کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں چھوڑا گیا۔" (3)

اس طرح 28 جون 1586ء کو مغل شہنشاہ کے لشکر کشمیر میں داخل ہو گئے۔ کسی نے مزاحمت نہیں کی اور کشمیر مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ مغل حکمرانی 166 سال یعنی 1752ء تک قائم رہی۔ کشمیر پر اکبر کی حکمرانی 19 سال ایک ماہ اور 12 دن قائم رہی اس دوران اکبر نے حکمرانی کا انتظام چلانے کے لیے حسب ذیل گورنروں (صوبیداروں) کا تقرر عمل میں لایا۔

1. مرزا قاسم خان میر بحر	1586ء سے 1587ء تک	11 ماہ
2. سید یوسف خان رضوی	1587ء سے 1590ء تک	3 سال 6 ماہ
3. محمد قلی خان	1590ء سے 1601 تک	11 سال
4. مرزا علی اکبر	1601ء سے 1606ء تک	4 سال 8 ماہ

مرزا قاسم خان میر بحر نے 17 ذی قعد 994 ہجری (1586ء) کو سری نگر میں داخل ہو کر اکبری جھنڈا الہرایا۔ اکبر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یعقوب شاہ شکست کھا کر کشتواڑ چلا گیا اور راجہ بہادر سنگھ والئی کشتواڑ کے ہاں پناہ لی۔ راجہ نے اسکی حالت پر افسوس کیا اور غیرت دلائی۔ چنانچہ یعقوب شاہ دوبارہ کشمیر چلا آیا کشمیریوں کی بھاری جمعیت اسکے گرد جمع ہوگئی۔ یوسف خان، ابراہیم چک علی ملک وغیرہ اسکے ساتھ شامل ہوگئے۔ چنانچہ مغلوں کے خلاف جگہ جگہ پر میدان

کارزار گرم ہو گیا۔ ڈھائی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (4)

مرزا قاسم خان نے تنگ آ کر صورت حال سے اکبر کو آگاہ کیا۔ جس نے یوسف خان رضوی کو 40 ہزار کا لشکر دے کر کشمیر بھیج دیا۔ ساتھ ہی اس نے سید مبارک خان محمد بٹ اور خلیل بابا (کشمیری امراء) کو خطابات اور مراعات سے نوازا اور یوسف خان رضوی کے ساتھ کشمیر بھیجا۔ یعقوب شاہ سید ابوالمعالی اور ایبہ خان کو لے کر پھر کشتواڑ کی طرف نکل گیا۔

مغلوں کے خلاف ان کاروائیوں میں یوسف خان ،علی چک ، ابراہیم چک سید عبدالمعالی، علی میر، شمس چک، سید حسین بیہقی، شمس ڈالی، احمد نائک، یوسف رشی اور دیگر محب وطن عناصر نے یعقوب شاہ کا برابر ساتھ دیا اور نہایت بے جگری سے لڑتے رہے۔ جگ موہن لکھتے ہیں:

> ''یعقوب شاہ آہنی اعصاب کا مالک تھا۔ وہ اکبر کا دلیری سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کشمیر کی سلطنت کو اندرونی سازشوں نے کمزور کر رکھا تھا۔ یعقوب شاہ کے سنّیوں کے ساتھ جبر و تشدّد کے ناروا سلوک نے آبادی کے بڑے حصّے کو اسکے خلاف کر رکھا تھا اسلئے مغل افواج کو 14 اکتوبر 1586ء کو سری نگر پر قبضہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔''(5)

امراًرفتہ رفتہ مغلوں سے ملنے لگے۔ رضوی نے سیف خان بیہقی، علی خان دچھن پارا اور ایبہ ملک کو گرفتار کر کے سب کی آنکھیں نکلوا دیں۔ لوہر چک کو دار پر چڑھایا گیا۔ بہرام نائک اور اس کے بیٹے زہر کھا کر ہلاک ہو گئے۔ (6)

اکبر نے 1587ء میں جو کہ اسکی تخت نشینی کا 33 واں سال تھا، کشمیر کا ارادہ کیا۔ پہاڑی راستوں کی مرمت کیلئے 3 ہزار سنگ تراش اور 2 ہزار بیلدار روانہ کیے گئے۔ بادشاہ کے ساتھ وزراً اور امراً کی ایک جماعت تھی۔ یہ لوگ بھمبر اور راجوری ہو کر تھنہ پہنچے جو پیر پنجال کے دامن میں ایک سرد قصبہ ہے۔ یہاں سے کشمیری لباس اور کشمیری زبان شروع ہوتی ہے۔ بہرام گلہ سے آگے برف پر پُولیس پہن کر گزرنا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے بھی پُولیس پہنیں۔ (7)

یعقو شاہ نے بادشاہ سے معافی مانگی۔ بادشاہ نے معافی کے ساتھ 20 ہزار روپے کی جاگیر عطا کی۔ لیکن مان سنگھ کی نگرانی میں رکھا۔ 1593ء میں اس نے انتقال کیا۔ اکبر بادشاہ ایک ماہ پانچ دن کی سیاحت کے بعد اننت ناگ، بیج بہاڑہ اور پانپور وغیرہ کو سر کر کے براستہ بارہ مولہ واپس ہوا۔

اکبر کا دوسرا سفر کشمیر:

اکبر دوسرے سال بھی حرم کو ساتھ لے کر براستہ راجوری کشمیر روانہ ہوا۔ ادھر کچھ دنوں سے ایک شخص مرزا یادگار نے بغاوت کر کے اپنا سکّہ اور اپنا خطبہ جاری کر رکھا تھا۔ اسے گرفتار کر کے اور اس کا سر کاٹ کر اکبر کے گھوڑوں کے پاؤں میں ڈال دیا گیا۔ جس سے اکبر کو بہت خوشی ہوئی۔ اس بار بادشاہ کا طلادان کیا گیا۔ ابوالفضل نے 14 ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ

''اس ملک میں بہ نسبت ہندوستان کے چور اور گداگر بہت کم نظر آتے ہیں۔''(8)

اکبر راجپوتوں سے شادیاں کر کے انہیں اپنے حلقۂ اطاعت میں لایا کرتا تھا۔ کشمیر میں اس نے دیوالی کے جشن کے موقع پر شمس الدین چک کی بیٹی سے شادی کر لی اور شہزادہ سلیم کی شادی حسین چک کی بیٹی سے کی گئی۔(9)

اکبر نے ہری پربت پر ایک شاہی محل اور قلعہ تعمیر کرنے کا حکم جاری کیا۔ 12 ربیع الاوّل 1001ھ، اکبر واپس لاہور پہنچ گیا۔ ٹوڈرمل نے کشمیر کا بندوبست مالیہ سرانجام دیا۔

محمد قلی خان۔ گورنر:

1590ء میں محمد قلی خان کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ اس نے بغاوتوں اور سرکشیوں (دوسرے الفاظ میں کشمیریوں کی تحریک مزاحمت) کے خاتمہ کیلئے اپنی حکمت عملی ترتیب دی۔ پرگنہ دچھن پارہ میں ''مفسدوں'' کی ایک بھاری جماعت کو شاہی ملازمت کی ترغیب دے کر چشمہ مچھ بھون پر جمع کیا گیا اور پھر انہیں ملک عدم کو روانہ کر دیا گیا۔ اسی طرح حسین چک اور شمس چک کو موضع رنگر پورہ بلا کر ملا جمیل کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔(10)

محمد قلی خان نے پرگنہ کھوئی ہامہ کے کوہ شیر کوٹ پر ایک کمین گاہ بنائی۔ جہاں سینکڑوں ''قزاقوں'' کے سر کاٹ کر ایک مینار تیار کیا گیا۔ خصوصاً چک خاندان کے لوگوں کو اس نے ایسا ذلیل و خوار کیا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ملازمتیں کرنے پر مجبور ہو گئے۔(11)

اکبر کا آخری سفرِ کشمیر:

1005 ہجری میں ایک بار پھر اکبر کشمیر کی سیاحت کو آیا۔ ان ہی دنوں ایک غوری چالباز نے

[نقشہ نمبر 10]

17ویں صدی کا جنوبی ایشیاء

1605ء

1504ء میں چنگیز خان اور تیمور کی نسل کے ایک شہزادے بابر نے کابل کی بادشاہت حاصل کی۔ اور 1522ء میں اس نے قندھار کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ پنجاب میں ابراہیم لودھی کے گورنر دولت لودھی نے بابر کو حملے کی دعوت دی اور چتوڑ کے رانا سانگا نے اسکی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ 1526ء میں بابر نے حملہ کر کے ابراہیم لودھی کو پانی پت کی پہلی جنگ میں شکست دے کر قتل کر دیا۔ اسکے بعد اس نے دہلی اور آگرہ میں تصرف حاصل کرلیا۔

بابر نے 1530ء تک اپنی وفات سے قبل سارے ہندوستان کو اپنے زیر نگیں کرلیا۔ اسکے بیٹے ہمایوں کو 9 سال بعد قنوج کے مقام پر شیر شاہ سوری نے شکست دے کر بے دخل کر دیا۔ اس طرح ایک بار پھر ہندوستان 1540ء میں افغان حکمرانوں کے تسلط میں چلا گیا۔ ان کا یہ تسلط 1555ء تک قائم رہا۔

ہمایوں 1540ء میں شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران بھاگ گیا تھا۔ 1555ء میں اس نے ایران کی مدد سے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور سرہند کے مقام پر جنگ میں فتح حاصل کر کے دوبارہ ہندوستان کا اقتدار سنبھالا۔ ہمایوں کے بعد اس کا بیٹا اکبر تخت پر بیٹھا اس نے 1556ء سے 1605ء تک حکمرانی کی۔

1586ء میں اکبر نے کئی حملوں میں ناکام رہنے کے بعد آخر کار کشمیر کو تسخیر کرلیا۔ اس بار کشمیر کے لیڈروں نے خود دعوت دے کر اسے بلایا تھا۔ اس طرح کشمیری قوم پہلی مرتبہ غلامی کی دلدل میں پھنس گئی۔ کشمیر مغل سلطنت کا 17 واں صوبہ قرار پایا اور اس طرح اسکی اپنی شناخت بھی ختم ہوگئی۔ مغل خاندان کا تسلط 1753ء تک 167 سال قائم رہا۔ کشمیر پر 1554ء سے چک خاندان کی حکمرانی تھی جو 1586ء میں شہنشاہ اکبر کی فوج کشی کے بعد ختم ہوگئی۔

اکبر نے اپنی سلطنت کو 18 صوبوں میں تقسیم کرلیا جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ کابل	2۔ لاہور	3۔ ملتان	4۔ دہلی
5۔ آگرہ	6۔ اودھ	7۔ الہٰ آباد	8۔ اجمیر
9۔ گجرات	10۔ مالوہ	11۔ بہار	12۔ بنگال
13۔ خاندیش	14۔ برار	15۔ احمد نگر	16۔ اڑیسہ
17۔ کشمیر	18۔ سندھ		

خود کو تیموری نسل سے ظاہر کر کے مرزا سلیمان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ کئی ہزار بدخشی اور کشمیری اسکے گرد جمع ہو گئے۔ اس کے رازداروں میں سے کئی نے اسے دھوکے سے گرفتار کر کے صوبیدار محمد قلی خان کے سامنے پیش کیا۔ محمد قلی خان نے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا جس نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔

کشمیر میں اس سال ایک ہلاکت خیز قحط پڑا۔ جس نے ساری آبادی کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ قحط اس قدر شدید تھا کہ غریب کسانوں نے مٹھی بھر دانوں کیلئے اپنے بچوں کو بیچ ڈالا۔ شہنشاہ نے بھوک سے مرتے لوگوں کی امداد کیلئے سیالکوٹ اور لاہور سے غلّہ بھجوایا۔ (12)

ہر اتوار کو عیدگاہ کے میدان میں 80 ہزار بھوکوں اور ''کنگلوں'' کی خورد و نوش کا انتظام کیا جاتا رہا۔ قلعہ ناگرنگر میں سابق گورنر یوسف خان نے کئی محل بنوائے۔ ایک محل میں 300 سیڑھیاں تھیں۔ 13 بھادوں کو کشمیری عوام دریائے جہلم کا جنم دن مناتے ہیں۔ بادشاہ نے اس جشن میں شرکت کی۔ (13)

تبت خورد کے حاکم علی رائے نے بادشاہ کے پاس ایلچی بھیجا کہ شہزادہ سلیم کیلئے اسکی بیٹی منظور کی جائے۔ بادشاہ نے منظور کیا اور لڑکی کا بیاہ سلیم سے ہو گیا۔

زعفران کا محصول پہلے 7 ہزار ترکھ سے 20 ہزار ترکھ ہوا کرتا تھا۔ (ایک ترکھ 6 سیر کے برابر ہوتا ہے۔ 16 ترکھ کی ایک خروار ہوئی ہے۔ کشمیر میں یہی اوزان مروّج رہے ہیں)۔ مرزا حیدر کے زمانے میں یہ محصول 26 ہزار ترکھ تک پہنچا اور مغل زمانہ میں یہ 90 ہزار ترکھ تک پہنچ گیا۔ (14)

1605ء میں اکبر کا انتقال ہو گیا اور نورالدّین جہانگیر تخت نشین ہو گیا۔

نورالدّین جہانگیر شاہ:

جہانگیر 1605ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے 22 سال تک حکمرانی کی۔ جہانگیر کو کشمیر سے حد درجہ عشق تھا۔ کشمیر کی تعریف میں اس نے لازوال الفاظ میں کہا:

> ''کشمیر ایک سدا بہار باغ ہے۔ ایک آہنی حصار قلعہ ہے۔ بادشاہوں کیلئے ایک گلشن مسرت افزا ہے اور درویشوں کیلئے ایک خلوت کدۂ دل کشا ہے۔''

اسے کشمیر کی تاریخ سے بہت دلچسپی تھی اور اس میں تحقیق و تجسّس کا مادہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ اس نے لکھا:

''کشمیر پر چار ہزار سال تک ہندو راجے حکومت کرتے رہے ہیں اور ورودِ
اسلام کے بعد 28 مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی ہے۔''

جہانگیر کی تحقیق کے مطابق اس زمانے میں کشمیر میں سارا کاروبار کشتیوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ ملک میں 5070 کشتیاں تھیں اور ملاحوں کی تعداد 7400 تھی۔

جہانگیر کے دورِ حکومت میں سری نگر میں آگ لگ گئی جس میں 12 ہزار گھر جل کر خاک ہو گئے۔ سری نگر کی جامع مسجد بھی جل گئی۔ جہانگیر نے مسجد کی تعمیر نو کا حکم دیا جو 17 سال میں مکمل ہوئی۔ ملکۂ نور جہاں کے حکم پر خانقاہ زڈی بل دوبارہ تعمیر کی گئی اور خانقاہ معلیٰ کے سامنے پتھر مسجد کی تعمیر ہوئی جو اب تک موجود ہے۔ (15)

جہانگیر سفر کی تکالیف سے آشنا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ کشمیر سے انتہائے کوہستان تک ہر منزل پر بادشاہ اور اس کے حرم کیلئے ایک ایک عمارت عالیشان تعمیر کی جائے۔ (16)

جہانگیر 1626ء میں چوتھی بار علیل ہو کر اور پنجاب کی گرمی سے تنگ آ کر کشمیر آ گیا۔ یہاں آ کر بھی اسکی طبیعت بدستور خراب رہی۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ پیش آ گیا۔ کسی نوجوان نے ایک زندہ ہرن پکڑا۔ انعام کے لالچ میں ہرن کے گلے میں رسی باندھ کر بادشاہ کے پاس لا رہا تھا کہ رسی ٹوٹ گئی اور شکار بھاگ گیا۔ جبکہ نوجوان اسی طرح لڑھکتا ہوا جہانگیر کے قدموں میں آ گرا اور اس کی جان چلی گئی۔ اس واقعہ سے بادشاہ کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ اسی وقت کوچ کا فیصلہ کیا۔ 2 صفر 1046 ہجری 1627ء رات کو اس کا انتقال ہو گیا۔

''خرد گفتا جہانگیر از جہاں رفت'' تاریخ وفات (1036 ہجری ٹھہری)

مغلوں کی طرف سے کشمیر میں مقرر کیے جانے والے صوبیداروں میں سے بیشتر ظالم اور بے رحم تھے ان میں سے ایک اعتقاد خان تھا جس کا تقرر جہانگیر کے عہد حکومت میں 1622ء میں ہوا اور 11 سال کے بعد شاہجہان نے اسے اس عہدے سے برطرف کر دیا۔ وہ انتہائی سخت گیر اور ظالم آدمی تھا۔ اس نے چکوں کو بہت ستایا۔ گروہ در گروہ چک گرفتار کر کے قتل کرائے۔ اسی طرح قلیچ خان اور سعادت خان نے نہ صرف معزول چکوں کو بلکہ دوسرے کشمیری آزادی خواہ امراء کو تشدد کے ساتھ دبایا۔ اس نے وطن پرستی کا جذبہ رکھنے والے ہندوؤں کو بے حد رُسوا کیا۔ اعتقاد خان نے محنت کش اور زراعت پیشہ طبقہ پر غیر ضروری پابندیاں عاید کیں اور ٹیکس لگائے۔ اس نے باغات پر قبضہ کیا۔ وہ زعفران پیدا کرنے والی ساری زمین کو سرکاری تصرف میں لے آیا۔ وہ پھلوں کے تیار ہو

جانے کے موقع پر اپنے اہلکار متعین کر دیتا تھا اور پیداوار کا بہترین حصہ وہ اپنے لئے حاصل کرتا تھا۔ کشمیریوں نے ان سختیوں سے بچنے کیلئے اپنے باغات خود ہی ویران کر دیئے۔ (17)

جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں سماجی حالت کی طرف توجہ دے کر بعض رسموں پر پابندی لگادی۔ اس نے 1619ء میں دختر کشی کی مذموم رسم کو بند کرایا۔ یہ رسم (پیدا ہوتے ہی لڑکی کو مار دینا) ہندوؤں میں ہی نہیں بلکہ بعض مسلمانوں میں بھی رائج تھی۔ اسطرح اس نے راجوری میں مسلمان عورتوں کو متوفی شوہر کے ساتھ زندہ دفن کرنے کی رسم کو بند کرایا یہ رسم ہندوؤں کی رسم ستی کی مانند تھی۔ (18)

شاہجہان کا دورِ حکومت:

شاہجہان 1627ء میں تخت نشین ہوا اور 31 سال حکمرانی کی۔ اسے امور ملکی سرانجام دینے میں ملکہ حاصل تھا۔ اس نے 24 کروڑ روپے کے خرچہ سے تخت طاؤس بنوایا۔ پہلے مرحلہ میں اس نے خانہ جنگیوں کا تدارک کیا۔ نور جہاں کو 50 لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر دے کر کاروبار حکومت سے بالکل الگ کر دیا۔ اس نے کئی بار کشمیر کی سیاحت کی۔

1658ء میں وہ بیمار ہو گیا۔ اسکے بیٹوں داراشکوہ، اورنگ زیب اور مراد میں تخت نشینی کیلئے لڑائی چل رہی تھی۔ اورنگ زیب نے اسکی بیماری کو غنیمت جانا، عیادت کیلئے آیا اور شاہجہان کو قلعۂ اکبر آباد میں قید کر کے اور خود تخت سنبھال بیٹھا۔ شاہجہان نے 8 سال قید رہ کر 1676ء میں اپنی بیٹی جہاں آراء بیگم کے سامنے انتقال کیا۔ (19)

شاہجہان کے عہد میں ظفر خان احسن پہلا گورنر بنا اور سات سال تک اسی منصب پر فائز رہا۔ ظفر خان نے اعتقاد خان کے وقت کے مظالم کی فہرست بنا کر بادشاہ کو پیش کی۔

شاہجہان دوسری بار 1638ء میں براستہ پونچھ کشمیر آیا۔ اس کے ساتھ روم کا سفیر بھی تھا اور کچھ دوسرے ممالک کے سفیر بھی تھے۔ اسکے بعد کشمیر میں ایک بڑا سیلاب آیا جس میں 8487 گھر تباہ ہو گئے۔ عوام کی ایک بڑی تعداد، بعض اطلاعات کے مطابق 30 ہزار افراد فریاد لے کر دلی گئے۔ بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ بطور امداد مرحمت کیا۔ (20)

ظفر خان دوسری بار 1642ء میں گورنر ہو کر کشمیر آیا اور یہاں چار سال رہا۔ اسی سال شاہجہان بھی تیسری بار کشمیر آیا۔ سری نگر میں ایک جشن منعقد کیا گیا جس میں شعراء نے قصائد پڑھے۔ ملا ندیم کشمیری نے ایک یادگار قصیدہ پیش کیا جس میں اعتقاد خان کے مظالم اور رعایا کی

بدحالی کا نقشہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں: (21)

سرورا، دانش پژوہا، داورا، دین پرورا
اہل کشمیر اند در دیواں عدالت داد خواہ
آں ستم کیشے کہ کاہے را عوض بگرفتہ کوہ
آں جفا جوئے کہ کوہے را بدل نادادہ کاہ
آں یکے از بند محنت ماندچوں یونس بحوت
ایں دگر در کنج غم افتادہ چوں یوسف بچاہ
زعفراں گویند خنداں ساز د اندوہ ناک را
آمدند از زعفراں در گریہ جمع بے گناہ
زیر دست آزارئے ظاہر کہ در کشمیر شُد
نے زنیشاپور، نہ بلخ آں شُد نہ درمر و و فراہ

''ترجمہ: اے بادشاہِ سرور و داور اور دین پرور، اہلِ کشمیر تیرے دیوان عدالت میں انصاف کے طلبگار ہیں۔ وہ ستم گر کہ جس نے ایک تنکے کے بدلے ہم سے پہاڑ جتنے معاوضے وصول کیے اور وہ ظالم جس نے ہماری پہاڑ جتنی اشیاء کے بدلے تنکے جتنا معاوضہ بھی نہ دیا۔

ایک وہ ہے جو مصیبت میں یوں گھرا ہوا ہے جیسے حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں ہیں اور دوسرا وہ ہے جو غم کے شکنجہ میں یوں گرفتار ہے جیسے یوسفؑ گہرے چاہ کے اندر۔ ایک یہ ہے جو خاک وخوں میں یوں لتھڑا ہوا ہے جیسے کوئی زخمی شکار، دوسرا وہ ہے جو پیچ وتاب میں یوں پڑا ہوا ہے جیسے شعلے کی تپش سے گھاس کا تنکا۔

کہتے ہیں کہ زعفران غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے شخص کو ہنسنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہاں تو بے گناہ لوگوں کی ایک جماعت زعفران کے کھیت سے روتی ہوئی آئی ہے۔

دبے اور پسے ہوئے لوگوں کو ستانے کی جو مثال کشمیر میں ظاہر ہوئی ہے، نہ نیشاپور میں ہوئی ہے نہ بلخ میں نہ مرو میں اور نہ فراہ میں۔''

[نقشہ نمبر 11]

1700 عیسوی کا جنوبی ایشیاء

1700ء تک ہندوستان میں متعدد یورپی نوآبادیاں قائم ہوچکی تھیں۔اس منظر میں سب سے پہلے پرتگالی نمودار ہوئے۔''واسکوڈی گاما'' نے 1498ء میں کالی کٹ کے قریب ہند کی سرزمین پر قدم رکھے تھے۔ 16ویں صدی کے اختتام اور 17ویں صدی کے آغاز تک انگریز اور ڈچ (ولندیزی) یہاں اپنی تجارتی کمپنیاں قائم کر چکے تھے۔ یورپ اور ہندوستان کے درمیان باہمی تجارت کی اجارہ داری ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ گوا پر 1510ء میں اختیار حاصل کرلیا گیا۔1534ء میں انہوں نے بمبئی میں، بسین، دیو اور دمن کو اپنے تصرف میں لایا۔دمن 1559ء میں حاصل کرلیا گیا۔ہالینڈ والوں نے 17ویں صدی میں نیگا پٹم، بملی پٹم اور کوچین میں اپنی تجارتی کمپنیاں قائم کیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام 1600ء میں عمل میں آیا۔جس نے سورت، کالی کٹ اور مسولی پٹم میں فیکٹریاں قائم کیں۔انہوں نے مدراس میں اپنا قلعہ 1639ء میں قائم کیا۔ 1661ء میں بمبئی شاہ چارلس ثانی کو کیتھرین سے شادی کے موقعہ پر تحفہ میں دیا گیا،اور آخر کار اسے برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کیا گیا۔

1696ء میں اورنگ زیب کے پوتے عظیم الشان سے کلکتہ، چٹانائی اور گوبند پور خرید لیے گئے۔1700ء میں سولی پٹم، پانڈی چری اور چندرنگر فرانس کے حصے میں آئے۔

کشمیر بدستور مغلوں کی غلامی میں پھنسا رہا۔ اور اپنی پہچان سے محروم مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ رہا۔ 17ویں صدی کے اواخر میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔1700ء میں اسکے ایک صوبیدار فاضل خان کے عہد حکومت میں ''موئے مبارک'' کشمیر لایا گیا۔قلندر بیگ نے اسکی تاریخ لکھی۔ ''کشمیر مدینہ شد از موئے نبی۔'' (1110 ہجری)

18ویں صدی کے پہلے نصف میں حسب ذیل مغل شہنشاہوں کی کشمیر پر حکمرانی رہی:

1۔قطب الدین محمد معظم۔شاہ عالم بہادر	1707ء سے 1712ء	5سال
2۔محمد معزالدین۔جہاندار شاہ	1712ء	9ماہ
3۔معین الدین فرخ سیئر	1712ء سے 1719ء	6سال
4۔ابوالبرکات رفیع الدرجات	1719ء	3ماہ
5۔رفیع الشان۔شاہجہان ثانی	1719ء	4ماہ
6۔ناصرالدین محمد شاہ	1719ء سے 1747ء	28سال
7۔مجاہدالدین احمد شاہ	1748ء سے 1754ء	6سال

شاہجہان نے وہ تمام غیر واجب محاصل جو باشندوں کے مصائب اور پریشانی کا سبب بنے ہوئے تھے، منسوخ کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ اس فرمان میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کے موجودہ اور آنے والے اہلکار، ان احکام کو ہمیشہ مروّج اور مستقل سمجھیں۔ یہ فرمان پتھر پر کندہ کرا کے سری نگر کی جامع مسجد کے صدر دروازے پر نصب کیا گیا جہاں یہ اب بھی موجود ہے۔ (22)

محی الدّین اورنگ زیب عالمگیر:

جب شاہجہان آخری مرتبہ بیمار ہوا تو اس وقت اورنگ زیب دکن کا حاکم تھا۔ مراد گجرات میں فائز تھا۔ شجاع بنگال کا صوبیدار تھا اور دارا باپ کے ہمراہ اکبر آباد (آگرہ) میں مقیم تھا۔ بادشاہ کے بیمار ہوتے ہی دارا نے یہ کوشش کی کہ یہ خبر اس کے بھائیوں تک نہ پہنچے۔ اب تینوں شاہ زادے اپنی اپنی قسمت آزمانے کیلئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے دارا نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اورنگ زیب نے اسے جلد بازی سے روکا اور اپنے دماغ میں ایک منصوبہ بنا کر دارا کو اپنے ساتھ ملایا۔ دریائے نربدا کو عبور کیا مہاراجہ جسونت سنگھ کو شکست دی پھر ساموگڑھ کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں دارا کو شکست ہوئی۔ اورنگ زیب کامیاب ہوا۔ اس نے دارا کا تعاقب کیا، شجاع کا مقابلہ کیا۔ مراد کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر کے 1658ء میں اپنے باپ کو تخت سے اتار کر قلعہ میں قید کر دیا۔ ولی عہد دارا شکوہ اور مراد بخش نے مخالفت کی لیکن اس نے سب کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ (23)

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں اور انکی اولاد سے نجات حاصل کرنے کیلئے کیا کیا کارروائیاں کیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد اورنگ زیب دارا کے تعاقب میں پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ متھرا میں اسے اطلاع ملی کہ مراد نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ اورنگ زیب نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ایک بڑی رقم مراد کو بھیجی اور اسے لکھا کہ تم دارا کا تعاقب جاری رکھو لیکن پہلے مجھ سے مل لو تا کہ کچھ مشورہ کیا جائے۔ اورنگ زیب نے اسکی دعوت کا اہتمام کیا۔ مراد اسکے دھوکے میں آ گیا۔ اورنگ زیب نے اسکا پُر تپاک استقبال کیا لیکن رات کو جب وہ شراب کے نشے میں مست تھا، اسے زنجیروں میں جکڑ کر دہلی روانہ کر دیا۔

اسی دوران اورنگ زیب کو اطلاع ملی کہ شجاع اپنی جاگیر سے نکل کر الٰہ آباد پہنچ گیا ہے۔ وہ

دارا کا تعاقب چھوڑ کر الہٰ آباد روانہ ہو گیا۔ خونریز جنگ ہوئی لیکن شجاع کے کئی نامور سرداراسے چھوڑ کر اورنگ زیب سے آ ملے۔ آخر وہ تنہا رہ گیا اور راہِ فرار اختیار کی۔ حرم سرا کی خواتین اور ملازمین کو لے کر وہ اراکان کی طرف بڑھا۔ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ شجاع کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ کہاں گیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا تھا۔

اورنگ زیب نے دارا اور اسکے بیٹوں کی گرفتاری کیلئے بھاری انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ 23 اگست 1659ء کو ملک جیون نے دارا شکوہ اور اسکے بیٹے سفیر شکوہ کو گرفتار کر کے دہلی روانہ کر دیا۔ اورنگ زیب کے سامنے پیش کرنے سے پہلے دارا کو ایک خارش زدہ بدصورت ہاتھی پر سوار کر کے دہلی کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ تماشیوں کی اکثریت اشکبار تھی۔ بہت سے مرد اور عورتیں چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ سڑک کے دونوں جانب کھڑے ہوئے لوگ ملک جیون پر لعنت بھیج رہے تھے اور اسے نمک حرام، بے وفا، منافق، احسان فراموش کے ناموں سے گالیاں دے رہے تھے۔

دارا کو دینِ اسلام کا باغی قرار دے کر موت کی سزا دی گئی۔ نذر نامی ایک غلام کے ذریعے دارا اور اسکے بیٹے سفیر شکوہ کو قتل کرا دیا گیا اور ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔

اسکے بعد اورنگ زیب نے دارا کے بڑے بیٹے سلیمان کی طرف توجہ کی۔ سلیمان ایک ہندو راجہ کی پناہ میں تھا۔ بادشاہ نے اسے حکم بھیجا کہ "سلیمان کو ہمارے حوالے کر دو۔" لیکن راجہ نے انکار کر دیا۔ تاہم راجہ کے بیٹے نے شہزادے کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ سلیمان نے لداخ کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ 16 جنوری 1661ء کو اسے گرفتار کر کے سلیم گڑھ پہنچا دیا گیا۔ جب جے سنگھ کے بیٹے رانا سنگھ نے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو سلیمان شکوہ نے نہایت دلیری سے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ

"مجھے اپنا انجام معلوم ہے لیکن میری اتنی درخواست ہے کہ مجھے آہستہ آہستہ مارنے کی بجائے تلوار کے ایک ہی وار سے قتل کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے اسکی یہ درخواست بھی نہ سنی بلکہ اسے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں مئی 1662ء میں اس کا انتقال ہو گیا اسے Slow Poisoning کی گئی تھی۔

باپ کو قید کرنے کے بعد اورنگ زیب ایک سال تک لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہا۔ فراغت ہونے کے بعد ماہِ رمضان 1069 ہجری 1659ء میں اس نے اپنا جلوس شاہی مرتب کیا۔ وہ ساری عمر اندرونی جھگڑوں میں ہی مبتلا رہا اس لئے صرف ایک بار 1664ء میں کشمیر جا سکا۔ وہ

بھی اپنی شدید علالت کے باعث صحت کی بحالی کے خیال سے۔اس کی چھیتی بیٹی روشن آرا اس کے ساتھ تھی۔اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں کشمیر میں 14 صوبیدار مقرر کیے جن میں ابراہیم خان تین مرتبہ اور سیف خان دو مرتبہ کشمیر کے صوبیدار رہے۔ان صوبیداروں میں دو ظفر خان اور ابونصر خان بہت سخت گیر اور بے رحم تھے۔دونوں نے عوام الناس خصوصاً ہندوؤں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا۔(24)

اورنگ زیب کے عہد میں دو کشمیریوں نے بہت عروج حاصل کیا۔ایک خواجہ عنایت اللہ جو ترقی کرتا ہوا انتظامی عہدوں تک پہنچ گیا۔آخر کار وہ فرخ سیئر کے عہد میں مرکزی حکومت کے وزارت مال کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوا اور اپنے وطن میں صوبیدار بھی رہا۔

دوسرا کشمیری سپوت محمد مراد ہے جسے ہفت ہزاری کا منصب دس ہزار سواروں کی کمان اور رکن الدولہ کا خطاب ملا۔(25)

اورنگ زیب کے مقرر کردہ صوبیداروں میں سے ایک سیف خان تھا۔جو دو بار اس عہدہ پر فائز رہا۔ایک بار 1664ء سے 1667ء تک تین سال اور دوسری بار 1668ء سے 1671ء تک تین سال۔سیف خان مذہبی تعصب اور شخصی پاسداری سے پاک تھا۔ایک بار خواجہ صادق نقشبندی نے حساب کی تفاوت پر کسی پنڈت کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ مجروح ہو گیا۔سیف خان کو پتہ چلا تو اس نے خواجہ صادق کو اسی کے مکان پر اس قدر تازیانے لگوائے کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور پھر سسک کر مر گیا۔(26)

عالمگیر کے دور میں کشمیر میں فرقہ وارانہ کشیدگی انتہا کو پہنچ گئی۔آئے دن مختلف واقعات پیش آنے لگے۔ایک موقع پر شیخ عبدالرشید ایک سُنّی مسلمان اور حیدر ملک کے بیٹے حسین ملک کے درمیان دوران گفتگو تلخی پیدا ہو گئی۔حسین ملک نے صحابہؓ کے خلاف کوئی نازیبا الفاظ کہے۔جس پر دونوں میں پہلے تناؤ پھر ہاتھاپائی پھر مار پیٹ تک نوبت پہنچی اور ایک فساد کی شکل اختیار کر گئی۔شیخ رشید نے سری نگر جا کر ناظم سے شکایت کی۔تحقیقات کے بعد حسین ملک کو قصوروار قرار دے کر موت کی سزا دی گئی۔اہل تشیع نے اس کا بہت نوٹس لیا۔اس موقع پر کسی نے یہ یادگار شعر کہا:

شُد از ظلم و بیدادِ قومِ یزید
حسین ابن حیدر دوبارہ شہید

یعنی قوم یزید کے ظلم اور بیداد سے حسین ابن حیدر دوبارہ شہید ہو گئے۔(27)

مورخ پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

''ستم رسیدہ کشمیری پنڈتوں اور شیعہ فرقہ کے لوگوں نے مذہب کے نام پر ظلم و ستم روا رکھنے والے جابر حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کرنے کیلئے متحدہ محاذ قائم کرلیا۔''(28)

اس کا پس منظر یہ ہے کہ مُلا محبوب خان نامی ایک مولوی کشمیر کا شیخ الاسلام بن گیا۔ وہ ایک بہت بڑا زمیندار بھی تھا۔ ایک سرکاری اہلکار نے جو پنڈت تھا، مُلا کے کسی گماشتہ سے رقم یا ناجائز بخشیش کا مطالبہ کیا، اس سے مُلا بہت مشتعل ہوا اور اس نے فی الفور فتویٰ جاری کیا کہ تمام مسلمان سارے کشمیری پنڈتوں کا مقاطعہ کریں۔ اس نے کشمیری پنڈتوں کے نام یہ امتناعی ہدایات جاری کیں'' کہ نہ وہ پگڑی باندھیں، نہ سواری کریں، نہ تلک لگائیں، نہ چوٹی رکھیں، نہ ہی پوجا پاٹ کریں۔'' یہ معاملہ بغاوت کا بہانہ بن گیا۔ پنڈتوں اور شیعوں نے مل کر علم بغاوت بلند کردیا۔ مُلا محبوب شیعوں کے ایک گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا چھوٹا بیٹا بھی قتل ہوا۔

عنایت اللہ خان صوبیدار کا نائب احمد خان حالات پر قابو نہ پا سکا۔ دوسرے نائب کا حال بھی یہی ہوا۔ مقتول محبوب خان کے بیٹے ملا شرف الدین نے سنی مسلمانوں کے متعصب اور انتہا پسند گروہوں کو اتنا اکسایا کہ ان فسادات میں بے گناہ پنڈتوں اور شیعوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ تمام فرقوں کے شائستہ اور آزادی خواہ عناصر نے مُلا اور اسکے ساتھیوں کی ان مذموم حرکات پر نفرت کا اظہار کیا۔

آخر دہلی دربار نے لاہور کے صوبیدار صمد خان کو ان فسادات کے انسداد کیلئے مقرر کیا۔ اس نے سری نگر پہنچ کر فوری سماعت کے بعد مُلا شرف الدین کو موت کی سزا دی اور اس کے 50 ساتھیوں کو بھی پھانسی دی گئی صمد خان نے وہ تمام پابندیاں منسوخ کردیں جو شیخ الاسلام نے کشمیری پنڈتوں اور شیعوں کی مذہبی سیاسی آزادی پر عاید کر رکھی تھیں۔ صمد خان کے اس بے لاگ انصاف کو بہت سراہا گیا۔ کشمیری زبان کا یہ بیت عام ہوا۔ (29)

ھَہ آوَ صَمَد پھٹرِن زین
نہ رُوُد کُنہِ شرَف نہ رُود کنہِ دین

یعنی ''جونہی صمد خان آندھی کی طرح آیا اور اس نے غنڈہ گردی کا خاتمہ کر دیا تو نہ کہیں شرف باقی رہا نہ اس کا مذہبی جنون۔''

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں اسکے ایک گورنر افتخار خان نے برہمنوں پر بہت ظلم کیا۔ انہوں نے سکھوں کے 9 ویں گرو تیغ بہادر سے شکایت کی کہ ایک دن میں سوا من جنیو ہمارے جسموں سے چھین کر جلائے گئے ہیں۔ ہمارے سامنے گائیں ذبح کی جاتی ہیں۔ گرو نے ان سے کہا کہ جا کر مغلوں سے کہہ دو کہ "گرو تیغ بہادر کو قائل کر کے مسلمان بناؤ تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔" اس جواب نے مغلوں کو آگ بگولہ کر دیا اور ان کا غصہ گرو تیغ بہادر کی شہادت پر منتج ہوا۔ (30)

اورنگ زیب نے مرنے سے پہلے اپنی سلطنت کے تین حصے کیے:

1.	محمد معظم	بڑا بیٹا	بادشاہ ہندوستان
2.	اعظم شاہ	دوسرا بیٹا	حاکم دکن
3.	محمد کام بخش		حاکم بیجاپور

49 سال کی حکمرانی کے بعد 21 فروری 1707ء کو عالم گیر وفات پا گیا۔ اعظم خان کو انتقال کی خبر ملی تو وہ فوراً ہی دکن سے چلا آیا اور تجہیز و تکفین کے بعد خود تخت نشین ہو گیا۔ معظم شاہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی فوراً آگرہ پہنچ گیا۔ اس نے یکم محرم 1119 ہجری کو تاجپوشی منعقد کی۔ اس نے بھائی کو لکھا کہ والد کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے۔ جنگ سے صلح بہتر ہے۔ لیکن اعظم شاہ نے جواب دیا:

دو پادشاہان در اقلیمے نہ گنجند

یعنی ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ ربیع الاول 1119 ہجری میں اکبر آباد (آگرہ) کے نواح میں جنگ ہوئی۔ اعظم شاہ مارا گیا اور معظم شاہ فتح یاب ہو کر آگرہ منتقل ہو گیا۔

عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرکزی حکومت بے جان ہو گئی۔ صوبیدار دلّی میں بیٹھ کر کشمیر پر حکمرانی کرتے رہے۔ عالمگیر کے بعد آنے والے بادشاہ برائے نام بادشاہ تھے۔ نہ عوام میں ان کا کوئی اثر تھا نہ ہی انکے ہاتھوں میں کوئی اختیار یا اقتدار تھا۔ یہ سب کے سب سازشی امراؑ کے ہاتھوں کھیلنے والے کٹھ پتلی حکمران تھے۔ بہر حال چونکہ کشمیر ابھی تک مغلیہ سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ اسلئے تسلسل قائم رکھنے کیلئے ان بادشاہوں کا مختصر احوال پیش کیا جا رہا ہے:

محمد اعظم شاہ:

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اورنگ زیب نے اپنی وفات سے قبل ایک وصیت کے ذریعے اپنی

سلطنت کے تین ٹکڑے کیے تھے۔ بڑے بیٹے محمد معظم شاہ کو بادشاہ ہندوستان، اعظم شاہ کو دکن اور محمد کام بخش کو بیجاپور کا حاکم مقرر کیا تھا۔

21 فروری 1709ء کو اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا۔ اعظم شاہ سفر میں تھا۔ جونہی اسے باپ کے انتقال کی خبر ملی تو وہ فوراً چلا آیا اور تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر تخت نشین ہو گیا۔ محمد معظم شاہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی آگرہ روانہ ہو گیا۔ اور یکم محرم 1119 ہجری کو آگرہ پہنچ کر جلوس تاجپوشی منعقد کیا۔ یکم ربیع الاول کو نواح آگرہ میں سخت ہنگامہ برپا ہوا۔ اعظم شاہ مارا گیا اور محمد معظم شاہ ظفر مندی کے ساتھ آگرہ میں داخل ہو گیا۔

قطب الدین محمد معظم، شاہ عالم بہادر (1707ء تا 1712ء۔ 5 سال):

اورنگ زیب کا دوسرا بیٹا۔ ایام شہزادگی میں دکن اور ایران کے مہموں میں کامیابی حاصل کر کے، باپ سے سرکش ہو گیا۔ گرفتار ہو کر سات سال جیل میں رہا۔ آخر بادشاہ نے معاف کر دیا اور وہ کابل، پشاور، لاہور، ملتان کا حاکم رہا۔ باپ کے مرنے کی اطلاع پشاور میں ملی۔ فوراً روانہ ہوا۔ لاہور پہنچ کر بھائی اعظم شاہ کی تاجپوشی کی خبر ملی تو اس نے اپنا جشن تاجپوشی لاہور میں ہی منا لیا۔ اسکے بعد اعظم شاہ سے آگرہ میں مقابلہ ہوا جس میں اعظم شاہ مارا گیا۔

1707ء میں دربار شاہی آراستہ کیا اپنے آپ کو شاہ عالم بہادر کے لقب سے متعارف کرایا۔ 19 محرم 1124ھ (1712ء) اکہتر سال کی عمر میں کشمیر میں وفات پا گیا۔ چار بیٹے چھوڑے 1. رفیع القدر رفیع الشاں 2. معزالدین جہاندار شاہ 3. عظیم الدین عظیم الشان 4. خجستہ اختر جہان شاہ۔ جو کہ حسب معمول لڑائی جھگڑے پیدا کرتے رہے۔

محمد معزالدین جہاندار شاہ (1712ء۔ 9 ماہ):

1663ء میں دکن میں پیدا ہوا۔ 1711ء میں ذوالفقار خان کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ اپنے معاون کے مشورے سے پہلے عظیم الشان کو قتل کیا پھر دوسرے بھائیوں کو بھی ایک ایک کر کے مار ڈالا۔ اسکے علاوہ کئی اور شہزادوں کو قتل کیا اور کئی ایک کو جیل میں ڈال دیا۔

اسکے عہد میں مظفر آباد کے راجہ مظفر خان بمبہ نے بغاوت کی۔ ناظم نے مظفر آباد پر فوج کشی کی۔ اسی دوران عظیم الشان کے دوسرے بیٹے فرخ سیئر نے بغاوت کی اور آگرہ پر حملہ آور ہوا۔

جہاندار شاہ نے اپنے بیٹے اعزالدین کو مدافعت کیلئے بھیجا لیکن وہ ہار ہو گیا۔ بادشاہ کو خود بھتیجے کے مقابلہ پر آنا پڑا لیکن وہ بھی ناکام ہوا۔ فرخ سیئر فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا آگرہ میں داخل ہوا۔

معین الدین محمد، فرخ سیئر (1712ء تا 1719ء۔ 6 سال):

فرخ سیئر 1684ء میں شہزادہ عظیم الشان کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کشمیرن تھی۔ فرخ اپنے دادا شاہ عالم کے عہد میں حاکمِ بنگالہ مقرر رہا۔ جہاندار شاہ نے اپنے بھائی فرخ کے باپ عظیم الشان کو قتل کیا تھا اسلئے فرخ سیئر اسکے خلاف ہو گیا تھا۔ چنانچہ سادات بارہ کی معاونت سے وہ فوج لے کر آگرہ پر چڑھ آیا اور فتح حاصل کر کے شاہجہان آباد (دہلی) چلا آیا۔ پہلے جہاندار شاہ اور اسکے معاون ذوالفقار خان کو قتل کیا پھر حکومت ہند پر قبضہ کر لیا۔

تخت پر قدم رکھتے ہی اس نے پہلے اپنے خاندان کی صفائی شروع کی۔ کئی بے گناہ شہزادوں کو ملک عدم پہنچایا پھر بہت سے امرا کو ملک الموت کے حوالے کیا۔ سید عبداللہ اور سید حسین، جن کی معاونت سے فرخ سیئر بادشاہ بنا تھا، مختارِ کل بن بیٹھے۔ اسی طرح سادات بارہ حکومت کے مالک و مختار بن گئے اور بادشاہ سے بدسلوکی کرنے لگے۔ بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اعتماد خان کو قمقام الدولہ کا خطاب دے کر ملکی امور اسکے حوالے کیے۔ سادات کے سینے میں آتش کینہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے دکن سے کسی شہزادے کو نقلی معین الدین بنا کر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور دہلی آ گئے۔ یہاں انہوں نے قمقام الدولہ سے بظاہر مصالحت پیدا کی اور عہد و پیمان کر کے قلعے میں داخل ہو گئے۔ اندر آتے ہی انہوں نے فرخ سیئر کو گرفتار کر لیا۔ پہلے اسکی آنکھوں میں سلائی پھروادی پھر ایک ماہ کے عذاب شدید کے بعد اسے قتل کر ڈالا۔ یہ 1719ء کی بات ہے، اس وقت فرخ سیئر کی عمر 36 سال تھی۔ اس کے بعد ساداتِ بارہ سارے عالم میں مطعون ہوئے اور سلطنت کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا۔

شمس الدین ابوالبرکات، رفیع الدرجات (1719ء۔ 3 ماہ 11 روز):

فرخ سیئر کا کام تمام کر کے سادات بارہ نے شہزادہ ابوالبرکات کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں تپ دق نے اس نوجوان شہزادے کو دنیا کے مخمصوں سے نجات دلا دی۔ مرتے وقت شہزادے کی عمر صرف 20 سال تھی۔

رفیع الشان۔ شاہجہانِ ثانی (1719ء۔ 3ماہ 27روز):

یہ شہزادہ 5 صفر 1116ھ دہلی میں پیدا ہوا تھا اور 21رجب 1131ھ کو سادات کی معاونت سے قلعہ دہلی میں تخت نشین ہوا۔ ادھر صفی خان قلعہ دار کی امداد سے عالمگیر کا پوتا سلطان نیکو سیرٔ قلعہ آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ لیکن سید حسین شاہجہان ثانی کو لے کر آگرہ پر حملہ آور ہوا۔ خونریز لڑائی کے بعد نیکو سیرٔ کو شکست فاش ہوئی۔ اسے قید کر لیا گیا اور قلعہ آگرہ پر قبضہ ہو گیا۔

لیکن موت نے شاہجہانِ ثانی کو مہلت نہ دی۔ 3ماہ 27روز کی جہانبانی کے بعد ذی قعد 1131ھ میں 15برس کی عمر بادشاہ طبعی موت سے راہی ملک عدم ہوا۔ اس طرح اورنگ زیب کے بعد 12سال کے مختصر عرصہ میں ہندوستان پر سات بادشاہوں کی حکمرانی رہی۔

ناصر الدین محمد شاہ غازی (1719ءتا1747ء۔ 28سال):

محمد شاہ 23ربیع الاول 1114ھ بمطابق 1702ء میں جہان شاہ بن بہادر شاہ کے ہاں پیدا ہوا اور ذیقعد 1131ھ بمطابق 1719ء دہلی میں سادات بارہ کے تعاون سے تخت نشین ہوا۔ محمد شاہ کا اصل نام روشن اختر تھا۔ اس نے اپنی ماں قدسیہ بیگم کے ہاں قید خانہ میں پرورش پائی تھی۔

تخت نشینی کے وقت کے اسکی عمر 17سال تھی۔ اسکی ماں نے اسے ذہن نشین کرایا تھا کہ سادات بارہ خودغرض اور احسان فراموش ہیں چنانچہ انکی بیخ کنی کیلئے اس نے شروع سے ہی تدابیر پر عمل شروع کر دیا۔ اسکے اشارے پر نظام الملک فتح جنگ نے دکن میں شورش برپا کی اور اس بہانے بہت سے سادات بارہ جو اس علاقے میں منصب دار تھے، قتل کر دیے گئے۔

محمد شاہ سید حسن علی کو ہمراہ لے کر دکن روانہ ہوا۔ راستے میں حیدر خان نے موقع پا کر سید حسن علی کا پیٹ چاک کر دیا۔ حسن علی کے ساتھیوں نے میر حیدر خان کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن محمد امین بخشی نے محمد شاہ کی تائید سے عام سادات کو تباہ اور ذلیل کر دیا۔ سید عبداللہ خان نے رفیع الشان کے بڑے بیٹے سلطان ابراہیم کو قید سے نکالا اور محمد شاہ کے مقابلے پر آمادہ کیا۔ لیکن آخر کار گرفتار ہو کر سلطان ابراہیم کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

سارے سادات کیفر کردار کو پہنچے تو محمد شاہ ترک امرأ کی معاونت سے پورے اختیار و اقتدار سے حکومت کرنے لگا۔ اس نے سادات کا زور توڑنے کیلئے بہت دانش مندی سے کام لیا۔

لیکن سادات نے اب دوسری حکمت عملی اپنائی۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے بادشاہ کولہوولعب میں مبتلا کر دیا۔ اسی دَور میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ درّانی نے محمد شاہ سے اس چار کروڑ کی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا جو شاہ طہماسپ والئی ایران سے ہمایوں بادشاہ نے بطور کمک اور معاونت کے لیا تھا۔ اس زمانے میں محمد شاہ کا نام محمد شاہ رنگیلا پڑ گیا تھا۔

محمد شاہ نے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا اور عیش عشرت میں ڈوبا رہا۔ آخر کار نادر شاہ اپنے لشکر کا ٹڈی دل لے کر حملہ آور ہوا۔ وہ تمام پنجاب کو روندتا ہوا 1739ء میں پانی پت تک آ پہنچا۔

اب محمد شاہ کی آنکھیں کھلیں اور وہ خود نادر شاہ کے استقبال کو چل پڑا۔ نادر شاہ محمد شاہ کی ہمراہی میں دہلی میں داخل ہو گیا۔ اسی اثناء میں کسی افواہ کے نتیجہ میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دے دیا۔ چوبیس گھنٹے تک دہلی میں قیامت برپا رہی۔ آخر محمد شاہ کی منت سماجت اور وزیر نظام الملک کے اِس اظہار پر کہ

کسے نہ ماند کہ او را بہ تیغِ ناز کشی
مگر کہ زندہ کُنی خلق را و باز کشی

(یعنی اب کوئی شخص باقی نہیں بچا جسے تو اپنی تیغ ناز سے قتل کر دے سوائے اسکے کہ تو خلق خدا کو دوبارہ زندہ کرے اور پھر انہیں قتل کر دے۔) نادر نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی۔

نادر شاہ مغلیہ سلطنت کا سارا خزانہ، تخت طاؤس اور کوہِ نور ہیرا ہمراہ لے کر واپس ہوا۔ اس حملے نے محمد شاہ رنگیلے کی ساری قلعی کھول دی۔ امرأ، وزرأ، راجے، نواب، صوبیدار، ناظم رفتہ رفتہ اس سے الگ ہوتے گئے۔ آخر کار 27 ربیع الاول 1116ھ بمطابق 1748ء ناصر الدین محمد شاہ غازی راہئی ملک عدم ہوا اور اسکا بیٹا محمد ابونصر مجاہد الدین احمد شاہ تخت نشیں ہوا۔

محمد ابونصر مجاہد الدین احمد شاہ (1748ء تا 1754ء۔ 6 سال):

احمد شاہ 27 ربیع الثانی 1135ھ دہلی میں پیدا ہوا۔ 2 جمادی الثانی 1161ھ پانی پت میں تخت نشین ہوا۔ بہادر آدمی تھا۔ ایام شہزادگی میں اس نے سرہند کی خونریز لڑائی میں احمد شاہ ابدالی پر نمایاں فتح حاصل کی تھی۔ یہ آخری فتح تھی جو شاہانِ مغلیہ میں سے کسی کو حاصل ہوئی۔

اس کے دَور میں میر مقیم کنٹھ اور خواجہ ظہیر نے احمد شاہ ابدالی کو تسخیرِ کشمیر پر آمادہ کیا جس نے 1753ء میں عبداللہ خان ایشک اقاصی کو کشمیر بھیج کر مغلوں کو شکست دے کر کشمیر کو اپنے مقبوضات میں

شامل کرلیا۔اس طرح کشمیر کی حکومت مغلوں سے نکل کر افغانوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ (31)

احمد شاہ نے سارے اختیارات حکمرانی ایک افغان خواجہ سرا نواب بہادر جاوید کو سونپ رکھے تھے اور خود عیش وعشرت میں مصروف رہتا تھا۔

محمد عزیز الدین عالمگیر ثانی (1754ء تا 1759ء۔5 سال):

عالمگیر ثانی 25 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ عالمگیر اوّل کی طرح پارسا حکمران تھا۔ سلطنت کے استحکام کیلئے کچھ اقدامات کرنا چاہتا تھا۔لیکن وزیر عماد الملک کے مرہٹوں کے ساتھ گٹھ جوڑ نے اسے کچھ کرنے نہ دیا۔مرہٹے وزیر کی مدد سے شمالی ہندوستان کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گئے۔عماد الملک نے 1459ھ میں عالمگیر ثانی کو قتل کرایا اور ایک مغل شہزادے کو شاہجہان سوئم کے لقب سے تخت نشین کرایا۔

عالمگیر ثانی کے بیٹے عالی گوہر نے بہار میں اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔یہی وہ زمانہ ہے جب احمد شاہ ابدالی نے برصغیر پر سب سے بڑا حملہ کیا جس میں اس نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی۔ عالمگیر ثانی کی وفات 1173ھ میں ہوئی اسکے بعد علی گوہر''شاہ عالم ثانی''(وفات 1221ھ) اور''اکبر شاہ ثانی''(وفات 1253ھ) نے دہلی کا تاج وتخت سنبھالا۔ چونکہ کشمیر 1752ء میں ہی مغلوں کے ہاتھوں سے نکل کر افغانوں کے پنجۂ استبداد میں آچکا تھا۔ اسلئے ان کا ذکر بے محل ہوگا۔مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ''بہادر شاہ ظفر''تھا جسے انگریزوں نے 1857ء میں معزول کر کے رنگون لے جا کر قید خانے میں ڈال دیا تھا۔اسکی وفات 1863ء میں ہوئی۔اسے رنگون میں ہی دفن کیا گیا۔اس نے مرنے سے قبل یہ شعر خود ہی یادگار چھوڑا تھا:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

گزشتہ صفحات میں ہم نے شیر شاہ سُوری کا ذکر کیا ہے۔اس نے 1540ء سے 1545ء تک کل پانچ برس ہندوستان پر حکمرانی کی۔لیکن اس مختصر مدت میں اس نے ایک ایسا شاندار کارنامہ سرانجام دیا جس سے اسکا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تاریخ عالم میں ثبت ہوگیا اور اسے بقائے دوام حاصل ہوگیا۔اس نے شاہراہِ اعظم (Grand Trunk Road) کی تعمیر کا کام عمل میں لایا۔اس شاہراہ پر مناسب فاصلوں کے بعد مسافروں کیلئے رہائشی سرائیں، پینے کے پانی کیلئے

کنویں، گھوڑے بدلنے کی چوکیاں اور دیگر ضروری سہولیات مہیا کی گئی تھیں۔ اس شاہراہ نے آنے والے دور میں برصغیر کی اقتصادی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اور اب بھی یہ شاہراہ کابل سے کلکتہ تک افغانستان، پاکستان اور بھارت کو ملانے والے اہم ترین زمینی رابطے کا کام دے رہی ہے۔

اس حوالہ سے جب ہم کشمیر پر مغلوں کے 166 سالہ دور حکمرانی میں ملک کی تعمیر و ترقی یا عوام کے معاشی حالات سدھارنے کے پہلو سے نظر ڈالتے ہیں، تو انتہائی مایوسی ہوتی ہے۔ اس طویل حکمرانی کے عرصہ میں انہوں نے رفاہ عامہ کا کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے کشمیریوں اور ائکی آنے والی نسلوں کو کوئی فائدہ پہنچتا۔

مغل شہنشاہوں نے صرف اپنی سہولت اور اپنے آرام و آسائش و تفریحات کیلئے محلات بنوائے، مسجدیں بنوائیں اور باغات بنوائے۔

☆ اکبر اعظم نے کشمیر کا پہلا سفر اپنی تخت نشینی کے 33 ویں سال 1587ء میں کیا۔ اس موقع پر پہاڑی راستوں کی مرمت کیلئے 3000 سنگ تراش اور 2000 بیلدار بھیجے گئے جنہوں نے کشمیر کے پہاڑی راستے کو اکبر کے شاہی کارواں کے سفر کیلئے آسان بنا دیا۔

اس راستے کے بارے میں نامور سکالر اور ماہر تعلیم خواجہ حمید ممتاز اپنی کتاب "Recollections of Mens and Matters" کے صفحہ 2،3 پر لکھتے ہیں:

"مغل شہنشاہ اور انکے کارواں پنجاب کے میدانوں سے بھمبر، نوشہرہ، شوپیاں اور اننت ناگ کے راستے سرینگر پہنچتے تھے۔ وہ اس راستے کو اسلئے ترجیح دیتے تھے کہ اس پر ہریالی اور پانی کثرت سے دستیاب تھے، جسکے بغیر وہ خود اور انکے گھوڑے اور خچر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔"

(خواجہ حمید ممتاز "Recollection of Men & Matters" صفحہ 3.2)

☆ دوسرے سال 1588ء میں اکبر پھر کشمیر آیا۔ اس بار اس نے ہری پربت پر ایک محل تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

☆ جہانگیر کے دور حکومت میں سری نگر شہر میں آگ لگ گئی جس میں جامع مسجد بھی جل کر خاک ہو گئی۔ جہانگیر نے اس کی تعمیر کا حکم دیا۔ 17 سال میں مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔

☆ اسی سال ملکہ نور جہاں نے خانقاہ زڈی بل اور دریائے جہلم کے کنارے "پتھر مسجد" تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

☆ اسی سال شہنشاہ جہانگیر نے حکم دیا کہ کشمیر سے انتہائے کوہستان تک (یعنی پہاڑی سلسلہ ختم ہونے تک) بادشاہ اور اسکے حرم کیلئے ہر منزل پر ایک عالی شان عمارت تعمیر کی جائے۔

☆ اکبر نے کشمیر میں جھیل ڈل کے کنارے ایک باغ بنوایا جس کا نام ''نسیم باغ'' ہے۔

☆ سری نگر سے 6 میل کے فاصلے پر ایک اور باغ بنوایا جس کا نام ''نگین باغ'' رکھا گیا۔

☆ ''شالامار باغ'' جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں بنوایا۔

☆ ''نشاط باغ'' سری نگر میں پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ یہ 595 گز لمبا اور 360 گز چوڑا ہے۔ اس باغ کو آصف خان نے بنوایا تھا۔

☆ سری نگر سے 50 میل کے فاصلے پر ''ویری ناگ کا باغ'' ہے۔ اسکی تعمیر کا آغاز جہانگیر نے کرایا تھا اور تکمیل شاہجہان کے دور میں ہوئی۔

☆ گورنر ظفر خان کو باغ بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے سرینگر شہر میں چار باغ بنوائے۔

1. باغ ظفر آباد 2. باغ گلشن

3. باغ عنایت 4. باغ حسن آباد

☆ اسکے علاوہ مغلوں نے ''باغ چشمہ شاہی''، ''باغ پری محل'' اور ''باغ اچھ بل'' بنوائے۔

☆ ایک مغل گورنر یوسف خان نے قلعہ ناگر نگر میں کئی محل تعمیر کرائے جن میں سے ایک محل میں 300 سیڑھیاں تھیں۔

جن تعمیرات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان سب کا مقصد حکمرانوں کا ذاتی آرام و آسائش تھا ان میں عوام الناس کا کوئی بہبود یا مفاد مدّ نظر نہ تھا۔ عوام الناس کی معاشی حالت کیا تھی اس کا مفصل حال ملا ندیم کشمیری شاعر اپنے اس قصیدے میں پیش کر چکے ہیں جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

ملا محمد طاہر غنی کشمیری کشمیر کے بلند پایہ شاعر تھے جنکی شہرت انکی زندگی میں ہی ایران تک پھیل چکی تھی۔ وہ ایک درویش صفت شاعر تھے۔ وہ کبھی کسی سرکاری تقریب میں نہیں گئے نہ ہی انہوں نے کبھی کسی حکمران کا قصیدہ لکھا۔

1643ء میں ظفر خان کشمیر کا گورنر تھا جو خود بھی شعر و ادب کا دلدادہ تھا اور اکثر شاعری کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا۔ اس بار جب شاہجہان کشمیر کی سیاحت کو آیا تو ظفر خان نے شاہجہان بادشاہ کے جنم دن پر جشن سالگرہ منایا اور غنی کشمیری کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جب ایلچی نے پوچھا کہ ''میں گورنر کو کیا جواب دوں کہ غنی کیوں نہیں آیا ہے؟'' تو غنی نے کہا

''کہدو کہ غنی دیوانہ ہوگیا ہے'' ایلچی نے کہا ''ایک ہوش مند آدمی کو دیوانہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟'' تو غنی کھڑا ہوگیا اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ (بعض روایات میں ہے کہ ایلچی کا گریبان چاک کر ڈالا) اور کہنے لگا ''اب تو تمہارے لئے جواز پیدا ہوگیا ہے۔''

اسی درویش صفت اور حق گو شاعر نے اپنی شاعری میں اکثر جگہ کشمیریوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔ بطور نمونہ دو اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

روزئ ما آخرش گردد نصیب دیگراں
طالع برگشتہ ہچوں آسیہ داریم ما

ترجمہ: ہماری کمائی ہوئی روزی آخر میں دوسروں کے حصے میں چلی جاتی ہے۔ ہماری قسمت تو اس چکی جیسی ہے جو سارا دن پیستی رہتی ہے لیکن اسکے اپنے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

ہچو سوزن دائیم از پوشش گریزا نیم ما
جامہ بہر خلق می دوزیم و عریا نیم ما

ترجمہ: سوئی کی طرح ہم ہمیشہ لباس سے محروم ہی رہے۔ جو لوگوں کیلئے کپڑے سیتی رہتی ہے لیکن خود ہمیشہ عریاں ہی رہتی ہے۔

''شاندار مغلیہ دور'' میں عوام الناس کی زبوں حالی کی اس سے بہتر تصویر کشی نہیں کی جا سکتی تھی۔

حوالہ جات:

1. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادئ کشمیر — صفحہ 91
2. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادئ کشمیر — صفحہ 91
3. پرویز دیوان — روزنامہ ''ڈان'' 8 فروری 2004ء — صفحہ 3
4. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 501
5. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 57
6. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 504
7. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 506
8. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 513
9. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 514
10. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 515

11. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 516

12. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 93

13. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 519

14. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 521

15. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 527-526

16. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 529

17. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 530

18. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 94

19. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 58

20. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 539

21. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 542

22. ادبی دنیا — کشمیر نمبر — صفحہ 121

23. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 95

24. ادبی دنیا — کشمیر نمبر — صفحہ 121

25. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 96

26. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 96

27. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 562

28. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 564

29. پریم ناتھ بزاز — تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر — صفحہ 97

30. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 59

31. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 619

کشمیر کی تاریخ کا سیاہ ترین دَور

(الف) افغانوں کا 66 سالہ دَور استبداد:

مغلیہ سلطنت کے آخری زوال پذیر اور پُر آشوب دور میں کشمیری قوم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ باہمی آویزش اور فرقہ وارانہ فسادات نے عوام الناس کو حد درجہ پریشان کر رکھا تھا۔ مغل صوبیدار انتہائی غیر ذمہ دار اور ظالم بن گئے تھے۔ یہ لوگ دن رات عوام کا خون نچوڑنے اور اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ اس زمانے میں کوئی سیاسی تنظیمیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ عوام کی رہنمائی یا نمائندگی کا کام مذہبی اکابرین یا امراء کا طبقہ کیا کرتا تھا۔

اتفاق سے اس زمانہ میں پڑوسی مملکت افغانستان میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ نادر شاہ درانی کو 10 جمادی الثانی 1160 ہجری (1747ء) کو آدھی رات کے وقت قبیلۂ قزلباش اور افشار کی سازش سے اپنے ہی خدمت گاروں نے قتل کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے جو نادر شاہ کے مصاحبوں میں سے تھا، اپنے قبیلہ (سدوزئی) کے چار پانچ ہزار آدمی اکٹھے کر کے پہلے نادر شاہ کے قاتلوں کی خبر لی پھر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر سلطنت پر قابض ہو گیا۔ (1)

کشمیری امراء نے احمد شاہ ابدالی کی تخت نشینی کا حال سنا تو انہوں نے ابدالی کو ایک خط لکھ بھیجا کہ ”آپ کشمیر کے لئے اپنا کوئی ناظم مقرر کریں ہم لوگ بغیر کسی لڑائی کے موجودہ (مغل) ناظم کو آپ کے حوالے کر دیں گے۔“ یہ خط بجائے ابدالی تک پہنچنے کے مغل سردار افراسیاب بیگ کے ہاتھ لگا۔ اُس نے اس تحریر کو امرائے کشمیر کے سامنے ظاہر کر دیا۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی لاہور میں مقیم تھا کہ کشمیری رہنما میر مقیم اور خواجہ ظہیر نے اس سے ملاقات کی اور کشمیر کو تسخیر کرنے کی دعوت دی۔ اُس نے دعوت قبول کی اور عبداللہ خان ایشک اقاصی کو لشکر دے کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ 1753ء میں افغان افواج کشمیر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ (2)

اس طرح کشمیر کی حکمرانی شاہان چغتائی (مغلوں) کے ہاتھ سے نکل کر افغانوں کے ہاتھ

آئی۔ افغانوں کا اقتدار 1753ء سے 1819ء تک 66 سال قائم رہا۔ اس دوران کابل میں 4 بادشاہوں کی حکمرانی رہی:

1. احمد شاہ ابدالی 19 سال 2. تیمور شاہ دُرّانی 21 سال
3. زمان شاہ دُرّانی 9 سال 4. محمد شاہ دُرّانی 17 سال

ان 66 برسوں میں افغان بادشاہوں کی طرف سے 24 صوبے دار یکے بعد دیگرے مقرر ہوتے رہے۔ ان میں سے ایک دو استثناؤں کے سوا سب نے تظلم وتشدد اور استحصال کی کارروائیاں جاری رکھیں۔ عبداللہ خان ایشک اقاصی کشمیر کا فاتح تھا۔ اُسکے بارے میں مورخ محمد دین فوق لکھتے ہیں:

''شاہی خزائن (خزانے) دفائن (دفینے) اور مال واسباب تو فاتح عبداللہ کیلئے شیر مادر ہی تھا، اُس نے تمام رعایا میں لوٹ مار مچادی۔ ظلم وستم تطاول وتاراج، اخذ مصادرہ ونذرانہ، غرض جس طرح ممکن ہوا، غریب رعایا کو لوٹنے میں کوئی فرق نہ رکھا۔ تمام ملک میں شور وواویلا برپا ہوگیا۔'' (4)

اسوقت کے ایک شاعر ملّا احمد نے ان حالات کو دردانگیز الفاظ میں نظم کیا جسکا آخری شعر ہے:

ناگہاں چوں بلائے دامن گیر
شاہ قاصی رسید در کشمیر

ایشک اقاصی صرف 5 ماہ اور 24 دن اقتدار میں رہا لیکن اس مختصر عرصہ میں اس نے جبر و استحصال کی حد کردی۔ جگ موہن کا کہنا ہے:

''ایشک اقاصی نے تاجروں سے ایک کروڑ روپیہ زبردستی حاصل کیا۔ وہ صاحب حیثیت کشمیریوں کو ایک قطار میں کھڑے کر کے مطالبہ کرتا تھا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے دے دو ورنہ موت کے لئے تیار ہوجاؤ۔'' (5)

1754ء میں سکھ جیون مل نے خواجہ ابوالحسن بانڈے کی رفاقت میں ملک کا انتظام سنبھالا اور امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1755ء میں قحط پڑا اور ٹڈی دل نے حملہ کردیا۔ ابوالحسن بانڈے نے دو لاکھ خروار دھان عوام میں تقسیم کردیا۔ (6)

دو ڈھائی سال تک سکھ جیون مل نے ابوالحسن بانڈے کی مدد سے امور ملکی بخیر وخوبی سرانجام دئے لیکن فتنہ پردازوں کو یہ امن وآشتی کا زمانہ پسند نہ آیا۔ ان دونوں کے درمیان کدورت پیدا کردی گئی۔ سکھ جیون مل نے خودمختاری کا اعلان کردیا تھا اور ابوالحسن کو اپنا وزیراعظم مقرر کیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی لاہور میں تھا اس نے نورالدین بامزئی کو 50 ہزار سپاہ کے ساتھ جیون مل کو بے اثر کرنے کی خاطر کشمیر

[نقشہ نمبر 12]

18 ویں صدی کا جنوبی ایشیاء

1751ء

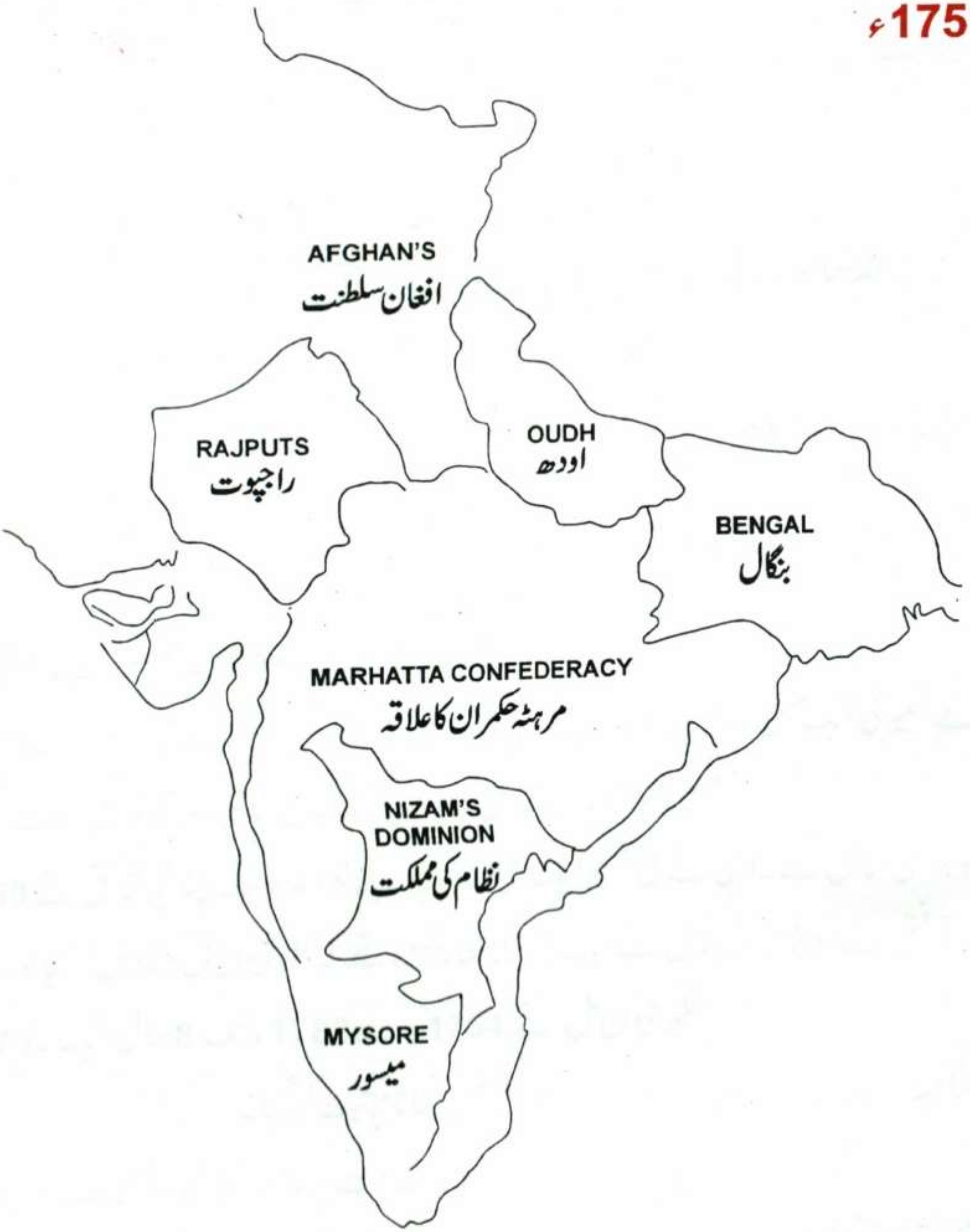

18ویں صدی کے وسط میں مغلیہ سلطنت کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔اس دور میں تین طاقتیں ہندوستان میں اپنا اثر بڑھانے میں مصروف تھیں۔۔۔۔افغان،فرانسیسی حکومت اور مرہٹے۔

1747ء میں افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ درانی کو ایک سازش کے تحت اپنے ہی خدمت گاروں نے قتل کر دیا۔احمد شاہ ابدالی افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔کشمیری عوام مغلوں کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے تھے۔چنانچہ کچھ کشمیری زعما نے ابدالی کو تسخیر کشمیر کی دعوت دی۔ابدالی نے یہ دعوت قبول کر لی اور 1753ء میں افغان افواج نے کشمیر پر فوج کشی کی اور مغل افواج کو شکست دے کر ریاست پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔افغانوں کا یہ قبضہ 66 سال تک یعنی 1819ء تک قائم رہا۔اس طرح کشمیر مغل غلامی سے نکل کر افغان غلامی میں آ گیا۔

فرانسیسی حکومت نے سارے جنوبی ہند پر اپنا عمل دخل قائم کر لیا۔انگریز اپنا اثر کھو چکے تھے۔ان کے قبضے میں اب صرف کلکتہ،بمبئی،مدراس،سینٹ ڈیوڈ کا قلعہ اور ''دیوی کوٹا'' رہ گئے تھے۔

مغل شہنشاہ کے اختیار میں اب صرف گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ رہ گیا تھا۔

1753ء میں مغلوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر کشمیر کے دو لیڈروں پیر مقیم کنٹھ اور خواجہ ظہیر دیدہ مری، احمد شاہ ابدالی کو تسخیر کی ترغیب دینے لاہور پہنچے جس نے عبداللہ خان ایشک اقاصی کی سربراہی میں ایک لشکر جرار بھیج کر مغلوں کو بے دخل کر دیا اور کشمیر کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ایشک اقاصی نے 5ماہ24روز جور وستم کا بازار گرم کیے رکھا اور ایک کروڑ روپیہ نقد وجنس لے کر واپس چلا گیا۔کابل جاتے ہوئے اس نے کشمیر کی حکومت راجہ سکھ جیون مل کے سپرد کی۔

سکھ جیون مل نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور 8 سال تک خواجہ ابوالحسن بانڈے (وزیر اعظم) کی اعانت سے حکمرانی کرتا رہا۔اس کے بعد افغان فوج سے ایک جھڑپ میں وہ شکست کھا گیا۔اسے گرفتار کر کے اسکی دونوں آنکھیں نکال دی گئیں۔

احمد شاہ ابدالی کے دور میں 1762ء سے 1772ء تک 7 صوبیدار کشمیر میں مامور رہے۔تیمور شاہ درانی کے عہد میں 8 صوبیدار کشمیر پر حکمرانی کرتے رہے۔تیمور شاہ نے 1772ء سے 1793ء تک 21 سال حکمرانی کی۔زمان شاہ درانی کابل میں تخت نشین ہوا اور 9 سال حکمرانی کرتا رہا۔اس کے دور میں 5 صوبیدار کشمیر میں مامور ہوئے۔زمان شاہ کے بعد محمد شاہ درانی کے دور حکومت میں 4 صوبیداروں نے کشمیر پر حکومت کی۔

بھیجا۔ سکھ جیون مل 60 ہزار سپاہ کے ساتھ مقابلہ کیلئے آیا لیکن اُسے کسی طرح دھوکے سے گرفتار کر کے نورالدین بامزئی کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس نے اسکی دونوں آنکھیں نکلوادیں۔ (7)

سکھ جیون مل بہت شجاع اور دلاور آدمی تھا۔ وہ بے تعصب، نیک سیرت اور راست گو انسان تھا۔ وہ مسلمان علماء اور فضلاء کی بہت مدد کرتا تھا۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں موجود رہتا تھا، عید اور نوروز کے جشن بڑے شوق سے مناتا تھا۔ جب اُس کی آنکھیں نکالی جارہی تھیں تو اس نے ایک نظم کہی جس کا مطلع تھا:

چشم از وضع جہاں پوشیدہ ہے
سربسر احوال آن نادیدہ ہے

اندھا ہو جانے کے بعد یہ رباعی اسکے ورد زبان رہتی تھی:

ہر چند گفتم نفس دُنی را
باید نہ کردن ناکردنی را
ایں نفس سرکش نہ شنید از من
تا آخرش دید نادیدنی را

سکھ جیون مل کی حکومت کشمیر کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ وہ نہایت علم دوست حاکم تھا۔ اس نے کشمیر کی ایک مکمل تاریخ شاہنامہ کی طرز پر لکھوانے کا ارادہ کیا اور سات شاعروں کو یہ کام سونپ دیا۔ جن میں محمد عرفان متین، عبدالوہاب شائق، ملاراج، محمد جان سامی، ملا محمد توفیق رحمت اللہ نوید اور حسن شامل تھے۔ اس نے فی شعر ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ شائق نے 60 ہزار، ملا توفیق نے دو ہزار اور سامی نے ایک ہزار اشعار لکھے تھے کہ سکھ جیون مل کو زوال آ گیا اور یہ بے نظیر منصوبہ نامکمل رہا۔ سکھ جیون مل نے 1754ء سے 1762ء تک 8 سال ایک ماہ 27 دن نہایت شان سے حکمرانی کا ڈنکا بجایا اور تاریخ میں اپنا نام ثبت کر گیا۔

نورالدین بامزئی کے بعد بلند خان کو کشمیر کی نظامت پر مامور کیا گیا۔ اُس کے دور نظامت میں شیعہ سنی فساد برپا ہوا۔ اہل تشیع کی بستی ''زڈی بل'' کو آگ لگادی گئی۔ اسی سال سردی کی شدت کی وجہ سے دریائے جہلم، جھیلوں اور چشموں کا پانی جم گیا۔ (8)

1771ء میں امیر خان جواں شیر مسند نظامت پر بیٹھا۔ امیر خان ہر وقت عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا تھا۔ اپنی عیاشی کے لئے اس نے جھیل ڈل میں 40 گز لمبا اور 36 گز چوڑا ایک مصنوعی

جزیرہ تعمیر کرایا جو "سونہ لانک" کے نام سے اب تک موجود ہے۔ جزیرہ پر اس نے سات منزلہ محل بنوایا۔ ملاحوں کی ایک حسین لڑکی سے اس نے نکاح کیا۔ اُس نے ایک باغ امیر آباد کے نام سے بنوایا جس میں مغلیہ دور کی عمارات میں سے پتھر وغیرہ اکھاڑ کر لگوائے اس کاروائی سے اس کے ملاح رشتہ داروں کو بہانہ مل گیا۔ انہوں نے تمام پرانی عمارتوں اور باغوں کو ویران کر دیا اور اس مٹیریل سے اپنے مکان تعمیر کیئے۔ جگ موہن کے مطابق:

امیر خان کے سسرالی رشتہ داروں (ہانجیوں) نے 700 کے قریب مغل باغات اور عمارات کو مسمار کیا اور ان میں استعمال ہونے والا سامان پتھر اینٹیں وغیرہ اپنے مکانات بنانے کے کام میں لائے۔ (9)

سری نگر میں امیر خان نے شیر گڑھی کے نام سے ایک قلعہ بنوایا اور دریائے جہلم پر امیر اکدل کے نام سے پل بنوایا (10)

1772ء میں 21 سال کی حکمرانی کے بعد احمد شاہ ابدالی فوت ہو گیا اور اسکے بیٹے تیمور شاہ نے تخت سنبھالا۔ تیمور کے دور حکومت میں ابتدا میں امیر خاں جواں شیر مطابعت کرتا رہا لیکن پھر اُسکے سر میں بوئے خودسری پیدا ہو گئی اور اس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ جواں شیر شیعہ مسلک کا پیروکار تھا۔ اپنے مسلک کی ترویج میں اس نے سنیوں کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ سنی لوگوں کو شیعہ مسلک کی توہین کے الزام میں قتل کروادیا۔ تیمور شاہ کو اطلاع ملی تو اس نے حاجی کریم داد خان کو جواں شیر کی گوشمالی کے لئے لشکر دے کر بھیجا۔ اسکے بعد کریم داد خان کو نظامت کے عہدے پر مامور کر دیا گیا۔ کریم داد خان نے ظلم وستم کا ایسا بازار گرم کیا کہ تمام رعایا الامان کہہ اٹھی۔ اُس نے مال و دولت لوٹنے کے علاوہ اعلیٰ وادنیٰ کشمیریوں کے ناموس کو پامال کیا۔ بغیر کسی مذہبی تفریق کے اسکے مظالم سے سبھی نالاں تھے۔ اس نے طرح طرح کے ٹیکس عائد کیئے۔ بڑی بڑی رقوم بطور جرمانہ وصول کیں۔ پیشہ وروں پر ٹیکس عائد کیا۔ شال بافوں پر داغ شال کا ٹیکس اس کی ایجاد ہے۔ (11)

کریم داد خان نے جب ساری پیداوار کابل بر آمد کرنے کا قانون بنایا تو کشمیری زمینداروں نے اپنے سیب کے باغات کاٹ دئے اور چاول کاشت کرنا بند کر دیا۔

افغانوں کے دور میں کشمیر سے خوبصورت لڑکیاں جبراً اغوا کی جاتی تھیں اور انہیں کابل کے بازاروں میں سرعام فروخت کیا جاتا تھا۔ افغان کشمیر کے تنومند لوگوں کو ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں کابل لے جایا کرتے اور وہاں ان سے بار برداری کا کام لیا جاتا تھا۔

کریم داد خان نے ہندوؤں اور اہل تشیع کو طرح طرح سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ آخر 6 سال 10 ماہ کی ستم رانی کے بعد 1783ء میں اسکی وفات نے خلق خدا کو اسکے جور و جفا سے نجات دلا دی۔ کریم داد خان کے بعد 1783ء میں اس کا بیٹا آزاد خان کشمیر کا صوبیدار مقرر ہوا۔

اس کے بارے میں مورخ محمد دین فوق لکھتے ہیں:

''آزاد خان کے حالات لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے۔ سعادت مند بیٹا جور و ستم میں باپ سے بھی بڑھ کر نکلا۔ خود تو معمولی لباس پہنتا تھا لیکن اس کے غلام اور چوبدار بھڑک دار پوشش اور زریں کمر بند زیب تن کئے ہوئے شعلۂ نور نظر آتے تھے۔'' (12)

آزاد خان نے کشتواڑ، پونچھ، راجوری وغیرہ میں چاروں طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کئے رکھا۔ اس نے تمام پرگنہ جات سے زمینداروں کو بار برداری کیلئے بیگار میں پکڑا۔ اس نے سلطان روم کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اور خود کو نادر شاہ ثانی کے نام سے مشہور کیا۔ (13)

تیمور شاہ نے سیف الدولہ مدد خان کو پچاس ہزار سپاہ دے کر آزاد خان کو قابو رکھنے کیلئے بھیجا۔ آزاد خان کا ایک سردار اسلم خان، مدد خان سے مل گیا تو آزاد خان نے اسکے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو دریا میں غرق کر دیا اور اسکی بیوی کا دامن عصمت اپنے سپاہیوں سے چاک کرایا۔ (14)

آزاد خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد چن چن کر لوگوں کی بیٹیوں کی عصمت لوٹی۔ اس کام کیلئے اس نے دلال رکھے ہوئے تھے جو اس کیلئے خوبصورت لڑکیاں لایا کرتے تھے۔

اسلام خان نے آزاد خان کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصور نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ اسلام خان نے اس کا سر کاٹ کر مدد خان کے پاس بھیجا اور مدد خان نے اسے تیمور شاہ کے پاس بھیج دیا۔ (15)

فوق کہتے ہیں:

''یوں تو تمام عہد افغانیاں کشمیر کیلئے تازیانۂ عبرت تھا لیکن ان باپ بیٹوں (حاجی کریم داد خان اور آزاد خان) کا زمانہ کشمیر میں قہر الٰہی سے کم نہ تھا۔ غضب خدا کا کہ رعایا فاقوں سے تباہ حال ہو رہی ہے اور یہ باپ بیٹا نئے محصولات سے ان کا کچومر نکال رہے ہیں۔'' (16)

1785ء میں سیف الدولہ مدد خان اسحاق زئی نے نظامت سنبھالی تو لوگوں نے اسے بھی آزاد خان اور مدد خان کا تسلسل سمجھا۔ کسی شاعر نے کہا:

در تواریخ یک ہزارو دوصد
ظلم آزاد را رسید مدد

یعنی 1200 ہجری میں آزاد خان کے ظلم کو مدد پہنچ گئی۔

1793ء میں تیمور شاہ کی وفات پر زمان شاہ درّانی کابل کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے کابل میں موجود تمام شہزادوں کو نظر بند کر دیا۔ وہ اپنے عہد حکومت میں بھائیوں سے لڑتا ہی رہا۔ 1803ء میں وہ درہ خیبر میں بڑے بھائی محمود شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا جس نے نہایت بے رحمی سے محبوس بادشاہ کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور بڑے بھائی ہمایوں شاہ کے پاس قندھار بھجوا دیا۔

1793ء میں چند ماہ کیلئے میر ہزار خان نے کشمیر کے صوبیدار کا منصب سنبھالا۔ زمان شاہ نے خراج سلطانی بھیجنے کیلئے میر ہزار خان کو لکھا لیکن اُسے نے شاہی حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور عوام الناس پر ظلم ڈھانے لگا۔ ہندوؤں اور شیعوں پر اس نے قیامت برپا کر دی۔ ہزاروں بے گناہ پنڈتوں کو قتل کر دیا، سینکڑوں کو بوریوں میں بند کر کے جھیل ڈل میں ڈبو دیا، تمام ہندوؤں پر جزیہ عائد کر دیا۔ ہندوؤں کو فارسی پڑھانے کی سخت ممانعت کی۔ (17)

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک افسر جارج فورسٹر نے 1783ء میں کشمیر کا دورہ کیا۔ اس نے لکھا کہ کس طرح معمولی معمولی الزامات میں دو دو ملزموں کو آپس میں باندھ کر دریا میں پھینک دیا جاتا ہے اور کس طرح خواتین کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ (18)

1794ء میں کفایت خان کو کشمیر کا گورنر بنا دیا گیا۔ اسکے دور حکومت میں ایک بار پھر شیعہ سنی فساد پھیل گیا جس سے ملک کا نظم ونسق تباہ ہو گیا۔ 1796ء میں عبداللہ خان الکوزئی کو کشمیر کا ناظم بنا دیا گیا۔ اُس نے اس عہدہ پر 5 سال گزارے عبداللہ خان رفاہ عامہ کیلئے کوشش کرتا رہا۔ اس نے عدل وانصاف کے دروازے سب کیلئے کھول دیے۔ 1807ء میں عطا محمد خان کشمیر کا گورنر بنا۔ عطا محمد خان درویش صفت انسان تھا۔ اس نے کشمیر کے تمام فرقوں سے مساویانہ سلوک قائم رکھا تھا۔ وہ جمعہ کے روز ایک عام دربار منعقد کیا کرتا تھا اور لوگوں کو باریابی کا موقعہ دیتا تھا۔

محمد عظیم خان، صوبیدار کشمیر:

عظیم خان شاہ افغانستان کی طرف سے آخری صوبیدار تھا جس نے 1813ء سے 1819ء تک کشمیر میں نظامت کے فرائض سرانجام دیے۔ اس کے یہ 6 سال اندرونی آویزشوں

[نقشہ نمبر 13]

19ویں صدی کے آغاز کا جنوبی ایشیاء

1805ء

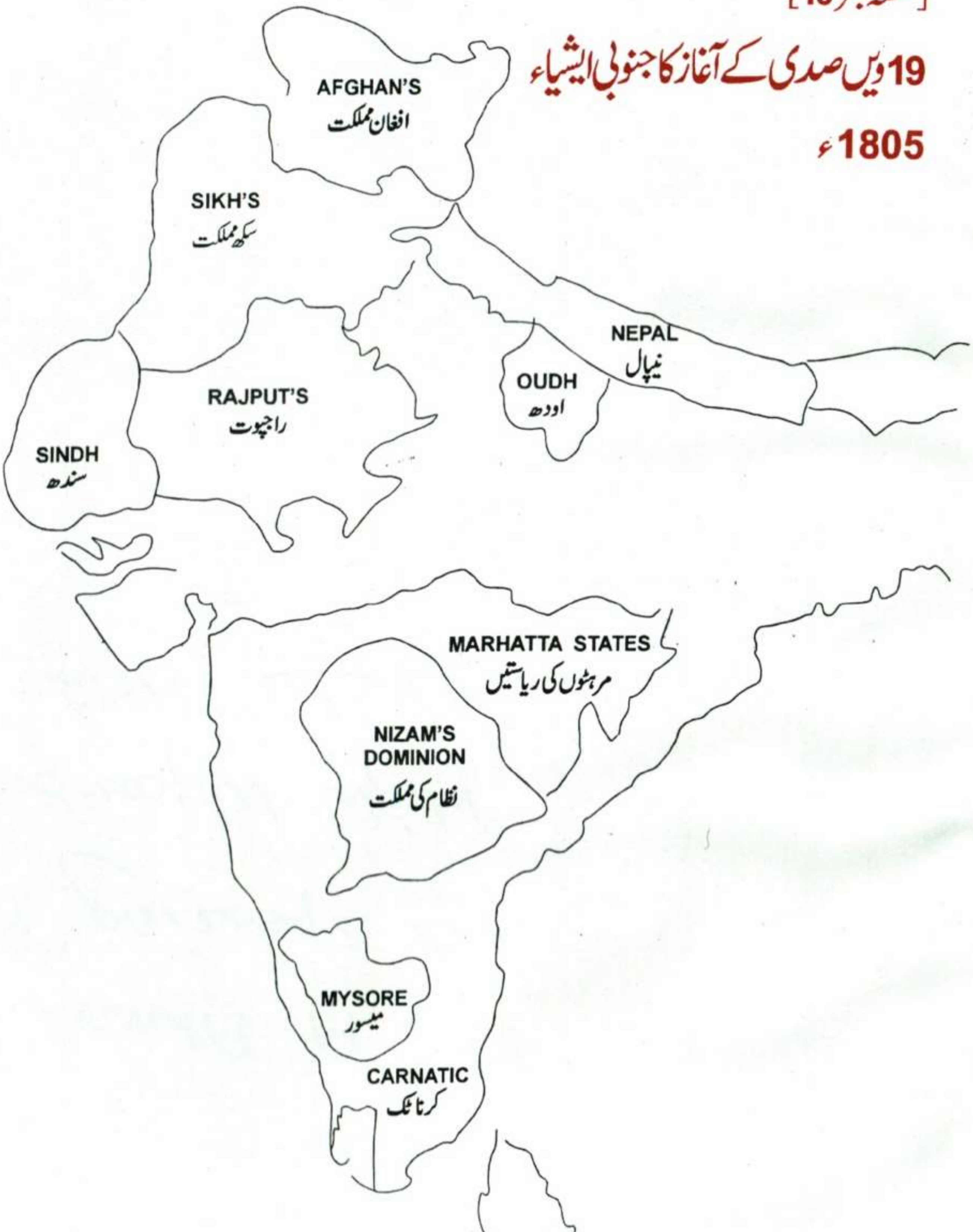

18ویں صدی میں جب شاہان دہلی خانہ جنگیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے اور سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا تو پنجاب میں سکھوں کو بھی آزادی مل گئی کہ جس طرح چاہیں لوٹ مار کریں۔ 1780ء میں میہاں سنگھ کے گھر سداکور کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام رنجیت سنگھ رکھا گیا۔

1798ء میں والئی کابل شاہ زمان وطن واپس جا رہا تھا کہ اسکی چند توپیں دریائے جہلم میں رہ گئیں۔ رنجیت سنگھ نے 12 میں سے 8 توپیں نکال کر بھیج دیں تو شاہ کابل نے اسے انعام میں لاہور کا پروانہ لکھ دیا۔ رنجیت سنگھ 1799ء میں لاہور میں داخل ہو گیا اور اس نے سارے پنجاب کو اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔

ادھر جنوب میں ریاست کوچ بہار نے 1772ء میں، کوچین نے 1791ء میں، حیدر آباد نے 1798ء میں میسور نے 1799ء میں، بڑودہ نے 1802ء میں رام پور نے 1801ء میں، پیشوا کی ریاست نے 1802ء میں سندھیا نے 1804ء میں، ٹراونگور نے 1805ء میں، بھرت پور، الور اور دھولپور نے 1802ء سے 1806ء تک برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا۔ سندھ پہلے ہی خود مختار تھا۔ ادھر کشمیر بدستور افغانوں کی غلامی میں جکڑا رہا۔

1793ء میں زمان شاہ کابل کے تخت پر بیٹھا۔ کچھ دنوں اس نے سوائے شجاع الملک کے کابل میں موجود شہزادوں کو اندیشہ بغاوت میں نظر بند کر دیا۔ وہ اپنے دور میں بھائیوں سے لڑتا ہی رہا۔ 1802ء درہ خیبر میں اپنے بڑے بھائی محمد شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ جس نے اسکی آنکھیں نکال کر ہمایوں شاہ کے پاس بھیج دیا۔

بھائی کی آنکھیں نکال کر محمود شاہ 1802ء میں تخت نشین ہوا اور 1819ء تک حکمرانی کرتا رہا۔ اس کے دور میں چار صوبیدار کشمیر کی صوبیداری پر مامور رہے۔

عبداللہ خان الکوزی	5سال	عطا محمد خان	6سال
محمد عظیم خان	6سال	جبار خان	6ماہ

جبار خان صوبیدار کے دور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی افواج نے پنڈت پیر بل کی دعوت پر کشمیر پر دوسری بار حملہ کیا۔ جبار خان نے شوپیاں کے قریب انکا مقابلہ کیا لیکن زخمی ہو کر سری نگر بھاگ آیا اور وہاں سے اپنا مال واسباب جمع کر کے بارہ مولہ کے راستے کابل بھاگ گیا۔

فاتح دیوان جند کامیاب ہو کر شیر گڑھی میں داخل ہو گیا اور یوں 1819ء میں کشمیر سکھ ریاست کا غلام بن گیا۔ یہ غلامی 27 سال 1846ء تک جاری رہی۔

میں ہی گزر گئے۔ اس کے دور کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1814ء میں کشمیر پر فوج کشی کی۔ مہاراجہ خود پونچھ میں فتح کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ جبکہ اس کی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی موضع سدو پہنچ گئی۔ اتفاق سے اسی روز زبردست بارش ہوئی اور سردی اتنی بڑھی کہ گرم ملک کے رہنے والے الامان پکار اُٹھے۔ اگلے روز مقابلہ ہوا اور لگ بھگ تین ہزار سکھ فوجی کام آگئے۔ اسکے بعد انہیں پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

بعد میں رنجیت سنگھ نے دوبارہ کشمیر پر حملہ کیا جس میں اسے کامیابی ہوئی اور کشمیر افغانوں کے پنجے سے نکل کر سکھوں کے چنگل میں پھنس گیا۔

پنڈتوں اور شیعوں کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ:

پنڈتوں کو کشمیر میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ انہیں انکے علم وفضل کی وجہ سے افغان دربار میں بھی جگہ مل گئی لیکن انہیں مجبور کیا گیا کہ داڑھی رکھیں اور جوتے یا پگڑی نہ پہنیں۔ ماتھے پر تلک نہ لگائیں۔ بعد کے دور میں کشمیری پنڈت ایک دیوزاد پگڑ باندھتے تھے اور تلک لگانے میں مبالغے سے کام لیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایسا اسلئے کرتے تھے کہ انہیں پٹھان حکمرانوں کا ہولناک استبداد کبھی فراموش نہ ہو۔ ایک حکمران امیر خان تھا جس نے برہمنوں اور شیعوں دونوں کو جھیل میں ڈبوایا۔ ہندوؤں کی نظر میں گائے مقدس ہے، اور مذہباً چمڑے کو چھونا یا پہننا جائز نہیں، وہ انہیں چمڑے کے تھیلوں میں بند کر کے مرواتا تھا۔

عطا محمد خان نے ایک بوڑھی کریہہ صورت عورت کو اپنا گماشتہ اس مقصد کیلئے مقرر کر رکھا تھا کہ کسی ہندو لڑکی کو شادی کیلئے کنواری نہ چھوڑے۔ مائیں اپنی بیٹیوں کو پٹھانوں کی عصمت دری سے بچانے کیلئے نہ صرف بال بلکہ ناک تک کاٹ دیتی تھیں۔

ہندوؤں سے گھاس کے بڑے بڑے بورے زبردستی بنوائے جاتے تھے، پھر دو دو کو زوبرو باندھ کر تھیلوں میں بھر دیتے تھے پھر کشتیوں میں رکھ کر جھیل ڈل میں لے جا کر زندہ ہی پانی میں پھینک آتے تھے۔ جھیل کا وہ حصہ ''بٹہ مزار'' یعنی (ہندوؤں کا مزار) کے نام سے مشہور ہے۔ (19)

پنڈت بیر بل در:

ان دنوں کابل میں احمد شاہ درّانی کے بیٹے محمود شاہ درّانی کا دور حکومت تھا۔ عظیم خان نے

مال گزاری کے مہتمم پنڈت بیر بل کو حکم دیا کہ مال گزاری کے بقایا جات کا ایک لاکھ روپیہ لوگوں سے وصول کر کے خزانہ میں جمع کرایا جائے۔ بیر بل نے جواب دیا کہ گزشتہ سال موسم کی خرابی کی وجہ سے فصل پک نہیں سکی تھی، جس کی وجہ سے زمینداروں اور کاشتکاروں کی معاشی حالت پہلے ہی بہت ابتر ہے، ان پر مزید بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ عظیم خان سخت برہم ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ مال گزاری کی رقم وصول نہ کی گئی تو بیر بل کی جائیداد نیلام کر کے یہ رقم پوری کی جائے گی۔

اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے معززینِ شہر کا ایک اجلاس بیر بل کے بھائی مرزا پنڈت کے گھر منعقد ہوا۔ اجلاس میں ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کے عمائدین شریک ہوئے۔ جن میں پنڈت بیر بل کے علاوہ پنڈت رام سروپ، خواجہ قدوس جُو، مرزا پنڈت اور خواجہ عبداللہ جُو وغیرہ شامل تھے۔ بیر بل نے حاضرین کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ سب اس بات پر متفق تھے کہ قحط سالی کی وجہ سے زمیندار طبقہ کی پہلے ہی کمر ٹوٹ چکی ہے، ان سے مال گزاری کی وصولی ممکن ہی نہیں۔

طے پایا کہ ظالم افغانوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے امداد طلب کی جائے۔ یہ کام پنڈت بیر بل کے ذمے لگایا گیا۔ خواجہ قدوس جُو نے بیر بل کے اہلِ خانہ کی حفاظت اور کفالت کا کام اپنے ذمے لیا اور انہیں اپنے گھر منتقل کر لیا۔ چنانچہ پنڈت بیر بل اپنے بیٹے راجہ کاک ساتھ لے کر کھوڑی نار، پیر پنجال کے راستے پنجاب روانہ ہوا۔ ان علاقوں کے رؤسا ملک ذوالفقار خان اور کامگار خان نے بھی بیر بل سے پورا تعاون کیا اور اس نے نندی مرگ کے رئیس نور جمال کی مدد سے درۂ پیر پنجال عبور کیا۔ (بزاز نے ان رؤسا کے نام کامدار خان اور نامدار خان لکھے ہیں)۔ یہ واقعہ سن 19-1818ء کا ہے۔

جب کئی دن تک بیر بل دربار میں حاضر نہ ہوا تو عظیم خان کو اس کی تلاش ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر سے غائب ہے۔ عظیم خان نے مرزا پنڈت کو بلا کر دریافت کیا۔ اس نے پہلے تو لاعلمی کا اظہار کیا لیکن جب عظیم خان نے زیادہ زور دیا تو مرزا پنڈت نے جواب دیا:

''اگر اسے دنیا کی لالچ نہیں ہے تو وہ سیدھا گنگا گیا ہوگا، بصورت دیگر وہ رنجیت سنگھ کے دربار میں اس وقت کشمیر پر حملے کا پروگرام بنا رہا ہوگا۔''

عظیم سخت برہم ہو گیا اور حکم دیا کہ اگر بیر بل نہ ملا تو بقایا جات پنڈت مرزا سے وصول کیے جائیں گے۔ گورنر نے پولیس سپرنٹنڈنٹ واسہ کاک کو حکم دیا کہ بیر بل کے اہل خانہ کو تلاش کرو۔ اگر تم نے کوتاہی کی تو تم سے ایک ہزار روپیہ روزانہ جرمانہ وصول کیا جائے گا۔ اسے پتہ چلا کہ بیر بل

کی بیوی اور بہو کو خواجہ قدوس بُو نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔ عظیم خان نے قدوس بُو کو پا بہ جولاں دربار میں طلب کیا۔ اس نے بیربل کی فیملی کو پناہ دینے کا اقرار کیا تو عظیم خان نے اسے سزائے موت سنادی۔ (20)

ادھر کابل میں عظیم خان کے بڑے بھائی وزیر فتح خان پر بُرا وقت آیا۔ کسی بات پر شاہ محمود والئی کابل کے بیٹے شہزادہ کامران نے اسکی دونوں آنکھیں اپنے ہاتھ سے خنجر سے نکال دیں۔ وزیر فتح خان نے عظیم خان کو کابل واپسی کا پیغام دے دیا۔ چنانچہ عظیم خان نے اپنا حرم اور اپنا خزانہ جسکی مالیت ایک کروڑ روپے سے زائد تھی، سہج رام دَر کے ہاتھ کابل روانہ کیا اور ایک ماہ بعد 1819ء میں اپنے بھائی جبار خان کو کشمیر میں چھوڑ کر کابل واپس چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد رنجیت سنگھ کی افواج نے جبار خان کو شکست دے کر کشمیر سے افغان حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ (21)

رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں گورنر دیوان موتی رام نے خانقاہِ معلی مسمار کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے خانقاہ کے بالمقابل جہلم کے گھاٹ پر توپیں بھی نصب کر دیں۔ مگر مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی اس اقدام کی مخالفت کی۔ کیونکہ یہ امر کشمیری تہذیب و تمدن کے اصولوں کے منافی تھا۔ پنڈت بیربل دَر نے دیوان موتی رام سے مل کر اسے اس اقدام سے باز رکھا۔ نامور مؤرخ صوفی مصنفِ "کشیر" نے لکھا ہے:

> "پنڈت بیربل کا یہ زندہ و جاوید کارنامہ ہے کہ جب حسن شاہ قادری خانیاری کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا تو اس نے سکھوں کو اس اقدام سے باز رہنے پر آمادہ کیا۔ اس نے اس معاملے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ذاتی اثر رسوخ سے اس تاریخی عمارت کو تباہی سے بچالیا۔"(22)

حوالہ جات:

1. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 617
2. علم الدین سالک — ادبی دنیا کشمیر نمبر — صفحہ 136
3. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 619
4. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 629

5.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 60
6.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 632
7.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 635
8.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 639
9.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 646
10.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 62
11.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 654
12.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 656
13.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 657
14.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 661
15.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 662
16.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 662
17.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 670
18.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 62
19.	نصرت	کشمیر نمبر	صفحہ 71
20.	اظہر دہلوی	اتحادی افسانے	صفحہ 178-185
21.	پی این کے بامزئی	کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر	صفحہ 468
22.	پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 136

(ب) رنجیت سنگھ کی سِکھا شاہی:

کشمیریوں کی غلامی کا تیسرا دور افغانوں کے زوال کے بعد 1819ء میں ریاست پر پنجاب کے حکمران رنجیت سنگھ کے قبضہ سے شروع ہوااور 27 سال تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ لاہور دربار کی کمزوری کے بعد انگریزوں نے ریاست جموں کشمیر پر حکمرانی کا سودا ایک ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کے ہاتھ 75 لاکھ روپے میں کیا۔ یہ 27 سالہ دور اہل کشمیر کیلئے ظلم و جبر کا بدترین دور گنا جاتا ہے۔ اس دور کے بارے میں مؤرخ محمد دین فوق اپنی تصنیف ''مکمل تاریخ کشمیر'' حصہ سوئم میں لکھتے ہیں:

''افغان کی حکومت اگر تلخ گھونٹ کے مشابہ تھی تو خالصہ بہادر زہر میں بُجھے ہوئے تیر نکلے۔''

ان کے دور میں کشمیر کی جو حالت ہوئی اس کو ایک کشمیری شاعر کے اس شعر میں بیان کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ وہ کہتا ہے: (1)

لرزہ بر جان مرد و زن افتاد
خلق را شور محشر آمد یاد

افغانوں کے دور حکومت میں ظلم وستم کی جو کسر رہ گئی تھی اسکو سکھوں نے اپنے عہد میں تکمیل تک پہنچایا۔ خصوصاً سردار ہری سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ نے تو وہ ستم ڈھائے کہ کشمیر میں نہ عزت رہنے دی نہ ثروت۔ ہندو مسلمان جس کسی کے پاس دولت کا پتہ ملا چھین لی۔ اس سیاہ دور کی کیفیت کو ایک اور کشمیری شاعر نے اپنے اس شعر میں بیان کر کے رہتی دنیا تک کیلئے یادگار بنا دیا ہے:

جرم ما مارا چُو دا منگیر شد
قوم سنگھاں وارد کشمیر شد

اس دور کے حالات کو مختلف تاریخ دانوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تصنیفات میں قلم بند کیا ہے۔ خواجہ محمد یوسف صراف نے اپنی مشہور تصنیف ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فوق نے ''مکمل تاریخ کشمیر'' کا حصہ سوئم صرف اسی دور کے حالات کیلئے مخصوص کیا ہے۔ اسکا ایک اجمالی خاکہ اگلے صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

افغانوں کا ظلم وستم انتہا کو پہنچا تو اہل کشمیر کا ایک وفد پنڈت بیر بل کی قیادت میں مہاراجہ

رنجیت سنگھ والی پنجاب کے پاس لاہور پہنچا اور اسے کشمیر پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ ''تا کہ عوام الناس کو افغانوں کے ظلم وستم سے نجات دلائی جائے۔''(2)

چنانچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی افواج کشمیر پر حملہ آور ہوئیں۔ افغانوں کا تسلط پہلے ہی اندرونی طور پر بہت کمزور ہو چکا تھا۔ 1819ء میں رنجیت سنگھ کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رنجیت سنگھ خود کبھی کشمیر نہیں آیا۔ ایک بار پونچھ تک آ کر واپس چلا گیا۔ کشمیر کا انتظام اور استحصال اس نے اپنے مقرر کردہ گورنروں (صوبیداروں) کے سپرد کر رکھا تھا۔ خالصہ دور میں حسب ذیل صوبیدار کشمیر کی حکومت پر مامور رہے:

1. مصر دیوان چند	1819ء	صرف چند ماہ
2. دیوان موتی رام	1819ء سے 1820ء	ایک سال دو ماہ
3. ہری سنگھ نلوہ	1820ء سے 1821ء	دو سال
4. دیوان موتی رام (بار دوئم)	1822ء سے 1824ء	تین سال
5. دیوان چونی لال	1825ء سے 1826ء	دو سال
6. دیوان کرپا رام	1827ء سے 1830ء	چار سال
7. بھمان سنگھ اردلی	1831ء	ایک سال
8. شہزادہ شیر سنگھ	1832ء سے 1834ء	دو سال دو ماہ
9. جنرل میہاں سنگھ	1834ء سے 1841ء	سات سال
10. شیخ غلام محی الدین	1841ء سے 1845ء	چار سال
11. شیخ امام الدین	1846ء	چھ ماہ

مِصر دیوان چند:

تسخیر کشمیر کے وقت رنجیت سنگھ کی تقریباً نصف افواج مصر دیوان چند کے زیر کمان تھیں۔ چنانچہ 30 جون 1819ء جب ریاست کشمیر پر خالصہ حکومت کا عمل دخل ہو گیا تو مصر دیوان چند کو کشمیر کا پہلا گورنر (صوبہ دار) مقرر کیا گیا اور اسکی حفاظت کیلئے دیوان دیوی داس اور فقیر عزیز الدین کو بھی ساتھ بھیج دیا گیا۔ ان تینوں نے حکومت سنبھالتے ہی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو شکایات پہنچنے لگیں کہ دیوان چند کے ظلم اور جبر سے ہر طرف شور برپا ہے۔

چنانچہ اس نے مصر دیوان چند کو واپس لاہور بلوایا اور اسکی جگہ دیوان موتی رام کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا۔ مصر دیوان چند نے لاہور دربار میں حاضر ہو کر مہاراجہ کے حضور پچیس لاکھ روپے نقد اور تحائف پیش کئے نیز پنڈت بیربل کی معرفت مزید روپیہ وصول ہونے کی خوشخبری سنائی۔ مہاراجہ روپیہ اور تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مصر دیوان چند کو ظفر جنگ بہادر اور فتح جنگ کا خطاب دیا۔

یاد رہے کہ مصر دیوان چند صرف چند ماہ کشمیر کا گورنر رہا۔ اس مختصر عرصے میں اس نے 25 لاکھ روپے نقد اور لاکھوں روپے کے تحائف مہاراجہ کیلئے حاصل کئے۔ اس وقت کے 25 لاکھ روپے آج کے حساب میں ایک محتاط اندازے کے مطابق تیس پینتیس کروڑ بنتے ہیں۔ (3)

دیوان موتی رام:

1819ء کے اواخر میں دیوان موتی رام کو کشمیر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا اور پنڈت بیربل (یا بیربر) کو مالیہ اور محصولات کی فراہمی کا کام سونپا گیا۔ پنڈت بیربل نے لاہور دربار کو خوش کرنے کیلئے عوام کے ہر طبقہ کو اس قدر استحصال کا نشانہ بنایا کہ لوگ افغانوں کے مظالم بھول گئے۔

چنانچہ 1821ء میں مہاراجہ کی طرف سے دسہرہ کے موقع پر پنڈت بیربل کو اس کی ان خدمات کے صلہ میں ایک خلعت، پُغہ، کلغی، مروارید کا ہار، دوشالہ اور سونے کا کڑا انعام میں دیا گیا۔ بیربل کے ہتھکنڈوں کے بارے میں منشی محمد دین فوق نے ''مکمل تاریخ کشمیر'' میں اور خواجہ محمد یوسف صراف نے ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ دیوان موتی رام کے دور میں کشمیر میں بیشتر مسجدوں کے دروازوں پر تالے ڈالے گئے۔ ان میں سری نگر کی جامع مسجد بھی شامل تھی۔ گاؤ کشی کو جرم قرار دیا گیا۔ اس دوران 1820ء میں کشمیر میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ جسکے نتیجہ میں بیشمار لوگ ہلاک ہو گئے۔ رہی سہی کسر قحط سالی نے نکال دی۔ حکمرانوں کے جبر و استبداد، قحط سالی اور افلاس نے ہزاروں لوگوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا۔

ہری سنگھ نلوہ:

خالصہ افواج کے کشمیر پر حملہ کے وقت ہری سنگھ کے زیر کمان بھی ایک فوج شامل تھی۔ کشمیر کی تسخیر کے بعد نلوہ کو ہزارہ کی نظامت سونپ دی گئی۔ ہری پور ہزارہ اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

نلوہ گوجرانوالہ کا رہنے والا تھا۔ سخت جابر، جفا کیش اور سخت گیر حاکم تھا۔ 1820ء میں

رنجیت سنگھ نے دیوان موتی رام کو واپس بلا کر اس کی جگہ ہری سنگھ نلوہ کو کشمیر کا گورنر بنا دیا۔ (4)

ہری سنگھ نے کشمیر میں اپنے نام کی کرنسی بھی جاری کی جو ہری سنگھیہ روپیہ اور ہری سنگھیہ پیسہ کہلائی۔ اس نے بارہ مولہ، مظفر آباد، پونچھ اور راجوری کے علاقوں میں حکومت کے خلاف ابھرنے والی شورشوں کو دبایا اور ہزارہ کے علاقے پکھلی اور دھمتوڑ فتح کیے۔ نلوہ کے زمانے میں پنڈت بیربل، مرزا پنڈت اور خواجہ منور شاہ مالیات کی وصولی پر متعین رہے۔ انہوں نے عوام الناس کو خوب لوٹا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو خوش کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کشمیر سے وافر تعداد میں تحفے تحائف اور نقد رقمیں دربار میں بھیجی جاتی رہیں۔ نتیجہ کے طور پر ہری سنگھ نلوہ کے زور و جبر اور ظلم و استبداد سے عوام الناس بیزار ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کو یہ رپو رٹیں ملیں تو اس نے نلوہ کو واپس بلا لیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ مہاراجہ کی طلبی پر جب ہری سنگھ لاہور پہنچا اور اس نے مہاراجہ کے حضور بیش قیمت نذرانے پیش کیے تو رنجیت سنگھ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ ہزارہ کی نظامت بھی بخش دی۔ عمدۃ التواریخ میں تحائف کی تفصیل یوں لکھی ہے:

چالیس گھوڑے نہایت بیش قیمت، پانچ گھوڑے طلائی سامان سے لدے ہوئے، پالکی مع ہودہ کلابتونی، دوشالہ ہائے عمدہ، ظروف طلائی، ساز نقرہ۔ محمد دین فوق لکھتے ہیں کہ

''رنجیت سنگھ کو جب روپیہ اور تحائف کا لالچ دیا جاتا تھا تو وہ تمام عہد و پیمان اور شاہانہ اوصاف کو جواب دے دیتا تھا۔۔۔'' (5)

دیوان موتی رام بار دوئم اور دیوان چونی لال:

1822ء میں ہری سنگھ نلوہ کو کشمیر کی گورنری سے ہٹا کر ہزارہ کی نظامت سونپ دی گئی اور اس کی جگہ دیوان موتی رام کو دوسری بار کشمیر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ دو سال بعد دیوان موتی رام کی جگہ دیوان چونی لال کو صوبیدار بنا دیا گیا۔ چونی لال بھی دو سال گورنری کے عہدہ پر فائز رہا۔ اس کے دور کا ایک اہم واقعہ تواریخ میں یہ درج ہے کہ گاؤ کشی کے جرم میں دو مسلمان کشمیریوں کو، جنکا آپس میں سسر اور داماد کا رشتہ تھا، قتل کرایا گیا اور ان کی لاشوں کی سارے شہر میں تشہیر کرائی گئی۔ (6)

اس کے دور میں ریاست سے مالیہ کی آمدن میں بہت کمی واقع ہو گئی چنانچہ اس کی برطرفی کے احکامات جاری ہو گئے اور اسے لاہور دربار میں حاضری کا حکم ہوا۔ لیکن چونی لال عقوبت کے خوف سے راستے میں خودکشی کر کے مر گیا۔

[نقشہ نمبر 14]

1823 عیسوی کا جنوبی ایشیاء

19 ویں صدی کے آغاز میں مرہٹہ ریاستیں انگریزوں کے خلاف کارروائیاں کرنے لگیں اور ڈاکوؤں کے گروہ انگریز علاقوں میں لوٹ مار میں لگ گئے۔ مرہٹوں کے پیشوا نے 1817ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ مختصر لڑائی کے بعد اسے گرفتار کرلیا گیا۔ اسے اجمیر کے ضلع سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ تمام راجپوت ریاستوں بہ تفصیل ذیل برطانیہ کی بالادستی تسلیم کر لی گئی:

راجپوت ریاستیں 1817ء، 1818ء اور 1823ء، مالوہ کی ریاستوں میں بھوپال 1817ء اندور 1818ء، دیواس 1818ء، جورا 1818ء، دھر 1819ء، بندھیل کھنڈ کی ریاستوں میں اورچھا 1812ء، ریوا 1813ء، سمپتار 1817ء، کولھاپور 1812ء، ساونت وادی 1819ء، کچھ 1816ء، کپورتھلہ 1809ء اور گڑھوال 1920ء۔

پنجاب کے حکمران رنجیت سنگھ کی کشمیر پر نظریں لگی ہوئیں تھیں۔ اس نے 1814ء میں کشمیر کو فتح کرنے کیلئے فوج کشی کا حکم دیا۔ مہاراجہ پونچھ میں بیٹھا رہا اور اسکی فوجیں پیش قدمی کرتی رہیں۔ اچانک شدید بارش شروع ہوگئی جس سے سردی بہت بڑھ گئی جو پنجاب کی سپاہ کیلئے ناقابلِ برداشت تھی۔ افغان افواج سے انکا اگلے روز مقابلہ ہوا جس میں انہیں شکست ہوگئی اور لگ بھگ تین ہزار سکھ فوجی کام آئے۔ رنجیت سنگھ کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

اسی دوران کشمیر میں افغان حکمرانوں کے ظلم وستم اور حد سے بڑھتے ہوئے استحصالی اقدامات سے عوام تنگ آ گئے اور افغانوں سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اس سلسلہ میں کشمیر کے عمائدین کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں رنجیت سنگھ سے امداد طلب کرنے کیلئے اسے دعوت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ پنڈت بیربل کی قیادت میں ایک وفد لاہور جاکر رنجیت سنگھ سے ملا۔

وفد میں پنڈت بیربل کے علاوہ ملک کامدار خان اور ملک نامدار خان بھی شامل تھے۔ رنجیت سنگھ نے دعوت قبول کر لی اور 1819ء میں دوسری بار کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ اس کی فوج نے افغان گورنر جبار خان کو شکست دے کر کشمیر پر قبضہ کرلیا۔

اس طرح کشمیر افغانوں سے نجات حاصل کر کے رنجیت سنگھ کی غلامی میں آ گیا۔ سکھوں کی حکمرانی 1819ء سے 1846ء تک کل 27 سال جاری رہی۔ اس دوران لاہور دربار کی طرف سے 11 صوبیدار کشمیر پر حکمرانی کرتے رہے۔ جن میں سے آخری دو گورنر مسلمان تھے لیکن ظلم وتعدی میں یہ دونوں بھی اپنے سکھ حکمرانوں سے کم نہ تھے۔

دیوان کرپارام:

چونی لال کے بعد دیوان کرپارام کشمیر کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ شخص کنجاہ کا رہنے والا تھا۔ دیوان موتی رام کا بیٹا اور حکم چند کا پوتا تھا۔ کشمیر میں اسے ''کرپاشروئیں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کرپارام بہت عیاش اور ظاہری شان وشوکت کا دلدادہ حکمران تھا۔ لارنس نے اپنی کتاب ''ویلی آف کشمیر'' میں لکھا ہے کہ کرپارام کشتی کی سیر کا بہت شوقین تھا۔ جب دریا کی سیر کو نکلتا تو ہانجیوں کی نوجوان لڑکیوں کو سرخ زرق برق لباس پہنا کران کی کلائیوں میں گھنگھرو باندھ دیے جاتے اور انہیں رنگین چپو تھما دیے جاتے۔ کشتی چلاتے وقت گھنگھروؤں سے ایک مترنم آواز پیدا ہوتی اور کرپارام اس سے محظوظ ہوتا گھنگھرو کی آواز کو کشمیری میں ''شروئیں'' کہتے ہیں چنانچہ کرپا رام کا نام ''کرپاشروئیں'' پڑ گیا۔ (7)

کرپارام نے شیخ غلام محی الدین نامی ایک عامل کو مالیات کے انتظامِ نو کا کام سونپا۔ شیخ نے کشمیریوں پر بہت ظلم وستم روا رکھا اور سرکار کی آمدن میں اضافہ کیا۔

1827ء میں کشمیر میں زبردست زلزلہ آیا جس سے سینکڑوں مکان گر گئے اور ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اس کے بعد ہیضہ کی وبا پھوٹی جو کم وبیش چھ ماہ تک جاری رہی۔

اسی دور میں سلطان زبردست خان والئ مظفر آباد کے زیرکمان اس علاقہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ دیوان کرپارام ایک بڑا لشکر لے کر مظفر آباد آیا لیکن زبردست خان کے ہاتھوں سخت نقصان اٹھا کر پسپا ہو کر واپس لوٹا۔ اسی زمانہ میں سیّد احمد (شہید) بریلوی نے ہزارہ کے علاقہ میں انگریزوں اور ان کی حامی سکھ افواج کے خلاف جہاد شروع کر رکھا تھا۔ سید احمد بریلوی کی سلطان زبردست خان سے بھی خط وکتابت تھی۔ چنانچہ انہوں نے رنجیت سنگھ کی افواج کے خلاف جنگ میں کمک کے طور پر اپنے کچھ دستے مظفر آباد میں بھیجے۔ لیکن دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مظفر آباد کے سلطان اور ملحقہ پہاڑی علاقہ کے سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی جس کی وجہ سے آخر کار سلطان کو شکست کا سامنا ہوا۔ (8)

1885ء بکرمی (1829ء) میں کرپارام کو لاہور دربار سے یہ حکم موصول ہوا کہ اپنے منشی حساب فہمی کے لئے کاغذات دے کر لاہور بھیجو۔ چنانچہ کرپارام نے منشیوں کے ہاتھ حساب کتاب کے علاوہ ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کا پشمینہ دربار میں بھیجا جس میں سے ایک لاکھ کا پشمینہ راجہ

ہیرا سنگھ کی شادی کے لئے راجہ دھیان سنگھ کو دیا گیا۔ راجہ ہیرا سنگھ ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان تھا اور رنجیت سنگھ کا منظورِ نظر تھا۔ مہاراجہ ایک پل بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ سوتے میں اور پالکی کی سواری میں بھی اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ہیرا سنگھ، گلاب سنگھ ڈوگرہ کے بھائی دھیان سنگھ کا بیٹا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک منظورِ نظر نوجوان کی شادی پر کشمیریوں کے خون پسینہ سے حاصل کیا ہوا ایک لاکھ روپیہ (جو آج کے ڈیڑھ کروڑ روپے کے مساوی ہے) کا پشمینہ غریب کشمیری عوام کے استحصال کی بدترین مثال ہے۔ (9)

کشمیر سے اس دوران ماہانہ دو لاکھ روپیہ زرِ مالیہ لاہور دربار کو بھیجا جاتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ مختلف حیلوں، بہانوں سے اور مختلف تقریبات کیلئے آئے دن کشمیر میں متعین عمال سے نقد اور جنس میں تحفے تحائف وصول کئے جاتے تھے اور اگر کوئی حاکم اس میں کوتاہی کرتا تو اسے معزول کر کے کسی اور کو لگا دیا جاتا۔ دیوان کرپارام بھی زرِ ماہانہ کے علاوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حضور آئے دن تحائف کی شکل میں نقد و جنس، پشمینہ، ظروف طلائی و نقرئی، سامان زردوزی، گھوڑے اور مویشی بھیجتا رہا۔ لیکن 1831ء میں مہاراجہ اس سے بدظن ہو گیا اور اسے معزول کر کے اسکی تمام جائیداد ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جمعدار شام سنگھ کو دیوان کرپارام کی جائیداد کی ضبطی کیلئے کنجاہ بھیجا گیا۔ اسکی جائیداد کی مالیت لاکھوں روپے تھی۔ کرپارام کو قید میں ڈال دیا گیا جہاں سے اسے نو لاکھ روپے جرمانہ ادا کر کے رہائی ملی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ ساری دولت بھی کشمیر کے استحصال سے اکٹھی کی گئی تھی۔

بھمان سنگھ اردلی:

دیوان کرپارام کے بعد ایک سال کے لئے بھمان سنگھ اردلی کشمیر کا گورنر رہا۔ بھمان سنگھ نے رنجیت سنگھ کے پاس اپنی ملازمت کی ابتداء ایک معمولی عہدہ (اردلی) سے کی اور رفتہ رفتہ رنجیت سنگھ کا منظورِ نظر بن گیا اور ترقی کرتے کرتے گورنر کشمیر کے عہدے تک جا پہنچا۔ اسی دور میں سید احمد بریلوی کی مدد سے سلطان زبردست خان نے مظفر آباد میں خالصہ حکمرانی کے خلاف ایک بار پھر جدوجہد کا آغاز کیا اور بہت سے علاقے قابض افواج سے آزاد بھی کرا لیے۔

بھمان سنگھ نے لاہور دربار کو اطلاع دی۔ وہاں سے شہزادہ کھڑک سنگھ کے نام حکم جاری ہوا کہ خود حسن ابدال میں قیام رکھو لیکن اپنی افواج مظفر آباد روانہ کرو۔ ادھر ہزارہ میں کنور شیر سنگھ کے زیرِ کمان خالصہ افواج سید احمد بریلوی کے مجاہدین سے برسرِ پیکار تھیں۔ آخر جب سید احمد بریلوی

شیر سنگھ کی افواج سے شکست کھا گئے اور انہیں شہید کر دیا گیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی اس نے ناظم کشمیر بھمان سنگھ کو لکھا کہ کنور شیر سنگھ کو پچاس ہزار روپے بطور انعام خزانہء کشمیر سے ادا کر دیا جائے۔ (10)

بھمان سنگھ کے دور میں سری نگر شہر میں 1831ء میں شیعہ سنی فساد برپا ہوا۔ جس کے نتیجے میں بہت تباہی مچی۔ شیعہ فرقہ کے لوگوں کو لوٹا گیا۔ زڈی بل اور حسن آباد کی آبادیوں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا۔ بھمان سنگھ کی حکومت نے اس فساد اور تباہی کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

بھمان سنگھ کے متعلق لاہور دربار کو یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ کشمیر میں ''ماہانہ'' بہت دیر سے آتا ہے۔ چنانچہ 1832ء میں اسے معزول کر کے کنور شیر سنگھ کو ناظمِ کشمیر بنا کر بھیج دیا گیا۔

کنور شیر سنگھ:

شہزادہ شیر سنگھ ایک عیش پرست نوجوان تھا۔ دسمبر 1832ء میں اس کا تقرر بحیثیت ناظمِ کشمیر ہوا تو بارہ مولہ پہنچ کر اس نے دریا کے راستے سری نگر کا سفر طے کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ ہزاروں ملاحوں اور زمینداروں کو بیگار میں پکڑا گیا کہ یخ بستہ دریا کی برف کاٹ کاٹ کر کشتی کے لئے راستہ بناتے جائیں۔ بارہ مولہ سے سری نگر تک کا 33 میل کا یہ دریائی سفر تین دن میں طے ہوا۔ سری نگر پہنچ کر خود تو شہزادہ عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا اور کاروبار حکومت بسا کھا سنگھ کے حوالے کر دیا جس نے ملک میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا اور رعایا سے زیادہ سے زیادہ مالیہ وصول کرنے کے لئے انتہائی متشددانہ حربے استعمال کئے۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ خالصہ حکام اپنے راج کو دھرم کا راج کہتے تھے یعنی یہ سکھوں کی مذہبی حکومت تھی۔ جس میں دھرم کے نام پر دیگر مذاہب کے لوگوں سے ہر قسم کا ظلم روا رکھا جاتا تھا۔ اس راج کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے:

بُود وردِ زبانِ اہلِ خراج
دھرم کا راج ملک کا تاراج

اس دور میں استور کے علاقہ میں قیمتی پتھر کی ایک کان دریافت ہوئی جنھیں نکال کر شیر سنگھ لاہور دربار میں پہنچاتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد شہزادہ شیر سنگھ اور بسا کھا سنگھ میں ناراضگی پیدا ہوگئی۔ شیر سنگھ نے دربار میں شکایت کی اور ساتھ ہی عرضی بھیجی کہ مالیہ کی وصولی کے لئے کسی جابر تحصیلدار کو

بھیجا جائے جو آمدن میں اضافہ کر سکے۔ چنانچہ بسا کھا سنگھ کو واپس بلا کر اس کی جگہ شیخ غلام محی الدین اور جمعدار خوشحال سنگھ کو بھیجا گیا۔

جمعدار خوشحال سنگھ میرٹھ کا رہنے والا ایک معمولی برہمن زادہ تھا۔ 1807ء میں 17 سال کی عمر میں تلاش معاش میں لاہور چلا آیا اور دربار میں بحیثیت اردلی ملازم ہو گیا۔ لڑکا بہت ہوشیار اور خوش اندام تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت حسن پرست واقع ہوا تھا عورتوں کے علاوہ خوبصورت لڑکوں سے بھی شفقت رکھتا تھا۔ چنانچہ خوشحال سنگھ بھی مہاراجہ کی نظروں میں آ گیا اور ترقی کرتے کرتے جمعدار کے عہدے تک پہنچ گیا۔

خوشحال سنگھ صرف تین ماہ کشمیر میں رہا۔ لیکن صرف ان تین مہینوں میں اس نے وہ تباہی مچائی کہ خود تو خوشحال ہو گیا لیکن عوام الناس کو کنگال کر کے رکھ دیا۔ برسوں تک عوام کی حالت نہ سنبھل سکی۔ عمدۃ التواریخ کے مطابق ''اس کے دست تظلم سے نہ ہندو محفوظ رہ سکے نہ مسلمان۔ اسے صرف روپیہ وصول کرنے سے مطلب تھا۔'' کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

پنڈت سورج بھان	ایک لاکھ نوے ہزار روپے (1,90,000)
منشی تلوک چند پنڈت	پچھتر ہزار روپے (75,000)
ہمت پنڈت فوطیدار	پچیس ہزار روپے (25,000)
پنڈت کول بھان	پینتیس ہزار روپے (35,000)
شنکر پنڈت کوترو	پندرہ ہزار روپے (15,000)
شیخ جلال الدین منیم داغ شال	پچھتر ہزار روپے (75,000)
دوا فروشان	پچاس ہزار روپے (50,000)
چندر بٹ سررشتہ دار داغ شال	پچیس ہزار روپے (25,000)
قانون گویان پرگنات	چھپن ہزار روپے (56,000)
متفرق کارداران	پچانوے ہزار روپے (95,000)
کاردارانِ کنور شیر سنگھ	پچاسی ہزار روپے (85,000) (11)

یہ رقوم کل سات لاکھ چھبیس ہزار (726,000 روپے) بنتی ہے۔ علاوہ ازیں کنور شیر سنگھ کے توشہ خانہ سے سات لاکھ روپے کا سامان سونا، چاندی، پشمینہ، جواہرات وغیرہ حاصل کیا اور دربار میں بھیجا۔ گویا تین ماہ کے اندر سوا چودہ لاکھ روپے نقد و جنس وصول کر کے خزانہ لاہور میں جمع ہوا۔ اس

کے علاوہ جو کچھ جیبوں میں گیا ہوگا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔آج کے حساب سے اس کا تخمینہ لگانا ہو تو یاد رہے کہ اس وقت کشمیر میں چاول کی قیمت ایک روپیہ فی خردار (2 من دس سیر) تھی۔آج موٹے چاول 15 روپے فی کلو ملتے ہیں۔اس دور میں خالصہ حکام کے جور سے تنگ آ کر ہزاروں کشمیریوں نے ہمیشہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور پنجاب کے مختلف اضلاع اور بنارس اور کلکتہ وغیرہ میں مستقل آباد ہو گئے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں خوشحال سنگھ کے ظلم کی شکایات پہنچیں۔ساتھ ہی خوشحال سنگھ کی طرف سے یہ عرضی بھی آئی کہ عنقریب کثیر رقوم لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔چنانچہ مہاراجہ نے خوشحال سنگھ سے تو محض زبانی اظہار ناراضگی کیا لیکن اس کے ماتحت افسران چندر بھان، وارث خان، دیوی سہائے اور رائے چند کو جیل میں ڈال دیا۔لیکن بعد میں ان کو بھی بھاری نذرانہ وصول کر کے چھوڑ دیا۔اس سے قبل دیوان بسا کھا سنگھ کو بھی اسی قسم کے الزامات میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور بعد میں پانچ لاکھ روپیہ نذرانہ وصول کر کے چھوڑ دیا تھا۔

جنرل میہاں سنگھ کمیدان:

میہاں سنگھ 1834ء سے 1841ء تک کشمیر کا گورنر رہا۔خالصہ دور حکومت میں اس کا دور نظامت سب سے طویل ہے۔اور یہ واحد گورنر ہے جس نے کشمیری عوام سے انسانوں کا سلوک کیا۔سابقہ دور کے ظلم و بربریت کا بڑی حد تک تدارک کیا۔کئی ناروا ٹیکس معاف کئے۔اور خلق خدا سے نرمی کا برتاؤ کیا۔

میہاں سنگھ ایک نیک دل حکمران تھا۔اس نے گورنری کا چارج سنبھالا تو ملک کی حالت بہت ابتر تھی۔اس نے پنجاب سے 50 ہزار من غلہ منگوا کر کم نرخ پر تقسیم کیا۔مویشی بھی باہر سے منگوا کر تقسیم کئے۔جن غلہ داروں نے ذخیرہ اندوزی کر کے غلہ چھپایا ہوا تھا۔ان کے خلاف سخت کاروائی کی۔اسلام آباد میں جگن ناتھ نامی ایک جاگیر دار نے غلہ چھپایا ہوا تھا۔اس نے غلہ باہر نکالنے سے انکار کیا تو میہاں سنگھ نے اسے سفیدے کے درخت کے ساتھ الٹا لٹکایا اور اس کا سارا غلہ نکلوایا۔

اسی تاریک دور میں کشمیر میں ڈاکوؤں کا ایک طاقتور گروہ پیدا ہو گیا تھا جو گلہ بان (گلوان) کہلاتے تھے۔حکمرانوں کے ظلم و جبر کے ساتھ ساتھ انہوں عوام کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا۔میہاں سنگھ کے دور میں ''خیرہ گلوان'' کے نام سے ڈاکوؤں کا ایک سردار بہت مشہور ہو گیا تھا۔دو تین سو مسلح سوار اسکے

ساتھ رہتے تھے۔ مال و دولت کی لوٹ کے علاوہ نوجوان لڑکیوں کو اٹھا لے جانا انکا معمول تھا۔ میہاں سنگھ نے اسکے خلاف مؤثر کارروائی کی۔ چنانچہ زینہ کدل کے مقام پر اسے سرِ عام پھانسی دی گئی۔ والٹر لارنس کے مطابق اسکے ساتھ ہی "گلوانوں" کی نصف آبادی کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ (12)

1835ء تک حالات کافی حد تک سدھر گئے۔ اس سال فصل بھی اچھی ہوئی چنانچہ دھان کا نرخ ایک بار پھر ایک روپیہ چلکی فی خردار تک پہنچ گیا۔ (چلکی روپیہ دس آنے کا ہوتا تھا)۔ شال بافی کا کاروبار جو بائیس ہزار دوکانوں سے گھٹ کر صرف 2200 دوکانوں تک محدود ہو گیا تھا، بڑھ کر پھر چار ہزار دوکانوں تک پہنچ گیا۔ میہاں سنگھ کے دور میں مظفر آباد کے سلطان زبردست خان اور راجہ نجف خان نے خالصہ تسلّط کے خلاف ایک بار پھر بغاوت کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

اگرچہ جنرل میہاں سنگھ کا دور اقتدار کشمیریوں کے لئے نسبتاً کم مصائب کا دور تھا۔ تاہم لاہور دربار کی طرف سے ماہانہ مالیہ کی وصولی کے علاوہ آئے دن فرمائشیں اور حکم نامے آتے رہے جن کی تعمیل ہوتی رہی۔ تواریخ سے اس قسم کے بعض حکم ناموں اور مراسلوں کا ذکر ملتا ہے۔

اگست 1834ء میں لاہور دربار سے حکم نامہ آیا کہ مندرجہ ذیل رقوم خزانہ کشمیر سے ادا کی جائیں: صاحبزادہ کھڑک سنگھ 25 ہزار روپے، کنور نونہال سنگھ (کھڑک سنگھ کا بیٹا) 21 ہزار روپے، والدہ کھڑک سنگھ 21 ہزار روپے، چیت سنگھ 21 ہزار روپے، کنور پرتاب سنگھ 5 ہزار روپے مع دوشالہ، ایک تھان کمخواب و زیورات و جواہر۔

ستمبر میں میہاں سنگھ نے ایک لاکھ روپے نقد اور دو تھان پشمینہ دربار میں بھیجے۔ حکم آیا کہ 26 لاکھ روپے اجارہ کا جلد آنا چاہیئے۔ جون 1836ء میں حکم نامہ آیا کہ صاحبزادہ بلند اقبال کھڑک سنگھ کے نام کشمیر میں پچاس ہزار کی جاگیر منظور کی گئی ہے۔ عمل دخل دلایا جائے۔ 1837ء میں رنجیت سنگھ کے پوتے نونہال سنگھ کی شادی کے لئے خزانہ کشمیر سے ایک لاکھ دو ہزار روپے نقد اور ناظم کشمیر کی جیب خاص سے دس ہزار نو سو پینتالیس روپے وصول کئے گئے۔ 1838ء میں میہاں سنگھ نے پنڈت گنیش داس گنجو کے ہاتھ علاوہ ماہانہ رقم دو لاکھ کی حسب ذیل اشیاء بھیجیں:

دو گھوڑے، بنگلہ طلائی، 51 ہزار روپے کا سامان دربار، ایک لاکھ روپے کے سونے کے برتن، چار آبخورے چاندی کے، چار تھالی طلائی، کلغی پچاس عدد، پچاس ہزار روپے نقد لاٹ صاحب (وائسرائے ہند) کے لئے۔

رنجیت سنگھ نے ان اشیاء کی رسید لکھ دی ساتھ ہی حکم بھیجا کہ دو لاکھ روپیہ اور بھیجو اور یہ بھی شکایت

کی کہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کشمیر کے محاصل سے بہت سارو پیہ خرد برد ہو رہا ہے۔ تین ماہ بعد پھر حکم آیا کہ قیمتی دوشالے، رنگ برنگ جامہ وار، یکتارے دوپٹے، پشمینہ کے گلوبند، گلبدن کے تھان اور انواع و اقسام کے رومال ارسال کرو۔ اسی دوران روپڑ کے مقام پر وائسرائے ہند اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر پہلی بار کشمیری طوائفیں اس تقریب میں حصہ لینے کے لئے پنجاب بھیجی گئیں۔ علاوہ ازیں میہاں سنگھ نے پچاس ہزار روپے نقد۔ زین طلائی، مالیتی دس ہزار روپے، پشمینہ مالیتی پچاس ہزار، بیش قیمت مسند، شیشہ ہائے مشک و مربہّ جات کی کثیر تعداد بطور نذرانہ پیش کیں۔ (13)

ایک بار مہاراجہ رنجیت سنگھ میہاں سنگھ سے ناراض ہو گیا اور مال گزاری کے بقایا جات کے حیلوں بہانوں سے اس کی جاگیر ضبط کر لی۔ راجہ کلاں راجہ دھیان سنگھ (گلاب سنگھ کا بڑا بھائی) کی سفارش پر بقایا جات کی ادائیگی کی ضمانت لے کر جاگیر واپس کی۔

رنجیت سنگھ کے مرتے ہی سکھوں کی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ کھڑک سنگھ کے بیٹے نونہال سنگھ نے باپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ایک سال کے اندر 5 نومبر 1840ء کو کھڑک سنگھ دروازے کی چھت کا ایک ٹکڑا سر پر گرنے سے مر گیا۔ نونہال سنگھ کی عمر اس وقت صرف 19 سال تھی۔ ''بیخ کندہ درخت'' سے دونوں باپ بیٹوں کی تاریخ وفات 1897 بکرمی نکلتی ہے۔

اسکے بعد ساڑھے تین ماہ کیلئے رانی چند کور لاہور کے تخت پر بیٹھی اور حکومت چلانے کیلئے چار ممبران کی ایک کونسل ترتیب دی گئی۔ جس میں سردار عطر سنگھ سندھیانوالہ، جمعدار خوشحال سنگھ، سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ اور راجہ دھیان سنگھ شامل تھے۔

20 جنوری 1841ء کو شہزادہ شیر سنگھ بعمر 33 سال تخت پر بیٹھا۔ یکم فروری 1842ء کو اسے بھی قتل کر دیا گیا۔ اُسکے ساتھ ہی اُسکے وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ کو بھی قتل کر دیا گیا اور رنجیت سنگھ کے سب سے چھوٹے بیٹے دلیپ سنگھ کے سر پر تاج شاہی سجایا گیا جسکی عمر اُس وقت صرف 5 سال تھی۔ دلیپ سنگھ کی برائے نام حکومت 6 سال اور ڈھائی ماہ جاری رہی حتیٰ کہ 15 مارچ 1846ء کو ایک عہد نامہ کے ذریعہ ریاست جموں کشمیر پر حکمرانی کا اختیار میاں گلاب سنگھ کے ہاتھ 75 لاکھ روپیہ نانک شاھی کے عوض فروخت کر دیا گیا۔ اس عہد نامہ کو ''بیعنامہ امرتسر'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اِس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا: (14)

دہقان و کشت و جوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

جنرل میہاں سنگھ، مہاراجہ کھڑک سنگھ، رانی چند کور اور مہاراجہ شیر سنگھ کے دور حکومت میں بدستور کشمیر کی گورنری پر متعین رہا۔ آخری دور میں لاہور دربار کے اندرونی اِنتشار اور قتل وخون کی اطلاعات کشمیر پہنچتی رہیں اور کشمیر میں متعین خالصہ افواج میں شورش اور سرکشی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے ریاست کے اندر لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی۔

شیخ غلام محی الدین:

لاہور دربار کی طرف سے شیخ غلام محی الدین کو کشمیر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، راجہ گلاب سنگھ کو بھی اُسکے ساتھ بھیجا گیا تا کہ امن وامان قائم کرنے میں مدد دے۔ راجہ گلاب سنگھ نے پونچھ کے علاقے میں باغی فوج کو ایک درّے میں گھیر لیا اور اُن کا مال واسباب ہتھیار وغیرہ چھین کر انہیں چھوڑ دیا۔ سرکشوں کی سرکوبی کے بعد شیخ غلام محی الدین اور راجہ گلاب سنگھ سرینگر میں داخل ہو گئے۔ توشہ خانہ کا معائنہ کیا۔ 30 لاکھ روپے کا نقد وجنس برآمد ہوا جو بھائی گورمکھ سنگھ کی تحویل میں دے کر لاہور روانہ کر دیا۔

شیخ غلام محی الدین 1841ء سے 1845ء تک چار سال کشمیر کا گورنر رہا۔ شیخ نے مہاراجہ شیر سنگھ سے اجازت لیکر بادشاہی مسجد کے دروازے 24 سال بعد مسلمانوں پر کھول دیے۔ تاہم عوام الناس پر ظلم وستم کا بازار اسی طرح گرم رہا۔

اس زمانہ میں بیگار کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ لدّاخ کی مہم پر سپہ سالار وزیر زور آور سنگھ برف باری کی وجہ سے کمک نہ پہنچنے پر بے کسی کی حالت میں مارا گیا۔ گلاب سنگھ نے دیوان ہری چند کو چھ ہزار فوج دے کر لدّاخ روانہ کیا۔ اِس مہم کی ٹرانسپورٹ (بار برداری) کا انتظام گورنر شیخ غلام محی الدین کے سپُرد ہوا۔ شیخ غلام محی الدین راجہ گلاب سنگھ اور اُسکے بھائی راجہ کلاں، راجہ دھیان سنگھ کی سفارش سے کشمیر کا گورنر بنا تھا اِس لئے ان دونوں کے حکم کی سرتابی کی اُس میں کہاں مجال تھی۔ چنانچہ اُسکے حکم سے دس ہزار کشمیریوں کو بیگار میں پکڑ کر بار برداری کے لئے لدّاخ بھیج دیا گیا۔ یعنی اصل فوج سے دُگنی تعداد میں کشمیری بیگار میں پکڑے گئے جن میں سے بیشتر راستے ہی میں شدت برفباری کی وجہ سے مر گئے۔ اُس سال وادی میں فصلیں بھی بالکل تباہ ہو گئیں کیونکہ فصلوں کو کاٹنے اور سنبھالنے والا کوئی نہ رہا۔

1845ء میں لاہور دربار کی انگریزوں کے ساتھ ان بن ہو گئی۔ تین لڑائیاں ہوئیں جن میں سکھوں کو شکست ہو گئی۔ چنانچہ پنجاب کے بیشتر علاقے انگریزوں کے تصرف میں آ گئے۔ ستلج

اور بیاس کا درمیانی علاقہ اس میں شامل تھا۔ اسکے علاوہ انگریزوں نے مصارف جنگ کے تاوان کے طور پر ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ دلیپ سنگھ کا خزانہ خالی تھا چنانچہ اس نے کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ انگریزوں کو پیسے کی ضرورت تھی انہوں نے 75 لاکھ روپے کے عوض ریاست جموں کشمیر کی حکمرانی راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر کے اُسے مہاراجہ کا خطاب دیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے راجہ گلاب سنگھ کی لاہور دربار سے وابستگی کے دوران اُسے کشمیر کے معاملات میں عمل دخل کا پہلے ہی موقعہ ملتا رہا تھا۔ یقینی طور پر اس عرصہ میں ریاست جموں کشمیر کے استحصال سے اُس نے خاطر خواہ دولت اکٹھی کر لی تھی۔ یہاں تک کہ لاہور دربار انگریزوں کو ایک کروڑ تاوان ادا کرنے سے عاری رہا اور اپنے زیر نگیں علاقے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ جبکہ راجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کو 75 لاکھ روپے ادا کر کے 85 ہزار مربع میل وسیع ریاست کی حکمرانی خرید لی۔ یوں ایک طرح سے اہل کشمیر کو اُن ہی سے حاصل کی ہوئی دولت سے خرید لیا گیا۔

1845ء میں کشمیر میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی۔ جو تین ماہ تک جاری رہی۔ بے شمار لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ اِسی سال سرینگر کا ایک باشندہ حمد بابا گاؤکشی کے الزام میں گرفتار ہوا۔ گاؤکشی کی سزا موت تھی۔ لیکن سفاک خالصہ افواج نے حمد بابا کے تمام اہل وعیال کو خشک گوبر میں بند کر کے آگ لگا دی۔

لاہور دربار کو دن بدن کمزور ہوتا دیکھ کر 1845ء میں شیخ غلام محی الدین نے انگریزوں سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ راجہ رحیم اللہ خان والئی راجوری کے ذریعہ اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا لیکن انگریزوں نے اس درخواست کو منظور نہ کیا۔ اِسی سال کے اواخر میں شیخ غلام محی الدین بیمار ہو کر 26 ربیع الاوّل 1262 ہجری سرینگر میں فوت ہو گیا۔ اُسکے مرنے کے بعد اس کے بیٹے شیخ امام الدین کو کشمیر کا گورنر مقرر کیا گیا۔

شیخ امام الدین:

جن ایام میں شیخ غلام محی الدین علیل ہو کر فوت ہو گیا اور اسکی جگہ اسکے بیٹے شیخ امام الدین نے کشمیر کی نظامت کا چارج سنبھالا، دلیپ سنگھ کی حکومت انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ اسکی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے کئی علاقے اس سے چھین لیے تھے اور ایک معاہدے کے تحت کشمیر اور ہزارہ پر بھی اختیار حاصل کر لیا تھا۔ اسی دور میں آخر کار ریاست کی گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کا معاہدہ بھی طے پایا۔ جب کشمیر کا سودا ہو گیا تو نئے مہاراجہ گلاب سنگھ کا وزیر لکھپت رائے قبضہ

حاصل کرنے کے لیے سرینگر پہنچا۔ شیخ امام الدین نے مزاحمت کی اور قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ سرینگر میں میدان کارزار گرم ہو گیا۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ وزیر لکھپت رائے میدان جنگ میں مارا گیا چار ہزار ڈوگرہ افواج کو گرفتار کر کے کوہ سلیمان پر پہنچا دیا گیا۔ مرزا فقیر اللہ خان کی سرداری میں پانچ سو جوان کوہ سلیمان پر پہنچے۔ ڈوگروں نے امان چاہی۔ ان سے ہتھیار ڈلوا کر انہیں امان دے دی گئی۔

گلاب سنگھ نے انگریزوں سے فریاد کی۔ چنانچہ انگریزوں نے ریاست کا قبضہ دلانے کے لیے کرنل لارنس اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے زیر کمان اپنی افواج سرینگر بھیجیں۔ ان کی مدد کے لیے کچھ افواج بھی سردار تیج سنگھ کے زیر کمان بھیجی گئی اور گلاب سنگھ کی اپنی ڈوگرہ فوج بھی۔ اس طرح گلاب سنگھ کو دارالحکومت کا قبضہ حاصل ہو گیا۔ پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

> ''سکھ دور کے خاتمہ پر کشمیری عوام مکمل طور پر (DEMORALISE) ہو چکے تھے۔ ان کا نام ہی ''ظلم پرست'' پڑ گیا تھا۔ ان کی سابقہ شان و شوکت دلیری اور بہادری اور اُن کے ہیرو ازم کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ان کی ہمت اور حوصلے خاک میں مِل چکے تھے اور کوئی بھی ظالم و سخ شخص دور دراز سے ان پر اپنی حکمرانی جاری رکھ سکتا تھا۔''
>
> ''مغلوں نے خاص طور پر کشمیریوں کی قوم پرستی کے جذبات کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ یہ حکمت عملی بعد کے حکمرانوں، افغانوں اور سکھوں نے جاری رکھی۔ کشمیری افواج کو (DISBAND) کر دیا گیا تھا۔ وادیٔ کشمیر میں سے کسی شخص کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیری عوام اپنے شاندار ماضی سے دور ہوتے چلے گئے اور نکمے اور بزدل ہو کر رہ گئے۔ آج کشمیریوں کو اپنے ماضی میں سے صرف دو باتیں یاد ہیں۔ بڈ شاہ کا سنہرا دور اور افغانوں کے ظلم و ستم۔'' (15)

1753ء سے 1846ء تک افغانوں اور سکھوں کے تسلط کی ایک صدی کے دوران استبدادیت اور دہشت انگیزی کا پورے ملک میں جو دور دورہ رہا اس نے لوگوں کو کچل کر اور ان کی روح کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ستم رسیدہ کشمیریوں کی بدنصیبی سے آقاؤں کا رد و بدل (افغانوں سے سکھوں میں) ان کیلئے ''آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا'' ثابت ہوا۔ سکھ افغانوں سے کچھ کم سفاک،

لٹیرے، تنگ نظر اور متعصب ثابت نہ ہوئے۔

ولیم مور کرافٹ نے 1924ء میں رنجیت سنگھ کی اجازت سے کشمیر کی سیاحت کی۔ اس نے لکھا:

"سکھ کشمیریوں کو ڈھور ڈنگروں سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ اگر کسی سکھ کے ہاتھوں کوئی کشمیری قتل ہو جائے تو اس کی سزا میں حکومت کو صرف 16 سے 20 روپے بطور جرمانہ ادا کرنے پڑتے تھے۔ اس رقم میں سے اگر مقتول ھندو ہوتا تو 4 روپے اور اگر مسلمان ہوتا تو 2 روپے وارثوں کو ملتے تھے۔" (16)

دیوان کرپارام نے گائے ذبح کرنے کی بھی ممانعت کر دی تھی اور اس "جرم" کی سزا موت تھی۔ کئی مسلمان جن پر گاؤکشی کا الزام تھا، تختہ دار پر چڑھائے گئے اور ان کی لاشیں گلی کوچوں میں روندی گئیں۔ ایک کنبہ پر گاؤکشی کا شک گزرا تو اس کے سارے افراد گھر میں زندہ جلائے گئے۔ (17)

دیوان موتی رام نے جامع مسجد کو بند کرا دیا تا کہ مسلمان بہت بڑی تعداد میں یہاں جمع نہ ہو سکیں۔ اس نے خانقاہ معلیٰ کو بھی مسمار کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض کیلئے اس نے جہلم کے مخالف گھاٹ پر توپیں بھی نصب کرا دیں۔ لیکن مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی اس اقدام کی مخالفت کی کیونکہ یہ امر کشمیر کی تہذیب کے اصولوں کے خلاف تھا۔ یہ کریڈٹ پنڈت بیربل کو جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کا وفد اسکے پاس پہنچا تو اس نے سکھوں کو اس اقدام سے باز رہنے پر آمادہ کیا۔ اس نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور ذاتی اثر رسوخ سے اس تاریخی عمارت کو تباہی سے بچا لیا۔ (18)

سکھ راج کے آخری دو گورنر شیخ غلام محی الدین اور اس کا بیٹا شیخ امام الدین انتہائی کمزور کردار کے حامل تھے۔ سکھ نظام میں وہ کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے۔ لوگوں کو اپنے چنگل میں جکڑے رکھنے کیلئے زمینداروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا گیا تھا۔ ڈوگرہ راج کے قیام پر معلوم ہوا کہ اس نوعیت کی 3115 جاگیریں عطا کی جا چکی تھیں۔ (19)

حوالہ جات:

1. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 705
2. پریم ناتھ بزاز — ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم — صفحہ 135
3. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 717
4. محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر — صفحہ 720

5.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 723
6.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 727
7.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 728
8.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 729
9	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 730
10.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 734
11.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 739
12.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 748
13.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 756
14.	محمد دین فوق	مکمل تاریخ کشمیر	صفحہ 799
15.	پریم ناتھ بزاز	ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم	صفحہ 120-121
16.	پریم ناتھ بزاز	ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم	صفحہ 135
17.	پریم ناتھ بزاز	ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم	صفحہ 136
18.	پریم ناتھ بزاز	ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم	صفحہ 136
19.	پریم ناتھ بزاز	ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم	صفحہ 138

ڈوگرہ حکمرانی کا ایک سو سال

پس منظر:

19ویں صدی کے وسط میں پنجاب میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان مسلسل جنگ و جدل کا سلسلہ جاری تھا۔ سکھوں کو کئی بار شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا لیکن وہ پھر بھی اپنی مہم جاری رکھے ہوئے تھے ایک رات خالصہ فوج نے لدھیانہ پہنچ کر چھاؤنی کو آگ لگا دی۔ اسباب اور ذخیرہ وغیرہ سب کچھ جلا دیا۔ انگریز افسران نہایت مشتعل ہو گئے اور مہاراجہ پٹیالہ کے تعاون سے اپنی فوج لیکر بدلہ لینے پر تیار ہو گئے۔ اسی دوران سردار نجوید سنگھ مجیٹھیہ نے فوج کے ساتھ دریا عبور کر کے انگریزی افواج پر پھر حملہ کر دیا۔ سخت مقابلہ ہوا اور سکھوں کی فوج کو میدان جنگ سے اپنا اسباب اور سامان حرب چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا۔ لیکن انہوں نے 19 گورے قیدی بنا لیے۔

گلاب سنگھ کے انگریزوں اور سکھوں دونوں کے ساتھ تعلقات تھے۔ وہ ان کے درمیان صلح صفائی میں مصروف رہا۔ اس نے فرنگی قیدیوں کو واپس بھجوا دیا اور انگریزوں کو ایک معذرت نامہ بھیجا۔ جس کا اسے جواب بھی مل گیا۔ اسی دوران انگریزی افواج حدودِ لاہور میں داخل ہو گئیں۔ آخر انگریزوں نے صلح کے لیے یہ شرائط پیش کیں کہ لاہور دربار انگریزی علاقوں میں مداخلت سے باز رہے۔ آئندہ کے لیے یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ نیز اس جنگ کے مکمل اخراجات بطور تاوان ادا کیے جائیں۔ 9 مارچ 1846ء کو سرکارِ انگلشیہ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آیا۔ جس میں سکھوں نے علاوہ اور باتوں کے ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنے کا اقرار کر لیا۔ اس رقم میں سے 50 لاکھ روپے نقد ادائیگی ہوئی اور بقیہ ایک کروڑ کے بدلے ملکِ کشمیر اور ہزارہ وغیرہ کا علاقہ سرکارِ انگلشیہ کو تفویض کیا گیا۔ (1)

انگریزوں کو نقد رقم کی زیادہ ضرورت تھی سو انہوں نے جنت ارضی کو اپنے تصرف میں لانے کی بجائے گلاب سنگھ کے ساتھ 16 مارچ 1846ء کو امرتسر کے مقام پر ایک معاہدہ کے ذریعہ 75 لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض کشمیر و تبت ہا و ہزارہ وغیرہ کے وسیع ملک پر حکمرانی کے

اختیارات وحقوق کا سودا کیا۔ معاہدے پر گورنر جنرل سرھنری ہارڈنگ کی طرف سے فریڈرک کرے اور میجر لارنس نے اور مہاراجہ نے اصالتاً دستخط کیے۔

یہ معاہدہ بعد میں بیعنامۂ امرتسر کہلایا۔ معاہدہ کل دس دفعات پر مشتمل ہے۔ پہلی دفعہ میں ان علاقہ جات کی تشریح کی گئی ہے جن پر حکمرانی کا اختیار مہاراجہ گلاب سنگھ اور اسکی نرینہ اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ عطا کیا گیا ہے۔ اس میں کشمیر کا تمام علاقہ، تمام کوہستانی علاقے اور ہزارہ وغیرہ شامل ہیں۔ جموں پہلے ہی گلاب سنگھ کے پاس تھا۔

دفعہ 3 میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے 75 لاکھ روپے نانک شاہی ادا کرنے کا اقرار کیا، جس میں سے 50 لاکھ روپے عہد نامہ کی تصدیق کے موقع پر اور بقیہ 25 لاکھ روپیہ 6 ماہ کے اندر ادا کرنے کا اقرار کیا گیا۔ دفعہ 7 میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اقرار کیا کہ انگریزوں کی اجازت کے بغیر انگلستان، امریکہ اور دیگر فرنگی ممالک سے کسی شخص کو اپنا ملازم نہیں رکھے گا۔

دفعہ 9 میں انگریزوں نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ بیرونی دشمنوں سے اپنی سرحدوں کو محفوظ رکھنے کیلئے مہاراجہ گلاب سنگھ کی مدد کریں گے۔ دفعہ 10 میں انگریزوں کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے گلاب سنگھ نے اقرار کیا کہ وہ ایک راس گھوڑا، 12 اعلیٰ نسل کی پشمینہ پیدا کرنے والی بکریاں (6 نر اور 6 مادہ) اور تین جوڑے کشمیری شال ہر سال بطور تحفہ پیش کیا کرے گا۔ (2)

اس طرح مہاراجہ گلاب سنگھ سلطنت جموں وکشمیر و تصائے تبت ہا کی بنیاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن کشمیر کا قبضہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو جنگ کے بغیر نہیں مل سکا۔ گلاب سنگھ نے وزیر لکھپت کی کمان میں قبضہ حاصل کرنے کیلئے کچھ فوج بھیجی۔ لیکن شیخ امام الدین صوبیدار کشمیر نے قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اسکے پاس لاہور دربار کا واضح حکم نہیں پہنچا تھا۔

رات کے وقت ایک ڈوگرہ سپاہی اور کشمیر فوج کے ایک روہیلہ سپاہی کے درمیان ٹکراؤ کے نتیجہ میں روہیلہ فوجی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس پر میدان کارزار گرم ہوا۔ رات بھر جنگ رہی، وزیر رتنوں قلعہ ہاری پربت بھاگ گیا اور وزیر لکھپت میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ دن نکلنے پر شیخ امام الدین ہاتھی پر سوار ہو کر تخت سلیمان کی طرف آیا۔ 500 جوان پہاڑی پر بھیجے گئے۔ ڈوگرہ فوج نے امان چاہی جو اُنکے ہتھیار ڈالنے پر انہیں دے دی گئی۔

گلاب سنگھ نے انگریز سرکار کو اطلاع دی تو کرنل لارنس ریزیڈنٹ اور لیفٹینینٹ ایڈورڈ انگریزی فوج لے کر روانہ ہوئے۔ اس طرح گلاب سنگھ کو قبضہ دلایا گیا۔ (3)

اس سے اگلے سال مئی 1847ء میں ہزارہ، پکھلی اور کہوٹہ کے علاقوں کا مناور کھڑی کے علاقہ کے ساتھ تبادلہ ایک اور معاہدہ کے تحت عمل میں آیا۔ اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حشمت اللہ خان (مصنف تاریخ جموں) نے اس قدر لکھا ہے کہ:

''ملک ہزارہ کوہستان میں واقع ہے۔ اس کے زمینداروں نے بڑی تکلیف دی اور جنگ برپا کی۔ دیوان ہری چند اور دیوان جوالا سہائے نے اس ملک میں امن قائم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔''

لیکن ہزارہ کے لوگوں میں یہ بات بہت عام ہے کہ ہزارہ قدیم زمانے سے ہی کشمیر کی مملکت میں شامل رہا ہے۔ چینی سیاح ھیون تسانگ نے 33-631ء میں اس کی تصدیق کی ہے۔ اور مؤرخ البیرونی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

انگریزوں نے 75 لاکھ کے عوض کشمیر پر حکمرانی کے اختیارات کا سودا مہاراجہ گلاب سنگھ سے کیا تو اس میں ہزارہ بھی شامل تھا۔ لیکن ہزارہ کے مقامی جاگیرداروں اور نوابوں نے، جن میں نواب امب دربند وغیرہ شامل تھے اور جو سب کے سب مسلمان تھے، اس بات پر ہنگامہ پیدا کیا کہ ان سے پوچھے بغیر ہی انکی قسمت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے انگریزوں سے صاف کہہ دیا کہ ہم کسی قیمت پر ڈوگرہ گلاب سنگھ کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ بہ امرِ مجبوری 5 مئی 1847ء کا وہ معاہدہ طے پایا جس میں ان علاقوں کا تبادلہ عمل میں آیا۔ ذیل میں اس اقرار نامہ کا پورا متن (معہ اُردو خلاصہ) پیش کیا جارہا ہے۔ (4)

اقرار نامہ فی مابین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ درباب تبادلۂ ہزارہ وغیرہ با علاقہ شرق جہلم

اقرار نامہ فی مابین سرکار مہاراجہ دلیپ سنگھ صاحب بہادر و سرکار مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر، بمنظوری دیوان دینا ناتھ و رائے کشن چند معتمدانِ سرکار لاہور و دیوان جوالا سہائے معتمد و قاضی محکم الدین وکیل مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر، بشرطِ منظوری اہالیانِ جلیل الشان، صدر عالی قدر پیش گاہ حضور کرنیل سرہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریزیڈنٹ لاہور، دربارہ تبدیل ہزارہ و پکھلی و کہوٹہ الی حدودِ مظفر آباد علاقۂ مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب

بہادر، واقع جانب مغرب دریائے جہلم، باعلاقۂ سرکار لاہور واقع مشرقِ دریائے جہلم طرف جموں، بدیں شرح است کہ طرفین را منظور و قبول است کہ صاحب عالی شان کپتان ایبٹ صاحب بہادر بصلاح و منصفی کاغذات ملک ہزارہ وغیرہ غربِ جہلم دیدہ، معاملہ مشخص کردہ معافیات منہا نمودہ، یک رقم سالیانہ قرار دادہ بقدر نصف آمدنی رقم ملک محاصل سالیانہ از شرق دریائے جہلم طرف جموں، بعد منہائی معافیات مقرر و معین نمودہ یک حد مستحکم بنابر رفع تکرار و مغالطہ دوام بدیں نمط کہ جانب مغرب دریائے جہلم لغایت مظفر آباد واز آنجا از نالۂ کنہار بارہ کوہستان، یعنی از جائے کہ حد حتیٰ الامکان راست شدن تواند، ورائے صاحب ممدوح القدر لایق استواری باشد کشیدہ بہ یک خط تا دریائے سندھ رساند، کہ کدام نوع شک وشبہ در علیحدگی آں ملکِ باقی نماند۔ بعد ازاں مبادلۂ ہر دو ملک شود و گاہے ازیں تجویز و تبدیل ہر دو سرکار را عدول وانحراف نخواہد بُود و بر مقبوضۂ خود قائم و قابض خواہند ماند۔ و اگر احیاناً تکرار و دہد بہ رجوع در محکمہ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال و مغرب و ریذیڈنٹ لاہور انفصال خواہد یافت۔ یک نقل ایں اقرار نامہ بدستخط مقرانِ طرفین بہ دفتر لاہور و یکے بہ دفتر جموں و نیز بہ دفتر جناب صاحب ریذیڈنٹ لاہور خواہد ماند۔ فقط تحریر بتاریخ چہار دہم ماہ جیٹھ سمبت 1904 بمطابق بست و پنجم ماہ مئی 1847ء روز سہ شنبہ، مقام لاہور۔

نشانہ ہر چہار نشانہ

دستخط صاحب کلاں بہادر

ہر چہار نشانہ

دینا ناتھ، کشن چند، جوالا سہائے، محکم الدین

ترجمہ (خلاصہ):

5 مارچ 1847ء کو مہاراجہ دلیپ سنگھ والئی لاہور اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان انکے نمائندگان دیوان دینا ناتھ، رائے کشن چند، دیوان جوالا سہائے اور قاضی محکم الدین کے توسط سے ایک معاہدہ طے پایا، جس کی رُو سے دریائے جہلم کے مغرب میں واقع علاقہ ہائے کھوٹہ، پکھلی و ہزارہ تا حدود دریائے سندھ کا تبادلہ دریائے جہلم کے مشرق میں واقع دربار لاہور کے علاقہ جات بطرف جموں عمل میں لایا گیا۔ جس کی تصدیق ریذیڈنٹ لاہور سر ہنری منٹگمری لارنس نے ثبت فرمائی۔ اس معاہدے کی ایک نقل دفتر لاہور میں دوسری دفتر جموں میں اور ایک نقل ریذیڈنٹ لاہور کے دفتر میں رکھی گئی۔

[نقشہ نمبر 15]

19 ویں صدی کے وسط کا جنوبی ایشیاء

1848ء

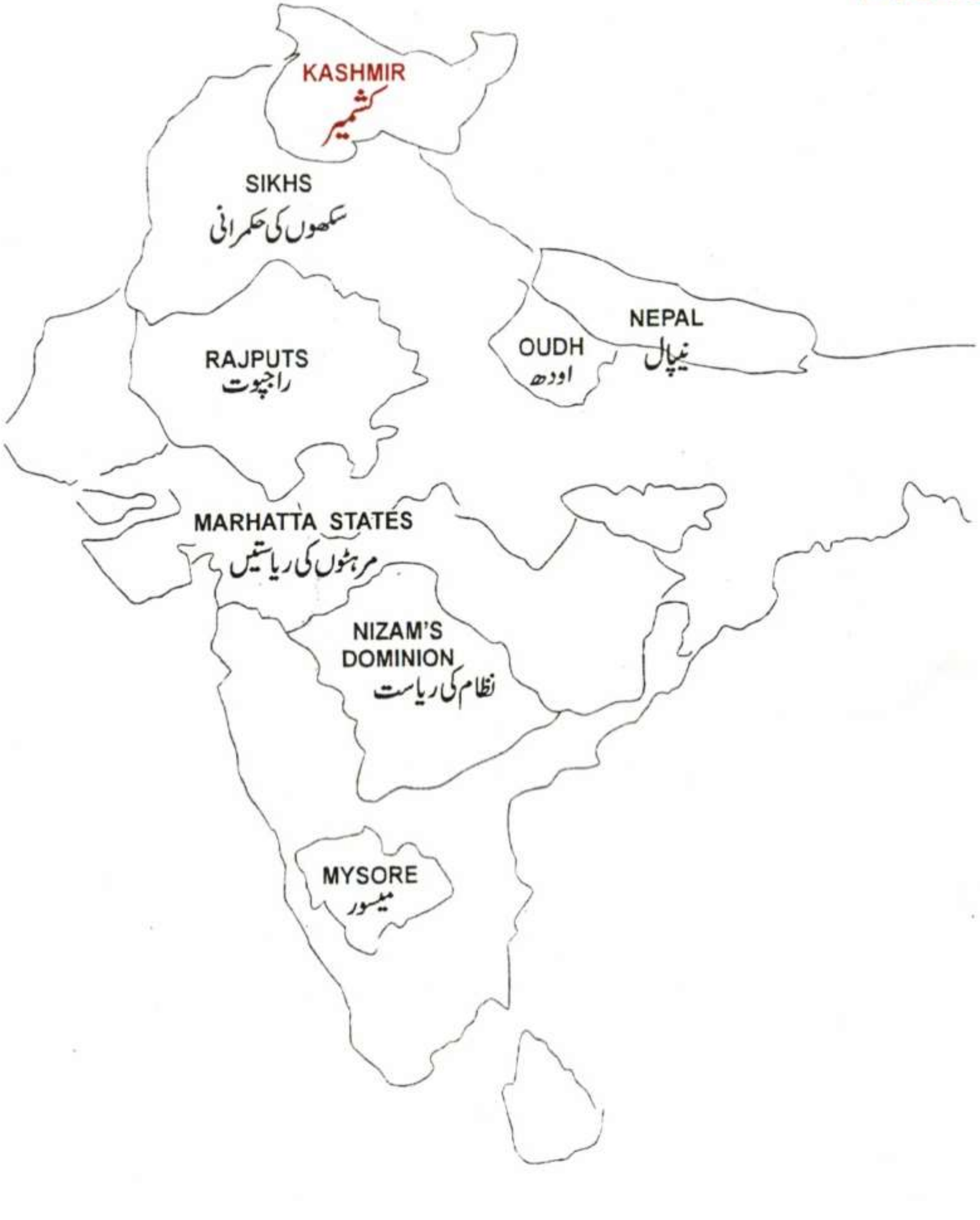

1845ء میں سکھوں نے انگریزی علاقوں پر دھاوا بول دیا۔ مڑکی، فیروز شاہ اور سوبراؤں میں زبردست لڑائیاں شروع ہوئیں۔ لیکن آخر کار انگریز فتح یاب ہوئے اور سکھ ریاست کے دارلحکومت لاہور میں داخل ہو گئے۔
1846ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ایک امن معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت جالندھر دوآب یعنی دریائے بیاس اور ستلج کا درمیانی علاقہ انگریزوں کو دے دیا گیا۔ 1848ء میں ایک فوجی مہم کے نتیجے میں انگریزوں نے سندھ کو فتح کر لیا۔

10 مارچ 1846ء کو انگریزوں اور لاہور دربار کے درمیان امرتسر کے مقام پر ایک معاہدہ طے پایا، جو بعد میں بیعنامۂ امرتسر کے نام سے معروف ہوا۔ اس معاہدہ کے تحت انگریزوں نے 75 لاکھ روپے کے عوض ریاست جموں کشمیر پر حکمرانی کا حق مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کی اولاد کو تفویض کیا۔

یہ رقم انگریزوں کو لاہور دربار سے بطور تاوانِ جنگ وصول کرنی تھی لیکن چونکہ سکھوں کے پاس نقد رقم موجود نہ تھی، انہوں نے اس کے عوض جموں و کشمیر و تبت ہا کا علاقہ انگریزوں کو پیش کیا۔ انگریزوں نے بھی نقد رقم کی خاطر اس کا حقِ حکمرانی ڈوگرہ خاندان کے پاس فروخت کر دیا۔ اس معاہدہ کے تحت ریاست جموں کشمیر جنوبی ایشیا کے نقشے پر پھر نمودار ہو گئی۔

مئی 1847ء میں لاہور کے مہاراجہ دلیپ سنگھ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان ایک اور معاہدہ طے پایا۔ جس کی رُو سے دریائے جہلم کے مغرب میں واقع علاقہ ہائے کہوٹہ، پکھلی و ہزارہ تا حدود دریائے سندھ کا تبادلہ میر پور کے علاقہ میں دریائے جہلم کے مشرق کے علاقے جانب جموں کے ساتھ عمل میں آیا۔ ہزارہ کے مسلمان نوابوں نے ڈوگرہ گلاب سنگھ کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ہزارہ اور پکھلی وغیرہ کے یہ علاقے زمانہ قدیم سے مملکت کشمیر کا حصہ چلے آرہے تھے۔

گلاب سنگھ:

گلاب سنگھ 1788ء میں جموں میں پیدا ہوا۔ اس کا پردادا سروپ سنگھ رنجیت دیو کا بھائی تھا جس نے انتشار کے برسوں میں جموں میں ایک مستحکم حکومت قائم کی تھی اُسکے جانشین 1809ء تک اس پر قابض رہے۔ 20 سال کی عمر میں گلاب سنگھ کے خاندان پر برا وقت آیا تو گلاب سنگھ جہلم کے مغرب میں منگلا نامی قلعہ کے قلعہ دار کی فوج میں نوکری کر کے کھانا اور تین روپے ماہانہ کا معقول مشاہرہ پا رہا تھا۔ 1807ء میں سکھوں کے حملہ کے دوران اس نے کارہائے نمایاں کر کے رنجیت سنگھ کی نظروں میں جگہ پیدا کر لی۔

1811ء میں وہ اپنے بھائی دھیان سنگھ کے ہمراہ، جو اس وقت 15 سال کا تھا، گھوڑے خریدنے کے لئے لاہور پہنچا اور رنجیت سنگھ کے سامنے پیش ہوا۔ ان بھائیوں کے شائستہ اطوار اور خوبصورت ناک نقشے سے متاثر ہو کے مہاراجہ نے انہیں 90 روپے ماہانہ پر اپنا مصاحب رکھ لیا۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد گلاب سنگھ اپنی خاندانی سپاہ اور متعلقین کو بھی لے آیا۔ انکا 12 سال کا بھائی سچیتو بھی ان سے آن ملا۔ وہ خوش ادا اور خوبصورت تھا۔ اس نے فوراً مہاراجہ رنجیت سنگھ کی توجہ اور اعتماد حاصل کر لیا۔ مہاراجہ اسے اتنا عزیز رکھنے لگا کہ اسکی لمحہ بھر کی جدائی بھی گوارہ نہ تھی۔

ڈاکٹر صوفی ''کشیر'' میں رقم طراز ہیں:

> ''دراصل یہ تینوں ڈوگرہ بھائیوں کی خوبصورتی تھی جس نے فی الفور رنجیت سنگھ کو، جو ذاتی حسن کا قدردان تھا، ان کی طرف متوجہ کیا۔'' (5)

جب رنجیت سنگھ جموں پر حملہ آور ہوا تو گلاب سنگھ اور اسکے بھائی اس کی فوج میں تھے اور جب جموں کو سکھ سلطنت میں شامل کر لیا گیا تو گلاب سنگھ کو اس کارگزاری کا صلہ ملا۔ اسے جموں کا، دھیان سنگھ کو پونچھ کا اور تیسرے بھائی کو رام نگر کا راجہ بنا دیا گیا۔ (6)

مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ مملکت کشمیر و تبت ہا پر حکمرانی کا معاہدہ مارچ 1846ء میں طے پا گیا تھا لیکن حقیقتاً کشمیر پر ڈوگرہ مہاراجہ کا قبضہ نومبر 1846ء میں ہوا۔ اس کے بعد اس نے ملکی انتظام کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ گلاب سنگھ اس خاندان کا پہلا حکمران تھا۔ اس نے 1858ء تک کل 12 سال حکومت کی۔

اس نے لوگوں کی شکایات سننے کا ایک نادر طریقہ اختیار کیا تھا۔ کوئی بھی شخص جو مہاراجہ

سے اپنی کوئی شکایت پیش کرنا چاہتا۔ ایک روپے کا سکہ لے کر راستے میں کھڑا ہو جاتا۔ مہاراجہ کی نظر پڑتی وہ فوراً رک جاتا اور سائل کی شکایت سنتا۔ اکثر معاملات کا موقعہ پر ہی فیصلہ کر دیا کرتا۔ اس طرح یہ انصاف حاصل کرنے کا نہایت ارزاں اور موثر طریقہ تھا۔ (7)

پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

''مہاراجہ گلاب سنگھ ایک طاقتور اور جابر حکمران تھا۔ اس نے امن و امان بحال کرنے کی کوشش کی مگر اس غرض کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ انتہائی وحشیانہ تھے۔ پونچھ میں کسی جگہ شورش برپا ہوگئی۔ اسے دبانے کے لئے وہ خود موقعہ پر گیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے کچھ زندہ قیدیوں کی کھالیں کھچوائیں۔ پھر ان میں بھوسہ بھر کر شاہراہ عام پر لٹکایا گیا۔'' (8)

یہ واقعہ 1824ء میں پونچھ میں پیش آیا۔ پونچھ کے ایک عظیم مجاہد آزادی شمس خان ملدیال نے رنجیت سنگھ کی جارحیت کے خلاف بغاوت کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے مختلف اطراف سے پونچھ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ گلاب سنگھ نے آزاد پتن سے دریائے جہلم کو عبور کر کے پیش قدمی کی اور منگ کے مقام پر پہنچا۔ سردار ملی خان اور سردار سبز علی خان سدھن سردار شمس خان ملدیال کے دوست تھے۔ یہ دونوں سکھ افواج کے خلاف بے جگری سے لڑتے رہے۔ آخر میں سازش کے تحت قیدی بنا لئے گئے۔

گلاب سنگھ نے اپنے سامنے منگ کے مقام پر ان کی کھالیں کھچوائیں لیکن ان بہادروں نے اس اذیت کے دوران بھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس موقعہ پر گلاب سنگھ کا بیٹا رنبیر سنگھ بھی وہاں موجود تھا۔ وہ یہ دلدوز منظر دیکھ کر کانپ اٹھا اور اپنے باپ کو اس ظالمانہ فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن گلاب سنگھ نے اسے جھڑک دیا۔ ان شہیدوں کی کھالوں میں بھوسہ بھر کر ایک درخت پر لٹکایا گیا۔ وہ درخت آج بھی منگ کے مقام پر موجود ہے۔ (9)

اس قسم کی بربریت تاریخ میں مختلف ادوار میں پیش آتی رہی ہے۔ شیر شاہ سُوری کے فرزند سلیم شاہ سُوری نے پنجاب میں اپنے دشمن گکھڑ سردار کی اسی طرح زندہ کھال کھچوائی تھی۔ (10)

کے ایم پانیکر، جس نے مہاراجہ کی سوانح عمری لکھی یہ اعتراف کرنے سے نہ رہ سکا کہ

''گلاب سنگھ جن طریقوں سے اپنی اغراض پوری کرتا تھا وہ نکتہ چینی سے بالاتر نہیں تھیں۔ اس نے ایسے ہتھکنڈوں اور چالبازیوں کو بروئے کار لانے

میں پس و پیش نہیں کیا جنہیں زندگی کے معمولی حالات میں بھی نہایت غیر شریفانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ ایسے سخت ترین ماحول کا پروردہ تھا جہاں سازش و مکاری سیاست کے اجزائے ترکیبی سمجھے جاتے تھے۔" (11)

ڈوگرہ راج سے پہلے کشمیر کے حکمران غیر ملکی تھے۔ ڈوگرے اس ملک کے رہنے والے تھے۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ ڈوگروں نے جموں کو تو اپنا وطن سمجھا اور کشمیر کو اپنا مفتوحہ ملک سمجھا۔ ریاست میں ایسا ڈوگرہ سامراج قائم کیا گیا جس میں ڈوگروں کو تو آقاؤں کی حیثیت دی گئی اور غیر ڈوگرہ طبقوں کو حقیر اور ادنیٰ گردانا گیا۔ (12)

گلاب سنگھ کا انتقال سری نگر میں 4 اگست 1858ء کو ہوا۔ اتفاق سے اسی روز وادیٔ کشمیر میں زلزلہ آ گیا۔ گلاب سنگھ نے بستر مرگ سے ایک لاکھ روپیہ غریبوں میں تقسیم کرایا۔ ایک انگریز عورت مسز ریشمی گریس نے اس کی پانچ بیواؤں کو اس کی چتا پرستی ہونے سے بچایا۔ (13)

مہاراجہ رنبیر سنگھ:

گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اور ولی عہد رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ وہ علم دوست اور امن پسند شخص تھا اس کے بارے میں لارنس نے لکھا:

"وہ ایک مثالی شہزادہ تھا۔ وہ اپنے مذہب اور سنسکرت زبان کے علم و فضل کا شیدائی تھا۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت روادارانہ تھا۔ اس وجہ سے اس کی رعایا اسے پسند کرتی تھی۔ یورپی لوگوں میں بھی بہت مقبول تھا۔ ان کے ساتھ وہ مہمان نوازی سے پیش آتا تھا۔ اس نے انہیں سکول اور ڈسپنسریاں کھولنے کی اجازت دی تھی۔" (14)

رنبیر سنگھ بہت نرم دل آدمی تھا۔ سادہ اور اخلاقی زندگی گزارتا تھا۔ لوگوں کی عرضیاں سننے اور ان کا جواب دینے کے لئے وہ روزانہ دربار عام منعقد کرتا تھا۔ اس نے ریاست میں نئے اجناس کو روشناس کرانے کی بہت کوشش کی۔

وادیٔ کشمیر میں قحط پڑتے رہے ہیں لیکن 1877ء کا ہولناک قحط یاد کر کے اب بھی لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو گئے۔ سڑکوں کے کنارے لاشوں کے انبار لگ گئے وادی کے اکثر حصے غیر آباد ہو گئے۔ سری نگر شہر کا نصف حصہ

تباہ ہوگیا۔ ان گنت دیہات ویران ہو گئے اور حکومت اس ناگہانی آفت میں اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام ہوگئی۔ (15)

رنبیر سنگھ کے دور میں محاصل کا ظالمانہ نظام جاری رہا۔ شال بافی پر کئی مرحلوں میں ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اور ینگ ہسبنڈ کے الفاظ میں آخر کار یہ محصول شال بافی میں قیمت کے 85 فی صد تک پہنچ جاتا تھا۔ قصابوں، ترکھانوں، کشتی بانوں یہاں تک کہ بیسواؤں کو بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ غریب حمال (قلی) جو سیاحوں کا مال اسباب ڈھونے پر مامور ہوتے، اپنی کمائی کا نصف حصہ حکومت کو ادا کرنے کے پابند تھے۔ (16)

ملک کو ترقی دینے کے لئے اس نے اندرونی طور پر کئی ترقیاتی کام سرانجام دیئے۔ اس نے جموں اور کشمیر کے درمیان آمد ورفت کے لیے ایک سڑک تعمیر کی۔ (17)

اس نے دیوانی اور فوجداری قوانین کے مجموعے تیار کرائے۔ اسکا ''رنبیر پینل کوڈ'' ریاستی عدالتوں میں ماضی قریب تک جاری رہا۔ اس نے پولیس کا محکمہ قائم کیا، شفاخانے بنائے۔ محکمہ ڈاک کا انتظام کیا۔ 1877ء میں کشمیر سے جموں اور سیالکوٹ تک بے تار برقی نظام قائم کیا اور 1883ء میں اسے گلگت اور استور تک بڑھا دیا۔ اس نے انگریزی حروف کی بجائے فارسی کی ابجد اپنا کر اُردو اور فارسی میں بے تار برقی نظام قائم کیا۔ یاد رہے کہ فارسی زبان 1925ء تک کشمیر کی سرکاری زبان رہی ہے۔ اس نے سری نگر سے کوہالہ تک گاڑیاں چلانے کیلئے پختہ سڑک کی تعمیر کا آغاز کیا۔ جو بعد میں مکمل ہو کر جہلم ویلی روڈ (JHELUM VALLEY ROAD) کہلائی۔ (18)

رنبیر سنگھ کے دور حکمرانی کا اہم ترین کارنامہ اسکی وہ کوششیں ہیں جو اس نے جموں کشمیر کو بین الاقوامی طور پر ایک اعلیٰ مقام دلانے کیلئے کافی عرصے تک جاری رکھیں۔ کچھ تفصیلات پیش کی جارہی ہیں:

- ☆ 1865ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے چار اراکین پر مشتمل ایک وفد زار روس سے بات چیت کے لئے تاشقند بھیجا۔ انگریزی علاقوں میں کشمیریوں کے اس وفد پر نامعلوم افراد نے حملہ کر کے دو افراد کو قتل کر دیا۔ اور زار روس کے نام مہاراجہ رنبیر سنگھ کا پیغام بھی چھین لیا۔ دو افراد عبدالرحمان اور سرفراز سکندر خان تاشقند پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے زار کے نمائندوں سے بات چیت کا آغاز کیا۔ انہوں نے ترکستان کے گورنر جنرل چرنییف (GEN. CHERNIAEF) تک والئی کشمیر کا دوستی کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے اپنے

[نقشہ نمبر 16]

19ویں صدی کا جنوبی ایشیاء

1856ء

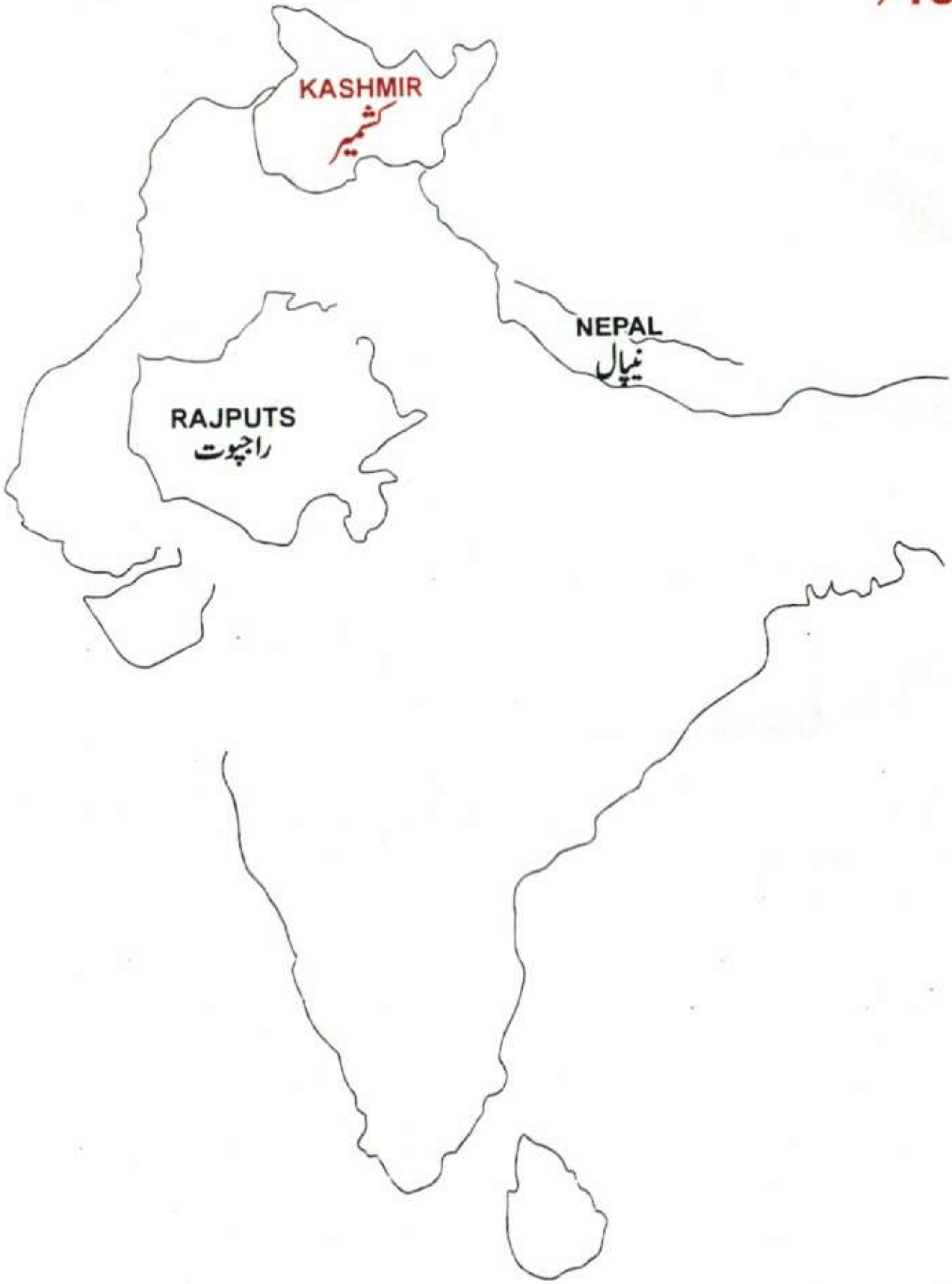

وائسرائے ہندلارڈ ڈلہوزی کے دور حکومت (56-1848ء) میں انگریزوں کو بعض فتوحات حاصل ہوئیں:

1849ء میں گجرات کی جنگ میں آخر کار سکھوں کا زور ٹوٹ گیا اور پنجاب کا صوبہ انگریزوں کی عمل داری میں آ گیا۔ ناگپور کی ریاست کو 1853ء میں برطانوی ہند میں شامل کرلیا گیا، کیونکہ ریاست کا راجہ لاولد فوت ہو گیا تھا۔ برار کو بھی 1853ء میں برطانوی ہند میں شامل کرلیا گیا۔ جھانسی کی ریاست بھی 1853ء میں برطانوی ہند میں شامل کرلی گئی۔ اودھ کو 1856ء میں انگریزوں نے اپنی حکمرانی میں لے لیا۔

ریاست جموں کشمیر ڈوگرہ خاندان کی حکمرانی میں رہی اور مہاراجہ گلاب سنگھ حکومت کرتا رہا۔ اس نے 1858ء تک کل 12 سال حکمرانی کی۔ اگست 1858ء میں گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ رنبیر سنگھ نے اندرونی طور پر کئی ترقیاتی کام سرانجام دیئے۔

- اس نے جموں اور کشمیر کے درمیان آمد و رفت کے لیے ایک سڑک تعمیر کی۔
- دیوانی اور فوجداری قوانین کا مجموعہ تیار کرایا جو رنبیر پینل کوڈ کہلایا۔
- پولیس کا محکمہ، شفاخانے اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔
- جموں سے سیالکوٹ تک بے تار برقی نظام قائم کیا۔ پھر اسے گلگت اور استور تک وسعت دی۔
- وسط ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیے کئی وفود بھیجے۔
- مشہور تاریخ ''تاریخ اعظمی'' پرتاپ سنگھ کے دور میں لکھی گئی۔
- رنبیر سنگھ کا انتقال 12 ستمبر 1885ء کو ہوا اور پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوا۔
- 1903ء میں سرینگر میں سری پرتاپ کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اسی سال ریاست میں سٹیٹ کونسل کا قیام عمل میں آیا۔
- راولپنڈی سے سری نگر تک جہلم ویلی روڈ کی تعمیر تکمیل کو پہنچی۔
- کشمیر سے گلگت، پونچھ اور ہنزہ تک سڑکیں تعمیر ہوئیں۔
- سر والٹر لارنس کی سربراہی میں بندوبست اراضی کا کام سرانجام پایا۔

دورے کا مقصد بتاتے ہوئے کشمیر اور روس کے عوام میں دوستی کے رشتے قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے انگریزوں کی جارحانہ حکمت عملی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہم روس کے ساتھ سیاسی اور تجارتی رشتے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جنرل نے عسکری یا سیاسی مدد کرنے سے انکار کیا البتہ تجارتی تعلقات قائم کرنے میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ (19)

وفد سات مہینے ترکستان میں رہا۔ اس دوران جنرل چرنیئف کی جگہ دوسرا گورنر رومانودسکی آ گیا۔ اس نے وفد کے ساتھ ملاقات میں تجارتی تعلقات پر تو اتفاق کیا لیکن عسکری یا سیاسی روابط سے معذوری ظاہر کی۔ جون 1866 میں وفد واپس آ گیا۔

☆ رنبیر سنگھ نے اکتوبر 1869ء میں ایک اور دورکنی وفد بابا کرم پرشاد کی قیادت میں بھیجا۔ اس بار بھی پیغام یہی تھا کہ کشمیر روس کے ساتھ دوطرفہ بنیادوں پر سیاسی اور اقتصادی تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ وفد نے روس کو بتایا کہ کشمیر ایک خودمختار مملکت ہے۔ مہاراجہ کشمیر برطانوی حکومت کو محض ایک علامتی نذرانہ ہر سال پیش کرتا ہے۔ وفد نے اس بات پر زور دیا کہ روس اور کشمیر کے تعلقات دونوں ممالک کے لئے سُودمند ہوں گے لیکن روسی حکمران برطانیہ کی طاقت سے خوف زدہ تھے اس لئے انہوں نے پھر معذرت کی۔ (20)

☆ بابا کرم پرشاد نے روسی گورنر جنرل کو ایک شال پیش کی کہ جس پر فارسی کا ایک شعر کڑھا ہوا تھا۔ جس کے معنی تھے۔۔۔۔

''ہر شخص کو ایک ایسے سایہ دار درخت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں وہ کچھ دیر آرام کر سکے۔''

کرم پرشاد 1872ء میں جموں واپس آ گیا۔

☆ اس سے قبل گلاب سنگھ کے دور حکومت میں 1854ء میں والئی خوقند خدایار خان نے اپنا ایک سفیر سلطان محمد خان برطانوی حکومت سے رابطہ کیلئے پشاور بھیجا جس نے واپسی پر پشاور سے ہزارہ، کشمیر اور لداخ کا راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ شورش اور ڈاکہ زنی سے محفوظ تھا۔ سلطان محمد 10 ستمبر 1857ء کو سری نگر پہنچا۔ گلاب سنگھ نے اس موقعہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے والئی خوقند کے ساتھ براہِ راست تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ سلطان محمد خان

کو -/500 روپیہ بطور نذرانہ اور -/20 روپیہ یومیہ الاؤنس مقرر کیا۔ انگریزوں نے ایک سروئیر بابو شجاع کو سلطان محمد کے ساتھ لگا دیا تھا۔ تا کہ وہ کشمیر سے خوقند تک کے راستوں کا جائزہ لے سکے۔ گلاب سنگھ نے کسی بہانے بابو شجاع کو سلطان محمد خان سے الگ کرایا۔

اگست 1856ء میں سلطان محمد خان نے خوقند سے پشاور کے انگریز کمشنر کے نام ایک خط میں لکھا کہ گلاب سنگھ کے بیٹے رنبیر سنگھ نے بابو شجاع کو خوقند نہ جانے پر آمادہ کر لیا تا کہ انگریزوں کو کشمیر اور لداخ سے ترکستان کے راستوں سے بے خبر رکھا جا سکے۔ (21)

☆ اکتوبر 1867ء میں لداخ میں مقیم ایک برطانوی افسر ڈاکٹر کیلے (CAYLEY) نے رپورٹ دی کہ رنبیر سنگھ کی حکومت کا ایک خفیہ ایجنٹ شیر سنگھ بخارا، سمرقند، خوقند اور بدخشاں وغیرہ سے ہو کر دو سال بعد یارقند سے لداخ پہنچا ہے۔ اس نے یہ سفر ایک مسلمان فقیر کے روپ میں کیا تھا اور اس نے خوقند میں روسی گورنر سے ملاقات کی تھی۔ (22)

شیر سنگھ سری نگر سے 28 جولائی 1866ء کو براستہ مظفر آباد، پشاور، کابل، بلخ و بخارا روانہ ہوا تھا۔ وہ کاشغر، یارقند کے راستے 24 اکتوبر 1861ء کو سری نگر پہنچا۔ اس کی مکمل رپورٹ ''سفر نامہ مہتہ شیر سنگھ'' کے نام سے شائع ہوئی، جو ریسرچ لائبریری سرینگر میں موجود ہے۔ (23)

☆ رنبیر سنگھ نے کشمیر میں روسی زبان سکھانے کے لئے ایک سکول قائم کیا تھا تا کہ وسط ایشیا میں روسیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں زبان کی رکاوٹ کو دور کیا جائے۔ (24)

☆ 81-1880ء میں انگریز افسر جے ٹی کرسٹی کو اپنے ایک جاسوس میاں راحت شاہ کاکا خیل کی طرف سے رپورٹ موصول ہوئی تھی کہ امان الملک والئی چترال نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کو چترال کے راستے روس جانے کی سفری سہولیات بہم پہنچائی ہیں۔ دو کشمیری قاصد چترال کے راستے روس گئے تھے۔ انکے پاس جو خطوط تھے ان میں روسیوں کیلئے احمد خان ترک تاجر اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کیلئے ''مرزا اسحاق'' کے کوڈ نام استعمال ہوئے تھے۔

اسی طرح کی اور بھی شہادتیں موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رنبیر سنگھ کے دل میں روس اور وسط ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی شدید خواہش موجود تھی۔ اس نے ایک موقع پر روسی حکام پر یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ اس کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات اتنے اچھے نہیں تھے۔ اس نے لارڈ میو وائسرائے ہند کی بلائی ہوئی کانفرنس میں شرکت نہیں کی تھی جو مارچ 1869ء میں انبالہ میں منعقد ہوئی تھی جبکہ اس کانفرنس میں شاہ افغانستان شیر علی خان بھی

شریک ہوا تھا۔ 28 سال کی حکمرانی کے بعد رنبیر سنگھ کا جموں میں 12 ستمبر 1885ء کو انتقال ہو گیا۔ مشہور تاریخ ''تاریخِ اعظمی'' رنبیر سنگھ کے دور میں لکھی گئی۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ:

1885ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات پر اسکا سب سے بڑا بیٹا پرتاپ سنگھ تخت پر بیٹھا، اس زمانے میں ریاست کی معاشی حالت بہت خراب تھی۔ بندوبست اراضی کے کمشنر سر والٹر لارنس نے اپنی یادداشت میں لکھا کہ ''1887ء میں کشمیر کا دیوالیہ پٹ چکا تھا۔ زمین کے زرخیز رقبے بلا کاشت پڑے ہوتے تھے۔ جب ہم نے بندوبست اراضی کا کام شروع کیا تو دیکھا کہ ہوا اور پانی کے سوا ہر شے پر محصول عائد ہے، یہاں تک کہ گورکن بھی ٹیکس ادا کرتے ہیں۔'' (25)

ملک کو 91-1889ء، 02-1900ء، 07-1906ء اور 1910ء میں ہیضہ اور 04-1903ء میں طاعون کی وبا نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس طرح کافی آبادی کا صفایا ہو گیا تھا۔ 1885ء میں شدید قسم کا زلزلہ آیا اور 1893ء اور 1903ء میں ہلاکت خیز سیلاب آئے جس سے زمین کی پیداوار اور دوسرے مال و متاع کا نقصان ہوا۔

1877ء کے ابتدائی دنوں میں جب قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ کچھ گمنام شہری اشخاص نے چوری چھپے دہلی جا کر برطانوی وائسرائے کے پاس ایک عرضداشت پیش کی تھی۔ جس میں رنبیر سنگھ پر الزامات لگائے گئے تھے۔ یہ عرضداشت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ صرف چند حصے اخبارات تک پہنچ گئے تھے۔ الزامات میں چند ایک شدید قسم کے تھے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا کہ قحط کے دنوں میں لوگوں کو خوراک مہیا کرنے کے اخراجات بچانے کیلئے مہاراجہ اپنی غریب رعایا کو کشتیوں میں بٹھا کر جھیل ولر میں غرق کراتا تھا۔ برطانوی حکومت نے ان الزامات کی تحقیق کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ لیکن کسی کو سامنے آ کر ان الزامات کی تصدیق کرنے کی جراُت نہیں ہوئی۔ (26)

انگریزوں نے ریاست میں ایک ریاستی کونسل کا قیام عمل میں لایا۔ ایک سال کیلئے اسکی صدارت دیوان لچھمن داس نے کی۔ اسی دور میں ایک انگریز افسر سر والٹر لارنس کو بندوبست اراضی کا کام سونپا گیا، جس نے عوام کی بھلائی کیلئے بہت کام کیا۔ کشمیر میں مالگزاری کے صحیح تعین کا آغاز ہوا۔ تجارت پر محصول گھٹا دیے گئے۔ مستقبل کیلئے منصوبہ بندی میں سڑکیں بنانے پر نمایاں اہمیت دی گئی۔ زمین، پھلوں اور اجناس کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ نتیجہ یہ کہ ریاست کی آمدن میں اضافہ ہونے لگا۔ (27)

چند سال بعد مہاراجہ کو سٹیٹ کونسل کا صدر بنا دیا گیا اور اسکے بھائی کونسل کے ممبر بن گئے۔
مجموعی طور پر سٹیٹ کونسل کا انتظام کامیاب رہا۔ تاہم 1905ء میں سٹیٹ کونسل کو ختم کر دیا گیا۔ مہاراجہ کے بے اختیاری کے 20 سال ختم ہوئے اور اسے کامل اختیارات حاصل ہو گئے۔ کشمیر سے گلگت تک اور گلگت سے ہنزہ تک نیز بونجی سے چلاس تک سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ دریاؤں اور نالوں پر پل تعمیر کیے گئے۔ وادیٔ جہلم کی جو پختہ سڑک زیرِ تعمیر تھی، مکمل ہو گئی اور اس پر راولپنڈی سے سری نگر تک آمد و رفت شروع ہو گئی۔ (28)

1905ء میں سرینگر میں سری پرتاپ کالج (S.P. College) کا قیام عمل میں آیا۔ 1914ء میں ایک انگریز ماہرِ تعلیم مسٹر شارپ کو مسلمانوں کی ضروریات کا جائزہ لینے کیلئے مقرر کیا گیا۔ اس نے ایک رپورٹ پیش کی تھی لیکن اس پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ (29)

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا حافظہ خصوصیت سے بہت اعلیٰ تھا۔ جس کسی کو ایک دفعہ دیکھ لیتا اسے کبھی بھولتا نہیں تھا۔ وہ سادہ مزاج، امن پسند اور مہربان حکمران تھا۔ وہ راسخ العقیدہ مذہب پرست تو تھا لیکن اسکی انتہائی خواہش تھی کہ رعایا کے تمام طبقوں اور فرقوں سے ایک جیسا سلوک روا رکھا جائے۔ اس نے بہت سے محاصل، جن میں شادی ٹیکس بھی شامل تھا، معاف کر دیے۔ (30)

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کٹر ہندو تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ پروہت زدہ تھا۔ پنڈتوں سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ 40 سال 4 ماہ حکمرانی کرنے کے بعد 75 سال کی عمر میں 23 دسمبر 1925ء کو سری نگر میں انتقال کیا۔ جب اس کا دَم نکلنے والا تھا تو ہندو رسم کے مطابق اسے محل کے بالائی کمرے سے جلدی جلدی نیچے اتارا گیا تا کہ اسکی جان دھرتی ماتا پر نکلے۔ (31)

ریاست کے باہر سے ایک برہمن بلایا گیا جس کے سر سے پیر تک بال مونڈ دیے گئے۔ مہاراجہ کے استعمال کی تمام چیزیں اسے پیش کی گئیں۔ جب مہاراجہ کا انتقال ہو گیا تو پولیس نے اس برہمن کو ریاست سے باہر نکال دیا اور واپس آنے کی ممانعت کر دی، کیونکہ وہ اپنے ساتھ گزرے ہوئے مہاراجہ کے تمام گناہ لے گیا تھا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ ایک پستہ قد آدمی تھا جو ایک بہت بڑی پگڑی باندھتا تھا۔ نہایت فیاض میزبان تھا۔ اسکی یادداشت بہت غضب کی تھی۔ مزاج تحقیق پسند تھا۔ اسکے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ اسلئے اسکا بھتیجا، ہری سنگھ 1925ء میں جموں کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ (32)

ڈوگرہ دور میں ریاست جموں کشمیر تین صوبوں پر مشتمل رہی۔ جموں، کشمیر اور سرحدی

صوبہ۔ ان صوبوں کیلئے الگ الگ گورنر مقرر ہوتے رہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

صوبہ جموں	صوبہ کشمیر
1. دیوان امرناتھ رائے	1. بخشی پرمانند
2. رائے صاحب پنڈت اودھے چند	2. پنڈت من موہن لال
3. رائے صاحب پنڈت پچھمن داس	3. پنڈت رادھے کشن کول
4. پنڈت رام چندر ڈوبے	4. چوہدری خوشی محمد
5. ٹھاکر کرتار سنگھ	5. پنڈت نرمند رناتھ
6. سردار حاکم سنگھ	6. رائے صاحب پنڈت رام دھن
7. چوہدری چنان سنگھ	7. رائے بہادر من موہن ناتھ
8. خان صاحب راجہ محمد افضل خان	8. پنڈت انت رام ڈوگرہ
9. رائے بہادر کرنل بلدیو سنگھ پٹھانیہ	9. رائے صاحب ترلوک چند
10. وزیر فیروز چند	10. ٹھاکر کرتار سنگھ
11. پنڈت رگھوناتھ مٹو	11. سردار عطر سنگھ
12. دیوان ونپت راج	12. خان صاحب شیخ عبدالرشید
13. مظفر احمد کشمیری	13. پنڈت مہاراج کشن در
14. راؤرتن سنگھ	14. خواجہ غلام نبی
15. چیت رام چوپڑہ	15. گوپال رام تھاپا

سرحدی صوبہ گلگت ولداخ کیلئے ایک الگ گورنر بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کو 17 ساون 2004 بکرمی کو نامزد کیا گیا۔ جسے بعد میں گرفتار کر کے تبادلے میں واپس بھیج دیا گیا۔

حوالہ جات:

1. حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 59
2. ہیمن رے	ہاؤ ماسکو سیز کشمیر	صفحہ 98
3. حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 62
4. حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 99
5. نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 73
6. نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 75

.7	حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 64
.8	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 145
.9	سہ ماہی پربت	نومبر 2001ء	صفحہ 45
.10	سلمان رشید	پی ٹی وی	9 نومبر 1998ء
.11	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 145
.12	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 144
.13	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 75
.14	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 76
.15	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 146
.16	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 146
.17	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 76
.18	حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 69
.19	ہیمن رے	ہاؤماسکو سیز کشمیر	صفحہ 3
.20	ہیمن رے	ہاؤماسکو سیز کشمیر	صفحہ 4
.21	کے واریکو	سنٹرل ایشیاء اینڈ کشمیر	صفحہ 14-15
.22	کے واریکو	سنٹرل ایشیاء اینڈ کشمیر	صفحہ 21
.23	کے واریکو	سنٹرل ایشیاء اینڈ کشمیر	صفحہ 22
.24	کے واریکو	سنٹرل ایشیاء اینڈ کشمیر	صفحہ 111
.25	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 149
.26	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 150
.27	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 76
.28	حشمت اللہ خان	تاریخ جموں	صفحہ 76
.29	پنجاب یونیورسٹی	سنگر مال 1990ء	صفحہ 81
.30	پریم ناتھ بزاز	تاریخ جدوجہد آزادیٔ کشمیر	صفحہ 156
.31	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 76
.32	نصرت	کشمیر نمبر 1960ء	صفحہ 76

مہاراجہ ہری سنگھ کا ہنگامہ خیز دور

ہری سنگھ 9 اسوج 1952ء بکرمی بمطابق 30 ستمبر 1895ء کو پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم وتربیت پر ابتداء سے ہی خصوصی توجہ دی گئی۔ اس نے انگریز اساتذہ کی زیرنگرانی میو کالج اجمیر سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد امپیریئل کیڈٹ کالج ڈیرہ دوں میں فوجی تربیت حاصل کی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دور میں مختلف عہدوں پر تعینات رہا۔

1915ء میں اُسے ریاستی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم (1914-1918ء) کے دوران اسے سرکاری فوجوں کی ٹریننگ اور ہتھیاروں وغیرہ کی سپلائی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1922ء میں اُسے مہاراجہ کی سٹیٹ کونسل میں سینئر ممبر کا عہدہ دیا گیا۔ اس حیثیت سے اسے لوگوں سے ملنے جلنے اوران کے مسائل کو سمجھنے کا موقعہ ملا۔ (1)

ستمبر 1925ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ وفات پا گیا۔ چونکہ اسکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اسلئے اسکے بھائی امر سنگھ کا بیٹا ہری سنگھ تخت وتاج کا وارث قرار پایا۔ تخت نشینی کے وقت اسکی عمر 30 سال تھی۔ چونکہ وہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا اور سٹیٹ کونسل کے ممبر کی حیثیت سے کافی مصروف ہو چکا تھا۔ اسلئے پڑھے لکھے طبقہ نے اس سے بڑی امیدیں وابستہ کیں۔ جنگ عظیم اوّل کے دوران وہ ذاتی طور پر دفاعی فنڈ میں 43 لاکھ روپے کا عطیہ دے چکا تھا۔ علاوہ ازیں وادی کشمیر میں قحط کے خطرے پر قابو بھی ہری سنگھ کی کوششوں سے پایا گیا تھا۔ اس طرح وہ بلاتفریق مذہب ونسل ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول ہو گیا تھا۔ (2)

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد ہی اس نے جموں میں ''امر کھشتر یا سبھا'' کے جلسے میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''بحیثیت مہاراجہ اس کا مذہب انصاف ہوگا۔ اس نے مذہبی رواداری کا اظہار کرتے ہوئے سری نگر میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عید ادا کی۔'' (3)

لیکن تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد ہری سنگھ نے چند تنگ نظر راجپوتوں کے مشورہ سے ریاست میں راجپوت دھڑے کی حکومت کی تشکیل شروع کر دی۔ انتظامیہ کے ہر شعبہ کا سربراہ

درمیانی درجہ کی اہلیت کے راجپوت کو بنایا گیا۔فوج کو ڈوگرہ راجپوتوں کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ 60 فیصد سے زائد گزیٹڈ اسامیاں ان کا حصہ قرار دی گئیں۔ (4)

سر ایلبیئن بینر جی دو سال سے کشمیر کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ 1929ء کے اوائل میں اس نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ 15 مارچ 1929ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس لاہور کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا:

''ریاست جموں کشمیر کئی خرابیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔اس کی آبادی کی غالب اکثریت مسلمان ہے جو کہ بالکل ہی ان پڑھ اور جاہل ہیں۔ دیہاتوں میں رہنے والے یہ لوگ افلاس اور اقتصادی بدحالی کی بدترین زندگی گزار رہے ہیں۔ عملی طور پر انہیں ڈھور ڈنگروں سے بھی حقیر سمجھ کر ان پر حکومت کی جا رہی ہے۔وغیرہ'' (5)

کشمیری ہندوؤں اور مسلمانوں پر فوجی ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ مہاراجہ کی فوج میں ہندو ڈوگرے یا مسلمان ڈوگرے بھرتی ہوتے تھے۔یا پھر گورکھے اور پنجابی سکھ کشمیر کی فوج میں ملازمت حاصل کر سکتے تھے۔ کشمیر کا نہ کوئی ہندو اور نہ مسلمان بھرتی ہو سکتا تھا۔

ضبطئ جائیداد کے قانون کے تحت کوئی بھی شخص مذہب تبدیل کرنے سے اپنی جائیداد سے محروم ہو سکتا تھا۔ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اسلئے مسلمانوں نے اس قانون کو مذہب کی اشاعت کے خلاف ایک رکاوٹ قرار دیا۔

سول محکموں میں کلیدی عہدوں پر رنبیر سنگھ کے دور میں پنجابی چھائے ہوئے تھے۔ ہری سنگھ کے راج میں یہ عہدے راجپوتوں کیلئے مخصوص ہو گئے۔ (6)

20 ویں صدی کے آغاز میں برصغیر مختلف سیاسی تحریکوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔اور ملحقہ علاقہ کے حالات کا اثر کشمیر پر بھی پڑ رہا تھا۔ان تحریکوں میں ستیہ گرہ تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت وغیرہ شامل تھیں اور انکے اثرات کسی نہ کسی طور پر ریاست جموں کشمیر پر بھی ہو رہے تھے۔ (7)

1908ء میں جموں کے چند فارغ التحصیل نوجوانوں نے جن میں مقبول احمد، قاضی شمس الدین اور محمد بشارت کے نام نمایاں ہیں۔ ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ ایسوسی ایشن نے لوگوں میں مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لئے ''مٹھا بازار'' میں ایک دار المطالعہ قائم کیا۔ 1924ء میں اپنے سالانہ اجلاس کے بعد آریا سماج کی شدھی کی تحریک کا

مقابلہ کرنے کے لئے جموں میں اس انجمن نے بہت کام کیا۔(8)

1921ء میں جموں میں مسلمانوں کو بڑی مشکل سے ایک مذہبی تنظیم بنانے کی اجازت مل گئی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو قرآن حکیم کی تعلیمات سے آگاہ کرنا تھا۔ مگر ساتھ ہی پولیس کو ہدایت کی گئی کہ اس تنظیم کی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔(9)

مہاراجہ ہری سنگھ کی تخت نشینی سے صرف ایک سال پہلے 1924ء میں سرینگر کی سلک فیکٹری کے مزدوروں نے شرح مزدوری میں اضافہ کیلئے اور افسروں کی زیادتیوں کے خلاف ایک تحریک شروع کی۔ اپنے حقوق منوانے کی خاطر ریشم خانہ کے مزدوروں کی تحریک کو حکام نے بغاوت کا نام دے کر سختی سے کچل دیا۔ اگرچہ یہ بغاوت ناکام رہی لیکن کشمیری مزدور طبقہ میں بیداری پیدا ہوگئی اور انہوں نے اپنے حقوق منوانے کا ڈھنگ سیکھ لیا۔(10)

اکتوبر 1924ء میں ہی وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کشمیر کے دورے پر آیا۔ وادی کے مسلمانوں نے اس موقعہ پر اسکے سامنے ایک یادداشت پیش کی۔ جس پر سات عمائدین کے دستخط تھے۔ یادداشت میں پیش کیے گئے بے ضرر اور غیر سیاسی مطالبات کا خلاصہ یہ تھا:

1. ریاست کی زمین کاشت کرنے والے موروثی مزارعین کو ملکیت کے حقوق دیے جائیں۔
2. ریاست سے بیگار کو ختم کیا جائے۔
3. مسلمانوں کو ریاست کی ملازمتوں میں مناسب نمائندگی دی جائے۔
4. مسلمانوں کی مساجد، مزارات اور خانقاہیں جو حکومت کی تحویل میں ہیں، واگزار کی جائیں۔(11)

یادداشت پر دستخط کرنیوالوں میں خواجہ سعدالدین شال، خواجہ حسن شاہ نقشبندی میر واعظ کشمیر مولوی احمد اللہ، میر واعظ ہمدانی، آغا سید حسین شاہ جلالی، مفتی شریف الدین اور خواجہ حسن شاہ شال تھے۔

بعد میں خواجہ سعدالدین شال کو ریاست سے دو سال کے لیے جلاوطن کر دیا گیا اور ان کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔(12)

ہری سنگھ نے تخت نشین ہوتے ہی سرینگر میں متعین انگریز ریذیڈنٹ کی بہت سی مراعات واپس لے لی تھیں اور حکم دیا تھا کہ ریاست میں یونین جیک نہ لہرایا جائے۔ ہری سنگھ نے برطانوی ریذیڈنٹ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ موسم سرما میں اپنا ہیڈ کوارٹر ریاست سے باہر لے جائے۔(13)

1929ء میں کچھ اعتدال پسند مسلم سیاستدانوں نے مہاراجہ کے پاس ایک عرضداشت

پیش کی۔ جس میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کو ناکافی قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں پرائیویٹ طور پر طے پایا کہ مسلمانوں کے لیے کم از کم 50 فیصد آسامیاں وقف کر دی جائیں، لیکن اس پر نہ ہونے کے برابر عمل ہوا۔ چنانچہ بے اطمینانی اور بڑھ گئی۔

نوجوانوں نے خود کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ سری نگر میں ایک دارالمطالعہ کھولا گیا۔ جہاں یہ لوگ بیٹھ کر مختلف معاملات پر طویل گفت وشنید کرتے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ان نوجوانوں نے ریاستی کابینہ تک رسائی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وزراء سے ملنے کے لئے دو ارکان کا ایک وفد ترتیب دیا گیا۔ جن میں سے ایک محمد عبداللہ تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ مایوس کن نکلا۔ (14)

کشمیری پنڈت بھی ڈوگرہ حکومت کی اس امتیازی پالیسی سے جو سراسر جموں کے لوگوں کے حق میں جاتی تھی، سخت ناامید تھے۔ ہری سنگھ کے دور میں یہ امتیازی پالیسی اور بھی عیاں ہوگئی، چنانچہ 31-1925ء کے دوران پورے 6 سال تک کشمیری پنڈتوں نے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کے مطالبات میں ملازمتوں میں حصہ، اختیارات اور انجمن سازی کی آزادی، دستور ساز اسمبلی کی تشکیل، ریاستی نظم ونسق میں مقامی باشندوں کی اعلیٰ عہدوں پر نمائندگی وغیرہ شامل تھے۔ یہ تحریک ''کشمیر کشمیریوں کیلئے'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ (15)

تاہم ان تمام کوششوں کا ایک مثبت نتیجہ برآمد ہوا کہ پشتینی باشندہ ریاست کی اصطلاح سامنے آئی اور 31 جنوری 1927ء کو اسے قانونی شکل دی گئی۔ مہاراجہ نے اس ضمن میں ایک حکم جاری کیا جسکی رُو سے غیر ریاستی باشندوں پر آئندہ کیلئے ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ نیز اس حکم کی رو سے غیر ریاستی لوگوں کیلئے زرعی اراضیات خریدنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ (16)

1931ء کا سال:

29 اپریل 1931ء کو جو کہ عید کا دن تھا جموں میں میونسپل کمیٹی کے ایک باغ میں نماز عید ادا کی گئی۔ نماز کے بعد امام صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ امام صاحب کا نام منشی محمد اسحٰق تھا۔ وہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک ڈوگرہ سب انسپکٹر بابو کھیم چند ڈی آئی جی پولیس چوہدری رام چند کی ہدایت پر آگے بڑھا اور نہایت رعونت کے ساتھ امام صاحب کو خطبہ بند کرنے کا حکم دیا۔ پولیس کے مطابق یہ نماز کا خطبہ نہ تھا بلکہ حکومت کے خلاف تقریر تھی۔ مسلمانوں میں اس مداخلت سے غیض وغضب پھیل گیا۔ (17)

1931ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں تین سیاسی تنظیموں کے قیام کی اجازت دی۔
1. کشمیری پنڈت کانفرنس 2. ہندو سبھا 3. سکھ شرومنی خالصہ دربار

اس طرح غیر مسلم آبادی کو تو کسی حد تک نمائندگی اور تنظیم سازی کا حق حاصل ہو گیا لیکن مسلمانوں کو جو کہ ریاست کی غالب اکثریت کی حیثیت رکھتے تھے اس حق سے محروم رکھا گیا۔ (18)

پھر 13 جولائی 1931ء کو رونما ہونیوالے ایک خونیں واقعہ نے تاریخ کشمیر کا رخ ہی بدل ڈالا۔ اس روز سری نگر سنٹرل جیل میں ڈوگرہ مسلح دستوں نے نہتے کشمیری عوام پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جسکے نتیجہ میں 21 افراد شہید ہو گئے اور بیشمار زخمی۔ اس واقعہ کے بارے میں شیخ عبداللہ کہتے ہیں:

''13 جولائی کو کشمیری عوام پر فائرنگ ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ ہر گولی نے میری چھاتی میں سوراخ کر دیا ہے۔ اس فائرنگ کے بعد ہی میری عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ اس فائرنگ میں بے شمار افراد زخمی ہو گئے۔ میں ایک زخمی کو سنبھال رہا تھا کہ اس نے دم توڑتی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔ عبداللہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب تم آگے بڑھو، اور میں آگے بڑھنے لگا۔'' (19)

نامور سکالر جوزف کاربل نے اس پر یوں تبصرہ کیا:

''یہ 1931ء کا سال تھا جب کشمیری عوام کے ذہنوں میں پکنے والا یہ لاوا اچانک پھٹ پڑا۔ دلوں کا غبار شعلہ جوالہ کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ ایک 25 سالہ بے روزگار نوجوان تھا جسے آگے چل کر کشمیر کی تاریخ میں اہم ترین کردار ادا کرنا تھا۔ یہ شیخ محمد عبداللہ تھا۔'' (20)

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ انگریزی فوج کا ایک میجر چھٹیاں گزارنے کشمیر آیا۔ اُسکے ساتھ اسکا ملازم عبدالقدیر بھی تھا۔ عبدالقدیر یہاں مسلمانوں سے ملتا جلتا رہا۔ انکے اجتماعات میں شریک ہوتا رہا۔ اسے محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ 21 جون کو درگاہ حضرت شاہ ہمدانؒ کے احاطہ میں ایسے ہی ایک اجتماع میں عبدالقدیر بھی شریک تھا۔ مقررین کی تقریروں سے وہ جوش میں آگیا اور اچانک ہجوم میں سے نکل کر ایک چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں پر ہونیوالے ظلم و ستم کی مذمت کی اور مہاراجہ کو مسلمانوں کا قاتل قرار دیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس پر بغاوت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ دائر ہوا۔ 13 جولائی کو سنٹرل جیل میں اسکے مقدمہ کی سماعت تھی۔

وہاں ہزاروں کی تعداد مسلمان جمع ہو گئے۔ حکام نے بغیر کسی وجہ کے ان پر فائر کھول دیا۔ (21)

13 جولائی کی ہی شام کو چوہدری غلام عباس، قاضی گوہر رحمان اور مستری یعقوب علی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسکے اگلے ہی روز شیخ عبداللہ سمیت کئی دوسرے رہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان گرفتاریوں کے خلاف زبردست ہڑتال کی گئی جو 20 دن تک جاری رہی۔ سرینگر میں کاروبار معطل ہو گئے اور شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ (22)

مہاراجہ نے مسٹر ویکفیلڈ کو تبدیل کر کے راجہ ہری کشن کول کو وزارت سونپ دی جس نے مسلمان نمائندوں کو مذاکرات کی دعوت دی۔ مہاراجہ اور مسلمان نمائندوں کے درمیان ایک صلح نامہ طے پایا جسکے نتیجہ میں قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کریں۔ اگست 1931ء میں مہاراجہ کے سامنے مسلمان نمائندوں نے اپنے مطالبات پیش کئے۔ انکا خیال تھا کہ مہاراجہ انکی عرضداشت کو ہمدردی سے سنے گا اور انکی شکایات کا ازالہ کرے گا۔ لیکن مہاراجہ نے انکے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا۔ (23)

ان واقعات کی تحقیقات کیلئے مہاراجہ نے ہائی کورٹ کے جسٹس سر برجور دلال سمیت تین ججوں پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا۔ مسلمانوں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ 31 اکتوبر کو جموں میں ایک جلوس میں دلال کمیشن کی رپورٹ کو نذر آتش کیا گیا۔ حکومت نے بھی اس رپورٹ کو نظر انداز کر دیا۔ اور مڈلٹن کمیشن کے نام سے ایک اور تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا۔ (24)

اسکے بعد علامہ اقبال کی کوششوں سے کشمیری عوام کی شکایات کے ازالہ کیلئے گلنسی کمیشن کا قیام 12 نومبر 1931ء کو عمل میں آیا۔ اس کمیشن میں دو مسلمان اور دو غیر مسلم ممبران بھی شامل کئے گئے۔ وادئ کشمیر سے خواجہ غلام احمد اور پنڈت پریم ناتھ بزاز اور جموں سے چوہدری غلام عباس اور لوک ناتھ شرما کو کمیشن میں لے لیا گیا۔ (25)

نومبر کے اواخر میں کمیشن نے اپنا کام شروع کر دیا اور اپریل 1932ء میں اپنی رپورٹ بمعہ سفارشات کے مہاراجہ ہری سنگھ کو پیش کر دیں۔ رپورٹ کی روشنی میں مہاراجہ نے احکامات جاری کر دیے۔ جن کے تحت عوام کو اپنی قانون ساز اسمبلی منتخب کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ (26)

مہاراجہ نے ''پرجا سبھا'' کے نام سے ریاست میں ایک مقننہ قائم کرنے پر اتفاق کیا۔ اب جموں کشمیر کے مسلمانوں نے ان خطوط پر سوچنا شروع کر دیا کہ انکی ایک باقاعدہ سیاسی تنظیم ہونی چاہیئے جسکا اپنا دستور ہو اور جو صحیح معنوں میں عوام کا تحفظ کر سکے۔ چنانچہ اس غرض کیلئے ریاست

کے مختلف خطوں کے رہنماؤں میں صلح مشورے شروع ہو گئے اور آخروہ مسلم کانفرنس کے نام سے ایک سیاسی تنظیم قائم کرنے پر رضامند ہو گئے۔ شیخ عبداللہ کہتے ہیں:

''میں نے اس غرض کیلئے اپنے ساتھیوں اور دوسرے بہت سے رہنماؤں کے ساتھ گفت وشنید شروع کی۔ میں جموں بھی گیا اور وہاں بھی تنظیم کی داغ بیل ڈالنے کے لئے چوہدری غلام عباس، یعقوب علی وغیرہ سے تبادلہ خیال کیا۔ بھی لوگ ایک ریاست گیر تنظیم بنانے کے حق میں تھے اس غرض کیلئے مسلم نمائندگان کی ایک ذیلی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جسکو نئی جماعت کا دستور اور اسکی ترتیب کا کام سونپا گیا۔ (27)

آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس مسلمانوں کی واحد ترجمان تنظیم تھی۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس 15 تا 17 اکتوبر 1932ء کی تاریخوں میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نمائندہ وفد مسٹر عبدالرحیم اور سید حبیب پر مشتمل، شریک ہوا۔ نئی جماعت کا نام آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس اسی جلسے میں رکھا گیا۔ (28)

ایک اندازے کے مطابق جلسہ میں تین لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی جو کہ ریاست کی تاریخ میں ایک ریکارڈ ہے۔ (29)

1932ء میں ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے اخبارات نکالنے کی بھی اجازت دے دی۔ مسلم کانفرنس کے پرچم تلے عوام کی جدوجہد جاری رہی۔ مہاراجہ کی طرف سے عوام کو تنظیم سازی کی آزادی اور تحریر وتقریر کی آزادی دی گئی۔ (30)

مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں 15-16-17 دسمبر 1933ء کو میر پور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مجلس استقبالیہ کے چیرمین راجہ محمد اکبر خان تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں کمیشن کی رپورٹ کو ایک فریب، ڈھونگ اور مجوزہ اسمبلی کو مجلس مناظرہ قرار دیا۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ بعض مساجد ابھی تک مسلمانوں کے حوالے نہیں کی گئی ہیں۔ انہوں نے اسمبلی کے فوری قیام اور مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں میں نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ 1934ء میں مہاراجہ نے ریگولیشن نمبر 1 کے ذریعہ ریاست میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ یہ قدم فرنچائز کمیٹی کی مرتب کردہ رپورٹ کی سفارش پر اٹھایا گیا۔ اس کمیٹی کے سربراہ سر برجور دلال تھے۔ مہاراجہ نے 20 جنوری 1934ء کو سفارشات کو

منظور کرتے ہوئے نافذ العمل قرار دیا۔(31)

1934ء میں ہونے والے انتخابات میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دی گئیں۔ اسمبلی کی کل 75 سیٹیں تھیں جن میں سے 35 اراکین کو نامزد کیا جانا تھا صرف 40 پر انتخاب ہوتا تھا۔ قوانین اور شرائط کی رو سے آبادی کے صرف 8 فیصد افراد حق رائے دہی استعمال کرنے کے اہل تھے۔ یوں تو اسمبلی کھلی اختیارات کی حامل تھی لیکن جب حقائق سامنے آئے تو تمام منتخب اراکین اپنے عہدوں سے دستبردار ہو گئے۔(32)

1934ء میں منتخب کی گئی ریاستی اسمبلی کی میعاد 31 دسمبر 1937ء کو ختم ہو گئی چنانچہ نئے انتخاب کرائے گئے۔ مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کی 21 میں سے 19 نشستیں جیت لیں۔(33)

انتخابات میں بڈگام سے پیر ضیاء الدین اور میرپور سے چوہدری عبدالکریم آزاد ارکان کی حیثیت سے کامیاب ہوئے لیکن انہوں نے فوراً بعد مسلم کانفرنس میں شمولیت اختیار کر لی۔ نئی اسمبلی کا پہلا اجلاس راجگوڑھ محل سرینگر میں دسمبر 1938ء کو منعقد ہوا۔(34)

15 اگست 1938ء کو ریاست میں ''یوم ذمہ دار نظام حکومت'' جوش و خروش سے منایا گیا۔ ریاست کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا جب صدیوں کے بعد ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل کر عوامی سطح پر اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر قومی مفادات کی خاطر ذمہ دار نظام حکومت کے قیام کیلئے سری نگر میں ایک تاریخی جلوس نکالا۔(35)

29 اگست 1938ء کو شیخ عبداللہ کو گرفتار کر کے چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ علاوہ ازیں چوہدری غلام عباس، بخشی غلام محمد، سردار بدھ سنگھ، پنڈت جیا لال، پنڈت پریم ناتھ بزاز اور دوسرے کئی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک ہزار افراد گرفتار ہوئے جن میں تقریباً 5 درجن غیر مسلم شامل تھے۔(36)

مسلم کانفرنس کے چھٹے سالانہ اجلاس منعقدہ 25، 26، 27 مارچ 1938ء میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:

> ''بعض مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آٹھ لاکھ غیر مسلم نہایت آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ خیال خام ہے، درحقیقت چند ہزار ہی ایسے ہوں گے جو مصائب سے بچے ہوئے ہوں۔ ہماری یہ مظلوم جماعت ان مظلوموں کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کرے اور اپنے اندر ایک ایسی

[نقشہ نمبر 17]

20 صدی کا جنوبی ایشیاء

1936ء

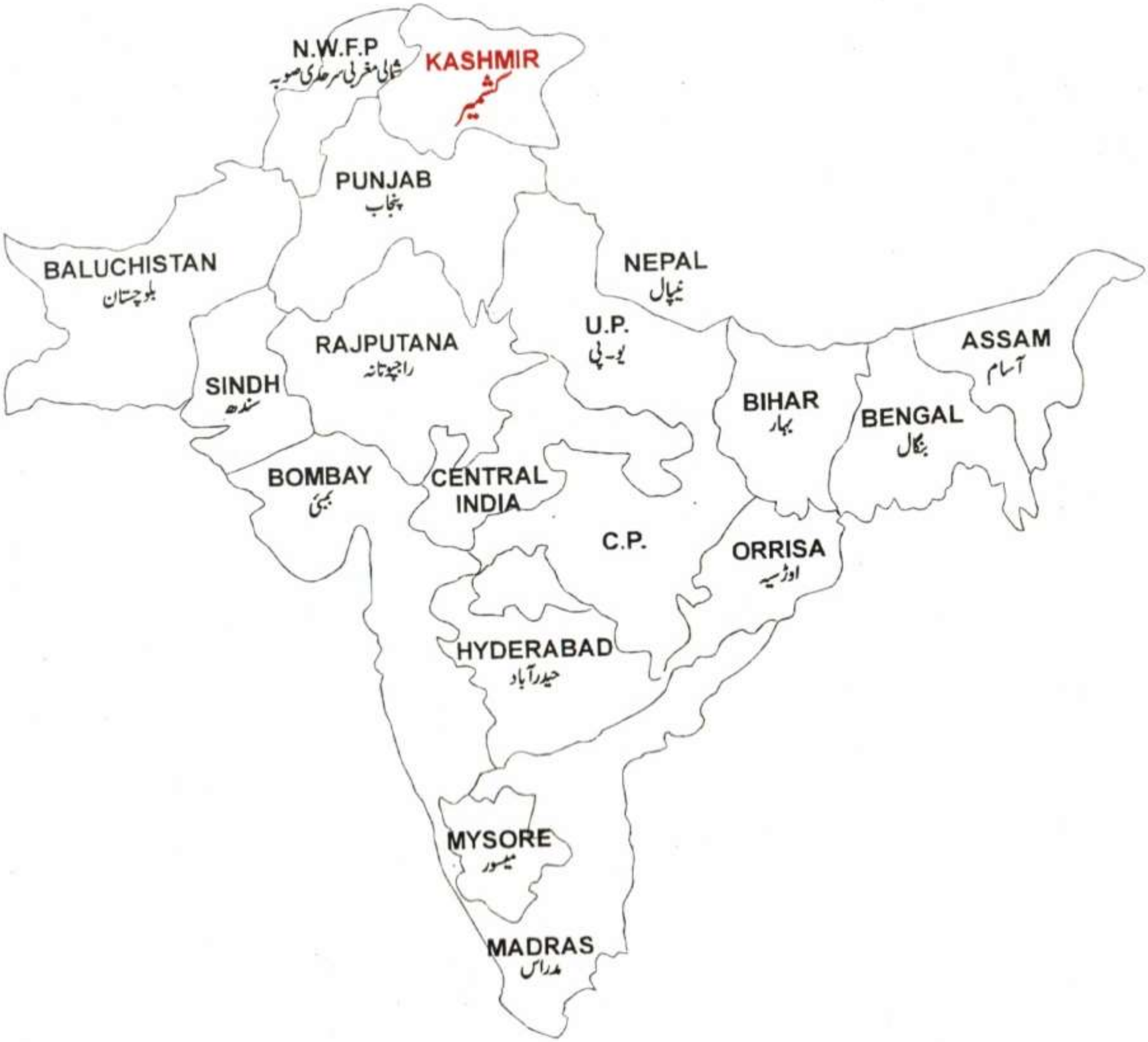

انڈین ریفارمز ایکٹ کے تحت 1935ء میں بہت سی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ سندھ کو ایک مکمل صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ اس سے قبل یہ صوبہ بمبئی کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا۔ اڑیسہ کو بھی صوبائی درجہ دیا گیا۔ برما انڈین، ایمپائر سے علیحدہ ہو گیا اور ایک آزاد ملک بن گیا۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ پہلے مرکزی حکومت کے زیرِ انتظام تھا، اب اسے مکمل صوبائی درجہ دے کر الگ کر دیا گیا اور اسے صوبائی خودمختاری حاصل ہو گئی۔ بلوچستان کا وسیع وعریض علاقہ بدستور دہلی کی مرکزی حکومت کے زیرِ کنٹرول رہا۔

ایک معاہدہ کے تحت برار کو نظام حیدرآباد کی ملکیت تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن انتظامی طور پر اسے بدستور برطانوی ہند کا حصہ قرار دیا گیا اور اسے سنٹرل پراونس (مدھیہ پردیش) کے زیرِ انتظام رہنے دیا گیا۔

ریاست جموں کشمیر میں 1925ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی وفات پر ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ 1925ء میں ہی اردو کو فارسی کی جگہ کشمیر کی دفتری زبان قرار دیا گیا۔

1927ء میں ریاست میں پشتینی باشندہ (سٹیٹ سبجیکٹ) کا قانون نافذ ہو گیا جس سے غیر ریاستی باشندوں پر ملازمت اور زرعی جائیداد کی خریداری کے دروازے بند ہو گئے۔

1931 میں سیاسی تنظیموں کے قیام کا آغاز ہو گیا۔

1932ء جموں کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا اور کشمیری عوام کو اخبارات نکالنے کی اجازت مل گئی۔

ریاست میں ''ذمہ دار نظامِ حکومت'' کی عوامی تحریک چل پڑی جس کے نتیجے میں یہاں قانون ساز اسمبلی کے لیے انتخابات کرائے گئے۔ یہ برصغیر کی تمام دیسی ریاستوں میں سے پہلی ریاست تھی جہاں عوام کے حقِ رائے دہی کو تسلیم کر لیا گیا۔

لچک پیدا کرے کہ انکی شمولیت میں کوئی بات مانع ہو تو اسے دور کیا جائے۔"

مسلم کانفرنس کے ساتویں اجلاس منعقدہ 10، 11 جون 1939ء میں مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کر کے آل جموں کشمیر نیشنل کانفرنس رکھ دیا گیا۔ مسلم کانفرنس کے نام کی تبدیلی کے بارے میں چوہدری غلام عباس نے کہا:

"مسلم کانفرنس کا لباس بوسیدہ اور تار تار ہو چکا ہے۔ اب ہمیں ایک نئے قومی چولے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس کرم خوردہ اور بوسیدہ لبادے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں۔"

جموں کے ایک اور صفِ اوّل کے رہنما اللہ رکھا ساغر نے بھی پر جوش انداز میں مندوبین کو مشورہ دیا کہ:

"متحدہ قومیت وقت کی پکار ہے۔ جس نے اسے نہ سنا اسے مستقبل میں پشیمان ہونا پڑے گا۔" (37)

نیشنل کانفرنس کی قیادت میں اختلافات نے جنم لیا جو روز بروز بڑھتے گئے۔ بنیادی وجہ ان اختلافات کی یہ ہوئی کہ شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کو انڈین نیشنل کانگرس کا تابع مہمل بنانا شروع کر دیا۔ چوہدری غلام عباس نے شیخ عبداللہ کو اس عہد و پیمان کی یاد دلائی کہ نیشنل کانفرنس کو کانگرس کے اثر اور مسلم لیگ کے نظریات سے بالکل الگ رکھا جائے گا۔ شیخ عبداللہ سے کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر چوہدری غلام عباس نے نیشنل کانفرنس سے استعفیٰ دے دیا۔ اسکے ساتھ ہی جموں کے کچھ اور رہنما بھی مستعفی ہو گئے۔ (38)

مئی 1940ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے وادیٔ کشمیر کا 10 دن کا وسیع دورہ کیا۔ شیخ عبداللہ اور انکی نیشنل کانفرنس کو نہرو سے وابستہ ہو کر اس عرصہ میں ہندوستان کے اخبارات میں زبردست پبلسٹی نصیب ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے بقول پریم ناتھ بزاز کے:

"اپنے آپ کو کانگریس کی جھولی میں ڈالنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔" (39)

1941ء میں چوہدری غلام عباس اپنے جموں کے رفقائے کار کی حمایت سے مسلم کانفرنس کے دوبارہ احیاء میں کامیاب ہو گئے۔ وادی میں میر واعظ یوسف شاہ اور ان کے مریدوں کی عملی حمایت بھی انہیں حاصل ہو گئی۔ (40)

3 مئی 1943ء کو ریاست کے وزیر اعظم گوپالا سوامی آئینگر نے استعفیٰ دے دیا۔ ہری سنگھ

نے آئینگر کی جگہ راجہ مہاراج سنگھ کو وزیراعظم نامزد کردیا۔(41)

مہاراج سنگھ ایک آزاد خیال سیاستدان تھا۔وہ اکثر اوقات میں سری نگر کے قرب وجوار میں گھومتا رہتا اور عوام کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا۔مہاراجہ نے اس بات کا برامنایا اور پیغام بھیجا۔کہ وزیراعظم اور اسکی بیگم کو عوام سے زیادہ میل جول نہیں رکھنا چاہیئے۔چنانچہ مہاراج سنگھ نے اپنی تقرری کے صرف تین ماہ اور سات روز بعد 26 جولائی کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔(42)

1944ء میں نیشنل کانفرنس نے ''نیا کشمیر'' کے نام سے اپنا مستقبل کا پروگرام یا منشور شائع کیا۔اسے کتابچے کی شکل میں شائع کیا گیا جسکے سرخ رنگ کے پرچم پر سفید ہل بنایا گیا تھا۔(43)

اس کے ساتھ ہی تین اعلامیے بھی جاری کئے گئے۔جن میں ایک کسانوں، دوسرا محنت کشوں کیلئے اور تیسرا عورتوں کیلئے تھا۔اس طرح ان تینوں طبقات کے سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا گیا۔(44)

1944ء میں حکومت کی طرف سے انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔چھ وزراء کے پینل میں ہری سنگھ نے نیشنل کانفرنس کے لیڈر افضل بیگ کو وزیر مال اور ایک ڈوگرہ رہنما گنگا رام کو ہوم منسٹر (وزیر داخلہ) لے لیا۔(45)

جون 1945ء میں وزیراعظم بی این راؤ نے استعفیٰ دیا اور مہاراجہ نے اسکی جگہ ایک کشمیری پنڈت رام چند کاک کو وزیراعظم نامزد کردیا۔پنڈت کاک کے شیخ عبداللہ کے ساتھ اچھے تعلقات نہ تھے چنانچہ جلد ہی حکومت میں ان کا نیشنل کانفرنس کے نمائندوں سے ٹکراؤ پیدا ہوگیا۔جسکے نتیجہ میں 16 مارچ 1946ء کو مرزا افضل بیگ نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔(46)

1946ء میں نیشنل کانفرنس نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف ''کشمیر چھوڑ دو'' کی تحریک شروع کی ان کا مؤقف تھا کہ معاہدہ امرتسر ایک غیر اخلاقی اور غیر قانونی معاہدہ تھا۔ڈوگرہ حکمرانوں کا کشمیر پر کوئی حق نہیں تھا۔اب اس معاہدے کو ایک سو سال ہوگیا ہے۔

مئی 1946ء میں شیخ عبداللہ کی قیادت میں نیشنل کانفرنس نے بیعنامہ امرتسر کو چیلنج کیا۔شیخ عبداللہ نے ایک زوردار تقریر میں ''کشمیر چھوڑ دو''، ''بیع نامہ امرتسر توڑ دو'' کا نعرہ لگایا۔اگلے روز شیخ عبداللہ ایک پرائیویٹ کار میں راولپنڈی جارہے تھے کہ انہیں 84 میل پر گرفتار کرکے سری نگر واپس لایا گیا۔یہاں انہیں بادامی باغ چھاؤنی میں رکھا گیا۔ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ

چلایا گیا اور 10 ستمبر 1946ء کو انہیں تین برس قید اور 500 روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ انہیں بادامی باغ چھاؤنی سے بھدرواہ جیل منتقل کیا گیا۔ (47)

جولائی 1946ء میں آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ کنونشن سری نگر میں طلب کر لیا گیا۔ حکومت نے اسے منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے حکومت کے روّیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے طے شدہ پروگرام کے مطابق اجلاس منعقد کیا۔ حکومت نے چوہدری غلام عباس اور ان کے چند ساتھیوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ تاہم اس اجلاس میں مسلم کانفرنس نے ایک ایسی تاریخی قرارداد اتفاق رائے سے پاس کی جو آئندہ کیلئے جدوجہد کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی تھی۔

اس قرارداد کو قرارداد ''آزاد کشمیر'' کا نام دیا گیا۔ قرارداد میں مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کیا گیا کہ موجودہ زائید المیعاد اسمبلی کو برخاست کر کے اس کی جگہ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو بالغ رائے دہی کے اصولوں پر منتخب کی گئی ہو اور جس میں معاشرے کے ہر فرقے اور ہر قومیت کے لوگوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے نمائندے چننے کا اختیار دیا گیا ہو۔ مجوزہ اسمبلی کو ریاست جموں کشمیر کا آئین مرتب کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ (48)

جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان نے 28 مئی 1947ء کو جموں میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ

> ''ہم سب کیلئے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے الگ تھلگ رہیں۔ ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان دونوں میں سے کسی کو اپنے اوپر اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔'' (49)

اس سے قبل چوہدری حمید اللہ خان صدر مسلم کانفرنس 10 مئی 1947ء کو ایک اخباری بیان میں مہاراجہ ہری سنگھ سے یہ اپیل کر چکے تھے کہ وہ بلا تاخیر ریاست کی مکمل آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دے اور ایک دستور ساز اسمبلی بلائے تاکہ ریاستی عوام اپنی خواہش کے مطابق دستور مرتب کر سکیں۔ (50)

26 ستمبر 1947ء کو شیخ محمد عبداللہ نے جیل سے مہاراجہ ہری سنگھ کے نام ایک معذرت نامہ

بھیجا اور آئندہ کیلئے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ (محمد سلطان پانپوری "کشمیر ان چینز" صفحہ 187)

آزاد حکومت کا قیام:

ریاست کے جنوب مغربی اضلاع میر پور، پونچھ، مظفر آباد میں ڈوگرہ راج کے خلاف جو مسلح عوامی جدوجہد شروع ہوگئی تھی اس کے نتیجہ میں 3 اکتوبر 1947ء کو پیرس ہوٹل راولپنڈی میں مسلم کانفرنس کے کارکنوں کا اجلاس ہوا جس میں ریاست کی عبوری آزاد حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس موقعہ پر ایک بیان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا:

> ''برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ کشمیر کا مدعی حکمران ان تمام حقوق سے محروم ہوگیا ہے جنکا اسے معاہدہ امرتسر کے مطابق دعویٰ تھا۔ اب ریاست کے لوگوں نے ایک عارضی ری پبلکن حکومت قائم کرلی ہے، جسکا صدر مقام مظفر آباد ہے۔ 4 اکتوبر 1947ء کی رات کے ایک بجے کے بعد راجہ ہری سنگھ یا اسکی ہدایات کے تحت کوئی اور شخص اس ریاست پر حکمرانی کا دعویٰ کرے تو اس کو عارضی حکومت کے قوانین کے تحت سزا دی جائے گی۔'' (51)

20 دن بعد 24 اکتوبر 1947ء کو اس انقلابی حکومت کی تشکیل نو کی گئی۔ سردار محمد ابراہیم کی سربراہی میں نئی کابینہ نے چارج سنبھال لیا۔ اس موقعہ پر جاری کیے گئے حسب ذیل اعلامیہ میں عوام اور عبوری حکومت کے خیالات اور ارادوں کی واضح عکاسی ہوتی ہے:

> ''عبوری آزاد کشمیر حکومت، جسے جموں کشمیر کے عوام نے چند ہفتے قبل قائم کیا ہے اور جسکا مقصد ناقابلِ برداشت ڈوگرہ تشدد اور ظلم کا خاتمہ کرکے کشمیری عوام، جن میں مسلمان، ہندو اور سکھ سبھی شامل ہیں، کیلئے حکومت خود اختیاری کا حق حاصل کرنا ہے۔ یہ حکومت استحکام حاصل کرنے کے بعد ریاست کے بقیہ علاقوں کو آزاد کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نئی حکومت جموں کشمیر کے عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ نئی حکومت جس نے ریاست کا نظم ونسق سنبھالا ہے۔ فرقہ پرست حکومت نہیں ہے۔ اسکی کابینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ یہ حکومت عوام کی خدمت کرے گی۔ ریاست میں امن وامان قائم کرے گی

اور عوام کو یہ موقعہ فراہم کرے گی کہ وہ اپنی آزادانہ رائے سے ایک عوام دوست مقننہ اور ایک عوام دوست حکومت قائم کریں۔" (52)

اکتوبر 1947ء کو ہری سنگھ نے مہر چند مہاجن کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ 27 اکتوبر 1947ء کو ڈرامائی انداز میں مہاراجہ نے شیخ محمد عبداللہ کو جموں کشمیر کی ایڈمنسٹریشن کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ (53)

کچھ عرصہ بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو باقاعدہ اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ شیخ صاحب نے جو پہلی کابینہ بنائی اس میں بخشی غلام محمد (نائب وزیر اعظم) مرزا افضل بیگ (وزیر مال) اور پنڈت شیام لال صراف (وزیر محنت) بنائے گئے۔ کابینہ میں جموں سے گردھاری لال ڈوگرہ اور کرنل پیر محمد کو بھی شامل کیا گیا۔ (54)

22 اکتوبر 1947ء کو پاکستانی افواج کے کمانڈر ان چیف جنرل گریسی نے گورنر جنرل پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو اطلاع دی کہ 5000 قبائلی لشکر نے مظفر آباد کے راستے کشمیر پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی اطلاع جنرل گریسی نے سپریم کمانڈر افواج پاک و ہند سر کلاڈ آکن لیک کو بھی دی۔

قبائلی حملہ کے نتیجے میں مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ 26 اکتوبر کو سرینگر سے جموں منتقل ہو گئے۔ ساتھ ہی مہاراجہ نے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو درخواست دی کہ میری ریاست پر باہر سے حملہ ہوا ہے، مجھے فوری طور پر فوجی امداد بہم پہنچائی جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ کی الحاق کی درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ الحاق کا معاملہ تب تک عبوری اور عارضی نوعیت کا ہوگا جب تک ریاستی عوام سے استصواب رائے کے ذریعے اسکی توثیق نہ کرائی جائے۔ (55)

یکم نومبر 1947ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دونوں گورنر جنرل یہ اعلان کریں کہ کشمیر میں فریقین 48 گھنٹے کے اندر اندر جنگ بندی کریں اور قبائلیوں کو یہ انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو دونوں ملکوں کی افواج انکے خلاف مشترکہ کارروائی کریں گی۔ (56)

کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کے اعلان کے بعد وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان لاہور آئے اور یہاں ایک اعلیٰ کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس میں سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواب ممدوٹ سردار شوکت خان میجر جنرل سکندر مرزا (جوائنٹ سیکرٹری دفاع) بریگیڈیر شیر خان اور بریگیڈیر اکبر خان شریک ہوئے۔ کانفرنس میں فوجی افسران نے فوری طور پر جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کی تجویز پیش کی لیکن وزیر اعظم نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔

انہیں خدشہ تھا کہ بھارت پاکستان پر حملہ کر دے گا۔اس کانفرنس میں قبائلی حملہ آوروں کی امداد، انہیں گولہ بارود فراہم کرنے اور لڑنے کیلئے مزید لوگوں کو کشمیر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔اس مہم کا سربراہ بریگیڈیر اکبر خان کو مقرر کیا گیا جس نے جنرل فاروق کے نام سے کمان سنبھالی۔(57)

یکم فروری 1948ء کو بھارت اس شکایت کے ساتھ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں لے گیا کہ پاکستان کشمیر میں جارحیت کا مرتکب ہوا ہے۔اقوام متحدہ نے تین اراکین پر مشتمل کمیشن برائے ہندو پاکستان (UNCIP) ترتیب دیا۔21 اپریل 1948ء کو اس کمیشن کے ممبران کی تعداد پانچ کر دی گئی۔13 اگست 1948ء کو وہ تاریخی قرارداد منظور ہوئی جس کے حصہ سوئم میں بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ:

''ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ عوام کی رائے اور خواہش کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقے سے کرائے گئے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب سے کرایا جائے گا۔''

اس قرارداد کو بھارت اور پاکستان دونوں ممالک نے منظور کر لیا۔ بعد ازاں 14 مارچ 1950ء کو قرارداد نمبر S/1469، 30 مارچ 1950ء کو قرارداد نمبر S/2013، 24 جنوری 1957ء کو قرارداد نمبر S/3779 اور 2 دسمبر 1957ء کو قرارداد نمبر S/3922 کے ذریعے اس فیصلہ کا اعادہ کیا جاتا رہا۔ یہ قرارداد ڈیڑھ کروڑ کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کی ضمانت ہے کیونکہ اس کے ذریعے تمام اقوام عالم نے کشمیر کو آزادی دلانے کا عہد کیا ہوا ہے۔

بعض مفاد پرست عناصر ان قراردادوں کو زائد المیعاد قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ضابطوں کے مطابق کوئی بھی قرارداد اس وقت تک نافذ العمل رہتی ہے جب تک اس پر عمل درآمد نہ کیا جائے یا اقوام متحدہ خود اسے واپس نہ لے۔

یوں تو دونوں ممالک (بھارت اور پاکستان) نے ان قراردادوں کو منظور کر رکھا ہے لیکن اب بھارت ان سے انکاری ہے۔اس کا مؤقف ہے کہ کشمیر میں جو انتخابات ہوتے رہے ہیں وہی رائے شماری ہے اب کسی مزید رائے شماری کی ضرورت نہیں۔ پاکستان ان قراردادوں کو مانتا ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ اہلِ کشمیر کو ان کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔لیکن عملی طور پر پاکستان کے حکمرانوں نے بھی گزشتہ 56 سال سے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے عوام کو حق خود اختیاری سے محروم کر رکھا ہے۔

عبداللہ عباس فارمولہ:

1948ء میں مسلم کانفرنس کے رہنما چوہدری غلام عباس کو سرینگر سے جموں جیل میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ جنوری، فروری 1948ء میں جبکہ ریاست کا صدر مقام موسم سرما کیلئے جموں منتقل ہو چکا تھا، وزیراعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جموں جیل میں چوہدری غلام عباس کے ساتھ تین بار ملاقات کی۔ تیسری ملاقات میں دونوں لیڈر ایک فارمولے پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے 26 فروری 1948ء کو اپنے نائب بخشی غلام محمد کو، جو کہ داخلہ معاملات کے وزیر تھے، اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ وہ چوہدری غلام عباس کو جیل سے رہا کر کے سوچیت گڑھ کے راستے پاکستان بھیجنے کا انتظام کریں۔ 28 فروری 1948ء کو چوہدری غلام عباس جموں جیل سے رہا کر دیئے گئے اور 3 مارچ کو پاکستان کے اخبارات میں انکی رہائی اور سوچیت گڑھ کے راستے پاکستان پہنچنے کی خبر شائع ہوگئی۔ (58)

چوہدری صاحب کچھ دن سیالکوٹ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ گزار کے لاہور پہنچے اور دو دن وہاں قیام کر کے کراچی روانہ ہو گئے۔ اخبار نویس ان سے ان کے مشن کے بارے میں پوچھتے رہے، لیکن وہ ٹالتے رہے۔ اس طرح وقت گزرتا رہا اور ان کی جموں جیل سے رہائی اور پاکستان آنے کا راز راز ہی رہا۔

کئی سال بعد کشمیر کے نامور صحافی روزنامہ آفتاب کے مدیر خواجہ ثناء اللہ بٹ نے ایبٹ آباد جا کر چوہدری صاحب کو اس راز سے پردہ اٹھانے پر آمادہ کیا۔ چوہدری صاحب نے ان سے یہ وعدہ لینے کے بعد کہ وہ اس گفتگو کے بارے میں اخبار میں کچھ نہیں دیں گے، حسب ذیل انکشافات کیے:

> ''میرے اور شیخ صاحب کے درمیان بہت سے معاملات پر بات چیت ہوئی تھی۔ ہم دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ کشمیر میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اسے کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے۔ (یاد رہے کہ ان دنوں ریاست کے اندر بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ جاری تھی۔)
>
> چنانچہ ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ

☆ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بند کر دیں اور جموں کشمیر میں 15 اگست 1947ء والی پوزیشن بحال کی جائے۔ ریاست میں عبوری دور کیلئے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک ملی جلی حکومت انتظام سنبھال لے اور دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور

راستوں کی آمد ورفت بحال کردی جائے۔

☆ تین برس کے بعد اس مقصد کے لیے رائے شماری کرائی جائے کہ ریاست کے لوگ اسی پوزیشن کو دائمی پوزیشن دینا چاہتے ہیں یا ہندوستان، پاکستان دونوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔

☆ ان تمام مسائل اور امور کو طے کرنے کے لیے ہندوستان اور پاکستان کے بااختیار لیڈروں اور ہم دونوں یعنی (شیخ عبداللہ اور میں) اور ہمارے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔'' چوہدری غلام عباس نے بتایا کہ

> ''میں نے جب یہ سارا معاملہ پاکستان کی اعلیٰ سطح کی قیادت کے سامنے رکھا تو انہوں نے اس بارے میں شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فارمولہ مسترد کر دیا اور کہا چونکہ کشمیر کا معاملہ ہندوستان اقوامِ متحدہ میں لے گیا ہے۔ اسلئے ہمیں عالمی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ میں نے قومی مفاد کے پیشِ نظر اس مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ (59)

اس طرح کشمیریوں کی اپنی قیادت کا ایک بے ضرر قابل عمل فارمولا پاکستان کے ارباب اقتدار کے عدم تعاون کی وجہ سے بار آور نہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں کشمیری قوم کی قسمت غیر یقینی صورت احوال کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔

چوہدری غلام عباس نے ایڈیٹر ''آفتاب'' کے سامنے یہ انکشاف بھی کیا کہ

> ''جب اپریل 1953ء کے دوسرے ہفتے میں امریکہ کے نائب صدر ایڈلائی سٹیونسن راولپنڈی آئے تو خود انہوں نے پاکستانی حکام کے ذریعہ مجھے پیغام بھیجا کہ ان سے ملوں۔ چنانچہ میں ایبٹ آباد سے راولپنڈی گیا جہاں سرکٹ ہاؤس پر مسٹر سٹیونسن سے ملاقات کے دوران اس فارمولے پر بھی بات چیت ہوئی۔ مسٹر سٹیونسن نے مجھے بتایا کہ شیخ عبداللہ نے انہیں اس فارمولے اور میری رہائی وغیرہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

یاد رہے کہ ایڈلائی سٹیونسن امریکہ کے نائب صدر تھے اور اگلے صدارتی انتخابات میں صدر کے عہدے کیلئے امیدوار تھے۔ وہ برصغیر کے دورے پر آئے تو نئی دہلی سے سری نگر بھی گئے جہاں انہوں نے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ سے ملاقات کی۔ انکی آمد سے پہلے نئی دہلی میں متعین

امریکی سفیر نے بھی سرینگر جا کر حالات کا جائزہ لیا اور شیخ عبداللہ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ (60)

9 جون 1949ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے ولی عہد یوراج کرن سنگھ کے حق میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ اسکی وجہ بظاہر صحت کی خرابی بتائی گئی۔ لیکن حقیقت میں یہ قدم شیخ محمد عبداللہ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے دباؤ کے تحت اٹھایا گیا۔ ڈاکٹر کرن سنگھ نے ریجنٹ کی حیثیت سے عنان حکومت سنبھالی۔ (61)

24 جولائی 1952ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے بھارتی پارلیمنٹ میں کشمیر میں ڈوگرہ خاندان کی حکمرانی کے خاتمے کا اعلان کیا۔ 21 اگست 1952ء کو ریاستی آئین ساز اسمبلی نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ ریاست میں حکومت کے سربراہ کا عہدہ صدر ریاست کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ریاست کیلئے الگ آئین اور الگ پرچم کی بھی منظوری دی گئی۔ (63)

جموں میں پرجا پریشد نے ان اقدامات کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی ان کا نعرہ تھا:

ایک دیش میں دو ودھان (آئین)
ایک دیش میں دو نشان (پرچم)
ایک دیش میں دو پردھان (صدر)
نہیں چلیں گے نہیں چلیں گے

مارچ 1953ء میں شیخ عبداللہ نے جاگیرداری کا خاتمہ کر کے ایک زرعی انقلاب کے پروگرام پر کام شروع کر دیا۔ کسی بھی شخص کے پاس زرعی زمین کی حد 23 ایکٹر (184 کنال) مقرر کی گئی اور ساری ریاست میں اس پر عملدرآمد کیا گیا۔ اس طرح سارے برصغیر پاک و ہند میں شیخ عبداللہ واحد اور پہلا لیڈر تھا جس نے زرعی انقلاب پر عمل کر کے جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا۔ (64)

7 اگست 1953ء کو شیخ عبداللہ کو گلمرگ سے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ انکے ساتھ انکے بہت سے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور 9 اگست 1953ء کو بخشی غلام محمد نے حکومت سنبھالی۔ ساری ریاست میں اس پر شدید ردعمل ہوا اور مسلح پولیس کے دستوں کی گولیوں سے 2000 سے 3000 کے درمیان لوگ ہلاک ہو گئے۔ (65)

مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں و کشمیر کی حکمرانی سے دست برداری کے بعد اپنی بقیہ عمر بمبئی میں گزاری۔ 26 اپریل 1961ء کو ان کا بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

حوالہ جات:

1.	مرزا شفیق حسین	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	صفحہ 4
2.	احمد شجاع پاشا	مسئلہ کشمیر	صفحہ 4
3.	روزنامہ انقلاب لاہور	30 اگست 1930ء	----
4.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 157
5.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 158
6.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 160
7.	احمد شجاع پاشا	مسئلہ کشمیر	صفحہ 22
8.	حبیب کیفوی	کشمیر میں اُردو	صفحہ 45
9.	چراغ حسن حسرت	کشمیر	صفحہ 134، 135
10.	رشید تاثیر	تحریک حریت جلد اوّل	صفحہ 60
11.	بلقیس تاثیر	کشمیر آف شیخ عبداللہ	صفحہ 13
12.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	صفحہ 32
13.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 11
14.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 165
15.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 162
16.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 163
17.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	صفحہ 68
18.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 17
19.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	صفحہ 56
20.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 17
21.	چوہدری غلام عباس	کشمکش	صفحہ 164
22.	رشید تاثیر	تحریک حریت جلد اوّل	صفحہ 112
23.	چوہدری غلام عباس	کشمکش	صفحہ 107
24.	مرزا شفیق حسین	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	صفحہ 15
25.	بلقیس تاثیر	کشمیر آف شیخ عبداللہ	صفحہ 18
26.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 18

27.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	صفحہ 156
28.	شیخ محمد عبداللہ	آتش چنار	صفحہ 157
29.	روزنامہ انقلاب لاہور	17 اکتوبر 1930ء	----
30.	رشید تاثیر	تحریک حریت جلد اوّل	صفحہ 176
31.	مرزا شفیق حسین	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	صفحہ 28
32.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 19
33.	رشید تاثیر	تحریک حریت جلد اوّل	صفحہ 360
34.	محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 527
35.	رشید تاثیر	تحریک حریت جلد اوّل	صفحہ 367
36.	محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 527
37.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 188
38.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 196
39.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 198
40.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 206
41.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 212
42.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 214
43.	جوزف کاربل	ڈینجر ان کشمیر	صفحہ 203
44.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 231
45.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 233
46.	خواجہ شکیل احمد	مسئلہ کشمیر ایک تاریخ جائزہ	صفحہ 21
47.	ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 24
48.	محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 694-95
49.	محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 707-08
50.	زاہد چوہدری	پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 3	صفحہ 141
51.	بشیر احمد قریشی	قائد کشمیر	صفحہ 92
52.	پنڈت پریم ناتھ بزاز	تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر	صفحہ 622-23
53.	ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 33
54.	ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 39-40

55. ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 34
56. انسائیکلوپیڈیا قائداعظم		صفحہ 595
57. ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 40
58. ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 46
59. ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 48
60. ثناءاللہ بٹ	کشمیر 1947ء سے 1977ء تک	صفحہ 48
61. ایسٹیئر لیمب	Kashmir A Disputed Legacy	صفحہ 186
62. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 94
63. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 95
64. ایسٹیئر لیمب	Kashmir A Disputed Legacy	صفحہ 186
65. جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 99

مہاراجہ ہری سنگھ پر بھارت کا بڑھتا ہوا دباؤ

کشمیر کے بارے میں نہرو کے عزائم:

پنڈت جواہر لعل نہرو کشمیری الاصل برہمن تھے۔ ان کا خاندان 19ویں صدی میں کشمیر سے ترک وطن کر کے الٰہ آباد میں آباد ہو گیا تھا۔ ہندوستان کی سیاست میں موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو دونوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے نہایت فخر کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ دو کشمیری برہمن زادوں نے ہندوستان کو آزادی کا شعور دیا۔ فرماتے ہیں:

هِند را ایں ذوقِ آزادی که داد؟
صید را سودائے صیادِی که داد؟
آن براهمن زادگانِ زنده دِل
لالۂ احمر زروئے شاں خجل
اصلِ شاں از خاکِ دامن گیرِ ماست
مطلعِ اِیں اختراں کشمیرِ ماست

جواہر لعل نہرو کو جذباتی طور پر کشمیر سے شدید لگاؤ تھا اور اپنی اسی جذباتی کیفیت کے تحت انہوں نے یہ تہیہ کیا ہوا تھا کہ ''نہرو کا کشمیر نہرو کے ہندوستان سے باہر نہیں رہے گا۔''

اپنی اس جذباتیت کو انہوں نے کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی اور تمام زمینی حقائق اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر وہ اپنے عزائم کا برملا اظہار کرتے رہے۔ 18 اپریل 1947ء کو نہرو نے کُل ہند ریاستوں کی انجمن کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا:

''جو ریاست دستور یہ ہند میں شرکت سے انکار کرے گی اسے ملک سے باغی قرار دیا جائے گا۔ اس صورت میں اس کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اس کی ذمہ داری اسی پر۔۔۔۔صرف اسی پر عائد ہوگی۔''

اس سے قبل 26 مارچ 1947ء کو وائسرے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پریس اتاشی کیمبل

جانسن نے اپنی یادداشتوں میں درج کیا:

''والیان ریاست اس کٹھن دوراہے پر کھڑے ہیں کہ ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ کریں یا پھر پروانۂ اجل کو دعوت دیں۔''

17 جون 1947ء کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے نام کشمیر کے بارے میں جو طویل نوٹ بھیجا اس کے پیراگراف 28 نمبر میں درج تھا:

''کشمیر کیلئے مناسب اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ وہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی سے الحاق کرے۔ اس سرحدی ریاست کی بے پناہ سٹریٹیجک اہمیت ہے۔''

تقسیم ہند کے بعد 5 نومبر 1947ء بھارت کی آئین ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے نہرو نے اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا:

''کشمیر اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے جبکہ اسکی سرحدیں تین ممالک چین، روس اور افغانستان سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کی سیکیورٹی اور بین الاقوامی روابط کے حوالہ سے ہمارے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے بھی کشمیر ہند سے نہایت مضبوطی سے پیوستہ ہے۔ وسط ایشیا سے ہندوستان آنیوالے تجارتی قافلے کشمیر سے ہو کر آتے ہیں۔''

اگست 1952ء کو پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے پھر یاد دلایا کہ

''مغربی ممالک میں عوام کشمیر کو محض ایک جغرافیائی اکائی اور ایک تفریح کی جگہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہمارے لئے اسکی اہمیت کچھ اور ہے۔ کشمیر ہمارے دلوں کی گہرائیوں سے پیوستہ ہے۔ ہماری تاریخ اور ہمارے حالات سے کشمیر ہمارے احساسات، ہمارے جذبات، ہمارے خیالات اور ہماری امنگوں میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ یہ ہمارے وجود کا ایک حصہ بن گیا ہے۔''

اس موقعہ پر مہاراجہ ہری سنگھ نے کمال غیرت مندی کا ثبوت دیا۔ وہ چٹان کی طرح اپنے موقف پر ڈٹا رہا اور بھارت کے ساتھ الحاق پر آمادہ نہ ہوا۔ کاش اس وقت کشمیر کی سیاسی قیادت دوراندیشی کا ثبوت دیتی اور ریاست کی وحدت و سالمیت کیلئے اور اسکے قومی وقار کی بحالی کیلئے مہاراجہ سے مل کر کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کر لیتے۔ آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد ابراہیم خان نے

1987ء میں ایک اخباری انٹرویو میں اس بات کا اعتراف کیا کہ

''ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد خود مختار رکھنے کی سیاسی لڑائی لڑ رہا تھا، کشمیری رہنما ریاست کی تقسیم کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔ مہاراجہ ایک تدریجی عمل کے ذریعہ پارلیمانی جمہوریت کے مراحل طے کر رہا تھا۔ اس نے کانگریس اور مسلم لیگ کی اعلیٰ ترین قیادت کے سامنے معاہدہ جاریہ کی تجویز رکھی تھی اور اس کے اصول طے کر رہا تھا۔ کیا اس سے اس رائے کو تقویت نہیں ملتی کہ مہاراجہ ریاست کے اتحاد و وحدت کیلئے جو کوشش کر رہا تھا اسے ریاست کی سیاسی قوتوں نے سبوتاژ کیا؟'' (روزنامہ ''پکار، اسلام آباد'' 6 فروری 1987ء)

یہ بات تاریخی طور پر مسلّم مانی جاتی ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیراعظم کشمیر دونوں ریاست جموں کشمیر کو بھارت اور پاکستان دونوں سے الگ ایک آزاد و خود مختار حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے ''آتش چنار'' میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

''الحاق کے بارے میں مہاراجہ کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی ریاست دونوں نوزائیدہ مملکتوں سے الگ رکھ کر آزاد رکھے۔ چنانچہ اس نے مسودہ الحاق پر دستخط کرنے سے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا۔ جس میں اس نے اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ کشمیر کے جغرافیائی محل وقوع اور اسکی آبادی کی ہیئت ترکیبی کے پیش نظر اسکی اپنی خواہش آزاد رہنے کی تھی۔''

اگلے صفحات میں ہم مہاراجہ ہری سنگھ پر بھارتی حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کے دباؤ اور اسکے مقابلہ میں پاکستان کے ارباب اقتدار کی حیرتناک بے حسی پر اجمالی نظر ڈالیں گے۔

بھارتی حکمرانوں اور کانگریس کے رہنماؤں نے تقسیم ہند کا اعلان ہونے سے قبل ہی مہاراجہ کشمیر کو رام کرنے اور انہیں بھارت کے ساتھ الحاق کرنے پر آمادہ کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان کوششوں میں وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی شامل رہے اور یہ کوششیں تقسیم ہند کے بعد تک جاری رہیں لیکن انہیں ہر قدم پر ناکامی ہوئی اور مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سرکاری ریکارڈ اور دیگر اہم ذرائع سے چند ضروری حقائق پیش کیے جا رہے ہیں:

تقسیم ہند سے 115 دن قبل (22 اپریل 1947ء۔ بوقت 4:50 تا 6:50 بجے شام)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کرشنا مینن ملاقات:

مینن نے تجویز کی کہ میں (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) نہرو کو لیکر دو تین دن کیلئے تفریح کی خاطر کشمیر چلا جاؤں۔ میں نے کہا یہ تو مشکل ہوگا کیونکہ میرا خیال ہے کہ نہرو مہاراجہ کشمیر کو اپنے قدموں میں جھکانا چاہتا ہے جبکہ امکان یہ ہے کہ وہاں پر مہاراجہ انہیں جیل میں ڈال دے گا۔ (1)

تقسیم ہند سے 72 دن قبل (4 جون 1947ء۔ 6 بجے شام)۔ (خفیہ):

لارڈ ماؤنٹ بیٹن گاندھی ملاقات:

مسٹر گاندھی نے بتایا کہ وہ بڑی شدت سے کشمیر جانے کیلئے بے چین ہو رہے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ پنڈت نہرو بھی اس خواہش کا اظہار کر چکے ہیں۔ میں نے تجویز کی کہ غالباً میرا اپنا وہاں جانا زیادہ بہتر ہوگا۔ (2)

تقسیم ہند سے 57 دن پہلے (17 جون 1947ء)

پنڈت نہرو بنام لارڈ ماؤنٹ بیٹن، معہ کشمیر پر ایک نوٹ:

پیراگراف نمبر 23: اس وقت فوری طور پر جن اقدامات کی ضرورت ہے ان میں مسٹر کاک کی وزیراعظم کے عہدہ سے برطرفی اور شیخ عبداللہ کی اپنے ساتھیوں سمیت جیل سے رہائی ہے۔

پیراگراف نمبر 27: ریاست ہر قسم کے وسائل سے مالا مال ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ ایک بے ضمیر کوتاہ اندیش اور مفاد پرست شخص (پنڈت کاک) کی ظالمانہ اور غلط پالیسیوں کے نتیجہ میں ریاست تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ آج کشمیری عوام کے تمام طبقات اور جماعتیں مسٹر کاک کی معزولی کے بارے میں متفق ہیں۔

پیراگراف نمبر 28: کشمیر کیلئے مناسب اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ وہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی سے الحاق کرے۔ اس سرحدی ریاست کی بے پناہ سٹریٹیجک اہمیت ہے۔ (3)

تقسیم ہند سے 56 روز قبل (20 جون 1947ء)

وائسرائے ہند کی سری نگر روانگی:

20 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن سری نگر روانہ ہو گئے تو انکے پاس نہرو کے ساتھ ملکر تیار کیا ہوا ایک پلان تھا۔ جسکے تحت کشمیر کو بھارت کے ساتھ الحاق پر رضامند کرنا تھا۔ نہرو نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کاک کے خیالات سے آگاہ کیا۔ نہرو کا خیال تھا کہ کاک ہی مہاراجہ پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سری نگر میں قیام کے دوران ہری سنگھ نے انہیں اصل معاملہ پر بات کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اسکا ذکر کرن سنگھ نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ مہاراجہ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مچھلی کے شکار پر بھیج دیا۔ مہاراجہ کے اے ڈی سی (ADC) دیوان سنگھ کا بیان ہے کہ مہاراجہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دباؤ میں آنے کیلئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے دوسرے دن بات کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن دوسرے دن ملاقات کے وقت سے 10 منٹ پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع بھیجی کہ مہاراجہ کی طبیعت خراب ہے وہ ملاقات نہیں کر سکتے۔

وائسرائے کے بعد چیف آف سٹاف لارڈ اسمے (Lord Ismay) نے بھی سرینگر کا دورہ کیا لیکن مہاراجہ نے اب بھی پروں پر پانی نہ پڑنے دیا۔ لارڈ اسمے کے اپنے الفاظ میں

> ''جب میں کوئی سنجیدہ بات چھیڑتا، مہاراجہ کبھی پولو کا ذکر چھیڑتے کبھی کسی اور طرف متوجہ ہو جاتے۔'' (4)

تقسیم ہند سے 54 دن پہلے (22 جون 1947ء)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت کاک کی ملاقات:

پیراگراف نمبر 7: لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دلائل سے کاک کو الحاق ہند پر قائل کرنا چاہا۔ پنڈت کاک نے جواب میں ہز ایکسی لینسی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ''ہز ہائی نس مہاراجہ کا فیصلہ ہے کہ وہ فی الحال کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ابھی انہیں دیکھنا ہے کہ پاکستان کے انتظامی ڈھانچے کے خدوخال کیا ہوں گے۔ صورتحال کے واضح ہونے تک موجودہ گومگو کی کیفیت ناگزیر ہے۔'' ہز ہائی نس کو مختلف عوامل کا گہرا ادراک ہے۔ تاہم وہ موجودہ صورتحال میں پنڈت نہرو اور اُنکی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ (5)

تقسیم ہند سے 53 روز قبل (23 جون 1947ء)

وائسرائے ہاؤس نئی دہلی۔ کیمبل جانسن کی رپورٹ:

نہرو اور گاندھی مہاراجہ کشمیر کو یکطرفہ اعلان خود مختاری سے روکنے کیلئے خاصے مضطرب ہو رہے ہیں۔ نہرو جو خود بھی کشمیری النسل برہمن ہیں، بار بار دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔ کہ وہ اپنے دوست اور سٹیٹس کانگریس (States Congress) کے موجودہ صدر شیخ عبداللہ کی رہائی ممکن بنانے کیلئے بذات خود کشمیر کا دورہ کریں گے۔ گاندھی کا نکتہ نظر یہ ہے کہ انہیں خود جا کر نہرو کے دورے کیلئے راستہ ہموار کرنا چاہیے۔ مہاراجہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ دونوں میں سے کسی کے بھی دورے کا خیر مقدم نہیں کریں گے۔ ماونٹ بیٹن نے یہ کہہ کر گاندھی اور نہرو کا ارادہ التوا میں ڈال دیا کہ انہیں (ماؤنٹ بیٹن کو) کافی عرصہ پہلے دورۂ کشمیر کی دعوت مل چکی ہے۔ چنانچہ وہ خود کشمیر جا کر مہاراجہ سے ملاقات کریں گے۔ (6)

ماؤنٹ بیٹن کا ارادہ تھا کہ وہ مہاراجہ کو کسی مملکت میں شمولیت کا مشورہ تنہائی میں اور نجی طور پر دیں گے۔ بعد ازاں ایک مختصر سی کانفرنس میں مہاراجہ کے وزیر اعظم وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری جارج ایبل اور ریذیڈنٹ کشمیر کرنل ویب (WEBB) کی شمولیت متوقع تھی۔ مہاراجہ نے تجویز کی کہ یہ کانفرنس وائسرائے کے دورے کے آخری دن منعقد کی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز اسلئے منظور کر لی کہ اس طرح مہاراجہ کو فیصلہ کرنے کیلئے زیادہ وقت مل جائے گا۔ لیکن جب کانفرنس کا وقت آیا تو مہاراجہ نے کہلا بھیجا کہ وہ درد قولنج کی وجہ سے صاحب فراش ہیں اور کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ (7)

تقسیم ہند سے 52 دن پہلے (24 جون 1947ء، 11 بجے سے 1/2 12 بجے دوپہر تک)

وائسرائے کی ملاقات نمبر 151۔ انتہائی خفیہ

ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی ملاقات:

پیراگراف نمبر 5: آخر میں ہم نے کشمیر کے بارے میں بات کی۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اپنے دورے کے آخری روز (اتوار کو) مہاراجہ سے ایک طویل ملاقات کرنی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے قریباً ایک گھنٹہ تنہائی میں بات چیت کرنا تھی اور کھانے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ

کیلئے مہاراجہ کے وزیر اعظم کو بھی گفت وشنید میں شامل ہونا تھا۔ بدقسمتی سے آخری روز مہاراجہ کی طبیعت ناساز ہو گئی چنانچہ ہمیں ملاقات منسوخ کرنی پڑی۔

میں نے پنڈت نہرو کو بتایا کہ ہز ہائی نس مہاراجہ ہری سنگھ اور ان کے وزیر اعظم نے زور دے کر اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ انکے فیصلے کے اعلان تک کانگریس یا مسلم لیگ کے کسی رہنما کو کشمیر نہیں جانا چاہیے کیونکہ کسی فیصلے تک پہنچنے سے پہلے سیاسی اشتعال انگیزی کی صورت میں انکی مشکلات بڑھ جائیں گی۔(8)

تقسیم ہند سے 49 روز قبل (27 جون 1947ء)۔۔(انتہائی خفیہ اور شخصی)

وائسرائے کی پرسنل رپورٹ نمبر 10:

پیراگراف نمبر 29: ریاستوں کے سوال پر نہرو اور گاندھی کا رویہ مایوس کن ہے۔ نہرو کا کہنا ہے کہ انہیں ہر حال میں کشمیر جانا ہے۔ تاکہ وہ اپنے دوست شیخ عبداللہ کو رہا کرا سکیں۔

گاندھی نے تجویز کیا کہ انہیں نہرو کی روانگی سے پہلے کشمیر جا کر انکے دورے کیلئے راستہ ہموار کرنا چاہیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ مہاراجہ کی طرف سے مجھے بھی ایک دعوت آئی رکھی ہے۔ مہاراجہ سے میرے پرانے مراسم ہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ (نہرو اور گاندھی) اس سلسلے میں اپنی کوششوں سے پہلے مجھے ایک موقعہ دیں کہ میں وہاں جا کر مہاراجہ اور انکے وزیر اعظم کے ساتھ مذاکرات کروں۔

نہرو اور گاندھی اس ضمن میں بہت بے تاب ہو رہے ہیں کہ مہاراجہ یکطرفہ طور پر اعلان آزادی نہ کر دے۔ انکی خواہش ہے کہ اسے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت پر رضا مندی کا اظہار کرنا چاہیے۔(9)

تقسیم ہند سے 43 روز قبل (3 جولائی 1947ء)

سردار ولبھ بھائی پٹیل بنام مہاراجہ ہری سنگھ:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیر کا مفاد صرف ہندوستان سے الحاق کرنے میں مضمر ہے۔ اس وقت سارے ہندوستان کی نظریں آپکی طرف لگی ہوئی ہیں اور یہ امید کی جارہی ہے کہ آپ درست فیصلہ کریں گے۔"(10)

تقسیم ہند سے 38 روز قبل (26 جون 1947ء کے خط کا جواب)

مہاراجہ ہری سنگھ بنام لارڈ ماؤنٹ بیٹن:

8 جولائی 1947ء مہاراجہ ہری سنگھ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے 26 جون کے خط کے جواب میں مہاتما گاندھی کے مجوزہ دورۂ کشمیر کے بارے میں لکھا:

''موجودہ حالات میں تمام عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مہاتما گاندھی اس برس اپنا مجوزہ دورۂ کشمیر منسوخ کر دیں تاہم اگر وہ اپنی شخصی وجوہات کی بنا پر ایسا نہ کر سکیں تو پھر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ انہیں یہ دورہ کم از کم اواخر خزاں تک ملتوی کر دینا چاہیے۔'' (11)

8 جولائی کو ہری سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کے نام انکے 27 جون کے خط کے جواب میں لکھا:

''کم از کم فی الوقت کشمیر کو دفاعی امور میں کسی ایک مملکت سے منسلک کرنے کا سوال زیر غور نہیں ہے۔ اور ہم کسی دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے نہیں بھیج رہے۔ ان معاملات کا فیصلہ حالات کی واضح شکل وصورت سامنے ہونے پر کیا جائے گا۔''

ان امور کے پیش نظر میں یور ایکسی لینسی سے مخلصانہ درخواست کروں گا کہ سیاسی رہنماؤں کو اس امر پر آمادہ کیجئے کہ وہ 1947ء کے دوران کشمیر کا دورہ نہ کریں۔ اگر مہاتما گاندھی اپنا دورہ منسوخ نہیں کر سکتے تو پھر یہ اس ریاست اور پورے ہندوستان کے بہترین مفاد میں ہوگا کہ وہ اپنا دورہ موسم خزاں کے اواخر تک ملتوی کر دیں۔ (12)

جولائی کے اواخر میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ نہرو کشمیر جانے پر تلے ہوئے ہیں انہوں نے یہ اپنا فرض سمجھا کہ اس نازک وقت میں نہروؔ کو کشمیر جانے سے روکیں۔ ماؤنٹ بیٹن جانتے تھے کہ مہاراجہ کشمیر اور وزیر اعظم رام چند کاک نہرو سے شدید نفرت کرتے ہیں اگر اس وقت نہرو نے کشمیر جانے کی ضد کی تو مہاراجہ ہری سنگھ وزیر اعظم کاک کے کہنے پر فوری طور پر پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ کشمیر کی حکومت عین اس وقت نہرو کو گرفتار کر لے جب کہ انہیں دہلی میں گورنر جنرل سے ہندوستان کا اقتدار سنبھالنا ہو۔ (13)

تقسیم ہند سے 19 دن پہلے (27 جولائی 1947ء)

پنڈت نہرو بنام لارڈ ماؤنٹ بیٹن:

پنڈت نہرو نے وائسرائے ہند کے نام اپنے ایک مکتوب میں کشمیر جانے پر اصرار کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ

> ''اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے کشمیر جانا ہے تو پھر مزید التوا کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ دہلی کی مصروفیات بھی زیادہ اہم ہیں اور میرا یہاں سے روانہ ہونا آسان نہیں ہوگا تاہم کشمیر میری پہلی ترجیح بن چکا ہے۔'' (14)

تقسیم ہند سے 18 روز قبل (28 جولائی 1947ء)

مسٹر گاندھی بنام ماؤنٹ بیٹن:

گاندھی جی نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک مراسلہ میں اطلاع دی کہ پنڈت نہرو نے گزشتہ رات مجھے بتایا ہے کہ چونکہ میرے (گاندھی جی کے) کشمیر جانے میں پس وپیش ہو رہی ہے لہٰذا انہوں نے خود ہی وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا ہے، خواہ انکا قیام صرف دو تین دن کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔ 28 جولائی کو ہی ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی جی کے خط کا جواب ارسال کیا:

> ''پنڈت کاک نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے آپ سے ملاقات کے دوران دو وجوہات بیان کی تھیں جسکی بنا پر حکومت کشمیر کسی سیاسی رہنما کے دورہ سے گریز کر رہی ہے۔ اس قسم کے کسی دورہ کے نتیجہ میں اندیشہ ہے کہ پنجاب میں جاری فسادات کشمیر کی حدود میں پھیل جائیں گے۔'' (15)

تقسیم ہند سے صرف 17 روز قبل (29 جولائی 1947ء۔ 6:45 شام)

ماؤنٹ بیٹن بنام ریذیڈنٹ کشمیر۔ ٹیلی گرام:

ماؤنٹ بیٹن نے ریذیڈیٹ کشمیر کے نام ایک ٹیلیگرام کے ذریعہ شام 6:45 پر یہ اطلاع دی کہ

''ہز ہائی نس مہاراجہ کو مطلع کر دیں کہ بڑی کوشش کے بعد نہرو سے یہ بات منوانے میں کامیاب ہو گیا ہوں کہ وہ اپنی جگہ گاندھی کو کشمیر بھیجیں۔ گاندھی 30 جولائی کی ٹرین سے دہلی سے روانہ ہونگے 31 جولائی کو راولپنڈی پہنچیں گے اور یکم اگست کو بذریعہ کار سری نگر پہنچ جائیں گے۔''(16)

تقسیم ہند سے صرف دو ہفتے قبل (رپورٹ وکٹوریہ شوفیلڈ اور ثناء اللہ بٹ)

مہاتما گاندھی کا دورہ سری نگر:

یکم اگست 1947ء کو مہاتما گاندھی سری نگر روانہ ہوئے۔ انہوں نے مہاراجہ اور مہارانی دونوں کو بھارت سے الحاق پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے واپسی سے قبل گاندھی نے اعلان کیا کہ ''میرا دورہ بالکل نجی اور غیر سیاسی نوعیت کا تھا'' لیکن سر کلاڈ آکنلیک کے پرائیویٹ سیکرٹری شاہد حامد لکھتے ہیں کہ

''حقیقت میں یہ دورہ مہاراجہ کو الحاق پر آمادہ کرنے اور پنڈت رام چند کاک کو وزیر اعظم کے منصب سے ہٹانے کے لیے تھا۔''

گاندھی کے دورے کا واحد نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ رام چند کاک کی جگہ 10 اگست کو میجر جنرل جنک سنگھ کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ (17) ثناء اللہ بٹ رقم طراز ہیں کہ

''مہاتما گاندھی سرینگر میں کئی دن ٹھہرے اور واپسی سے قبل انہوں نے گپکار محل میں مہاراجہ سے ملاقات کی جو ڈیڑھ گھنٹے جاری رہی۔ ملاقات کے موقعہ پر مہارانی بھی موجود تھیں۔ مہاتما گاندھی محل میں آئے تو انہیں مہاراجہ کی طرف دودھ کا گلاس پیش کیا گیا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر دودھ پینے سے انکار کر دیا کہ ''جس راجا سے اسکی پرجا ناراض ہو میں اسکے ہاں کچھ نہیں کھانا چاہتا۔'' اس موقعہ پر مہارانی نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر مہاتما گاندھی کو یقین دلایا کہ آپ معاملات کو سلجھانے کیلئے جو بھی ارشاد فرمائیں گے اسکی تعمیل ہو گی۔ جس پر مہاتما گاندھی دودھ پینے پر رضامند ہو گئے۔''

مہاتما گاندھی سے وعدہ کرنے کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان سے الحاق نہیں کیا۔

تقسیم ہند کے بعد:

14-15 اگست کو تقسیم ہند کے بعد بھی بھارتی رہنماؤں کی یہ کوششیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ ان کا دباؤ بدستور مہاراجہ کشمیر پر جاری رہا۔ نامور برطانوی مصنفہ وکٹوریہ شوفیلڈ لکھتی ہیں:

''مہاراجہ کی نہرو سے شدید نفرت کے باوجود کانگریسی رہنماؤں کی خط وکتابت جاری رہی۔ وزیراعظم نہرو اور وزیر داخلہ پٹیل باقاعدگی کیساتھ خط وکتابت کرتے رہے کہ کشمیر کو کسی طرح بھارت میں لایا جائے۔''

1971ء میں جب سردار پٹیل کی خط وکتابت اور دیگر مسودات کو شائع کیا گیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بھارت میں کانگریس کی اعلیٰ لیڈر شپ نے کس طرح خود کو بہ نفس نفیس اس منصوبہ بندی میں ملوث کر لیا تھا جس کے تحت کشمیر کو بھارت میں لانا مقصود تھا۔ (18)

سردار پٹیل نے اپنے طور پر دو افراد کو سرینگر دربار میں حالات پر نظر رکھنے اور سرگرمیوں کی رپورٹ کرنے کیلئے مقرر کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام رامادر تھا اور دوسرے کا رائے بہادر گوپال داس۔ یہ دونوں نہرو، پٹیل اور کرپلانی کی رہنمائی میں کام کر رہے تھے۔ انکی سرگرمیوں اور پٹیل کے نام 14 جولائی 1947ء کو رامادر کے ایک خط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کشمیر کو بھارت میں لانے کیلئے وہاں کس قدر زبردست کوششیں جاری تھیں۔ (19)

اسی دوران پٹیالہ، کپورتھلہ اور فرید کوٹ کے والیان ریاست نے بھی سرینگر کا دورہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی بھی سری نگر گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کر کے انہیں ہندوستان کے ساتھ الحاق پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

12 اگست 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ٹیلی گرامز کے تبادلہ کے ذریعہ پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ (Stand Still Agreement) عمل میں لایا۔ جسکا مقصد یہ تھا کہ تجارت، آمد روفت اور ڈاک تار وغیرہ کے شعبے اسی طرح کام کرتے رہیں جسطرح برطانوی ہند کے ساتھ جاری تھے۔ اس طرح پاکستان کو ریل، ڈاک تار اور دریائی تجارت پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ 15 اگست 1947ء کو ریاست جموں کشمیر اور پاکستان کے مابین معاہدۂ جاریہ پر باقاعدہ دستخط ہو گئے۔ وکٹوریہ شوفیلڈ کی نظر میں 14/15 اگست 1947ء کو جموں کشمیر سٹیٹ کو وہ خودمختاری واپس مل گئی جس سے 1586ء میں اکبر اعظم کے سامنے یعقوب شاہ چک دستبردار ہو گیا تھا۔ ریاست کی یہ

آزاد خود مختار حیثیت صرف 73 دن قائم رہی۔ (20)

اس معاہدے کا پاکستان کے کوتاہ اندیش حکمرانوں کے ہاتھوں کیا حشر ہوا۔ اس پر آگے چل کر بات کریں گے۔

حوالہ جات:

1. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 11
2. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 15
3. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 26، 27، 28
4. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 121، 122
5. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 29
6. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 64
7. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 65
8. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 30-32
9. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 35
10. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 125
11. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 42
12. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 40-41
13. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 123
14. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 47
15. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 48-49
16. وجاہت مسعود — مسئلۂ کشمیر اور تقسیم ہند — صفحہ 52
17. جگ موہن — مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر — صفحہ 83
18. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 135
19. محمد سلطان پانپوری — کشمیر ان چینز — صفحہ 151
20. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 132

قبائلی حملہ آوروں کی یلغار

پاکستان کے ارباب اختیار واقتدار گزشتہ 56 سال سے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ سرحد کے قبائلی لشکر اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد کیلئے از خود کشمیر میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن اب پلوں کے نیچے سے بہتیرا پانی بہہ چکا ہے۔ درجنوں ایسے حقائق اور ایسی دستاویزات سامنے آچکی ہیں جن سے اس "جہاد" کے اصل محرک اور در پردہ مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہم اس باب میں اپنی گزارشات کا آغاز میجر (ر) امیر افضل خان (حضور پاک کا سپاہی) کے "چشم کشا سلسلہ مضامین" کی قسط نمبر 10 میں کیے گئے ایک انکشاف سے کر رہے ہیں جو کہ روزنامہ نوائے وقت کی 21 ستمبر 2003ء کی اشاعت میں شامل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"خورشید انور بھی لیاقت علی کا خاص آدمی تھا جس نے سرینگر کیطرف پیش قدمی کا "ڈرامہ" کیا اور بھارت یا نہرو کی ضرورت پوری کی کہ سردیوں سے پہلے بھارتی فوج مہاراجہ کی امداد کیلئے پہنچ گئی۔" (1)

موصوف نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی کتاب "جہاد کشمیر 48-1947ء" کے دسویں باب میں بھی صفحات 131 سے 146 تک کیا ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"ہمارے ملک میں نہرو کی اس ضرورت کو کس نے پروان چڑھایا؟ قائداعظم کو تو بے خبر رکھا گیا تھا۔"

22 اکتوبر 1947ء کو پاکستانی افواج کے کمانڈر اِن چیف جنرل گریسی نے قائداعظم کو اطلاع دی کہ "پانچ ہزار قبائلی لشکر مظفر آباد کے راستے وادی میں داخل ہو گئے ہیں۔" قائداعظم کا فوری ردعمل یہ تھا کہ "مہاراجہ سے ہمارا جو معاہدہ ہوا ہے اس کا کیا بنے گا؟"

قدرتی طور پر قائداعظم محمد علی جناح کو اس خبر سے شدید صدمہ پہنچا۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدم بابائے قوم کو اندھیرے میں رکھ کر اٹھایا گیا تھا۔

اکتوبر 1947ء میں جو سرحدی قبائل کشمیر میں داخل ہوئے انکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

1۔ وزیر　2۔ محسود　3۔ سلیمان خیل　4۔ دوڑ

5۔ بھٹنی	6۔ توری آف	7۔ آفریدی	8۔ آدم خیل
9۔ مہمند	10۔ مینگل	11۔ کوچی	12۔ زوران
13۔ شنواری	14۔ پاونده	15۔ یوسف زئی	16۔ سالارزئی
17۔ غلجی	18۔ کنڈی		

ان قبائل کے رہنماؤں میں حسب ذیل حضرات شامل تھے۔ (2)

1۔ پیر صاحب مانگی شریف	2۔ پیر صاحب لانڈر	3۔ پیر صاحب زکوڑی شریف
4۔ کپتان میر بادشاہ محسود	5۔ نذر ملا	6۔ بادشاہ گل مہمند
7۔ پیر وانا شریف		

مسلم لیگ کے سابق صدر سردار شوکت حیات خان نے اپریل 1995ء میں روزنامہ جنگ لندن کے ساتھ ایک انٹرویو میں قبائلی یلغار کی خاصی تفصیلات بیان کیں۔ بعد میں ان کی کتاب The Nation that Lost its Soul اور اس کا اردو ترجمہ ''گم گشتہ قوم'' شائع ہو کر مارکیٹ میں آگئی جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ کشمیر پر قبائلی حملہ میں سوائے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے حکومت پاکستان پورے طور پر شامل تھی۔ سردار شوکت حیات خان کی کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''مجھے کشمیر آپریشن کا نگران مقرر کیا گیا۔ میں نے بریگیڈیئر شیر خان اور بریگیڈیئر اکبر خان کی شمولیت کا مطالبہ کیا ہر دو کا تعلق 13/2 فرنٹیئر فورس (پفرز) سے تھا۔ ہم نے یہ بھی درخواست کی کہ ہمیں وہ دیسی ساخت کی بندوقیں جو قلعہ لاہور میں پڑی ہیں دے دی جائیں۔ علاوہ اسکے ہم نے سابقہ آئی این اے کے جنرل کیانی، کرنل دارا اور تاج خانزادہ کو بھی اس مہم میں شامل کرلیا۔ (3)

''ایسے وقت غلام محمد وزیر خزانہ پاکستان اپنے ایک رشتہ دار میجر خورشید انور کو جو ریلوے بٹالین کا ایک ریزرو افسر تھا اور جس نے شمال مغربی سرحدی صوبے میں ریفرنڈم کے دوران مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے آنکھ مچولی کھیلی تھی، کی سفارش کی کہ اسے بھی ہائی کمانڈ میں شامل کیا جائے۔ اسکی قابلیت فقط اتنی تھی کہ وہ اور غلام محمد دونوں ککے زئی

تھے۔ میں نے اس سفارش کو اس بناء پر ٹھکرا دیا کہ میں کسی غیر فوجی شخص کو فوج کی کمانڈ نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن غلام محمد (وزیر خزانہ) اور لیاقت علی خان (وزیر اعظم) نے اصرار کیا کہ نیشنل گارڈ کو خوش کرنے کیلئے اسکی شمولیت منظور کی جائے۔"(4)

"بارہ مولا میں قبائیلوں نے خورشید انور کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ خزانے سے برآمد شدہ تین لاکھ روپے کی رقم کو قبائلی مجاہدین اپنی ملکیت سمجھنے لگے۔ اسی دوران انہوں نے مقامیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ بارہ مولا کانونٹ کی راہباؤں کے لاکٹ اور بُندے اتار لئے گئے۔ ان قبائلیوں نے بازار میں لوٹ مار شرع کر دی۔ اس طرح قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔۔۔۔ ہم نے کشمیر اپنی حماقتوں اور اناڑی پن سے کھویا۔"(5)

قبائلیوں کے بلا جواز حملے کے کشمیر اور پاکستان کی سیاسیات پر جو اثرات ہوئے ان پر کتاب لکھی جاسکتی ہے تاہم سماجی اور معاشرتی طور پر اس یلغار نے جو تباہی مچائی اس پر بھی مورخین نے بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہاں مختصر طور پر آزاد کشمیر کے سابق چیف جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف کی شہرہ آفاق تصنیف "کشمیریز فائٹ فار فریڈم" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"قبائلیوں کی ایک بڑی تعداد کوئی وقت ضائع کئے بغیر بارہ مولہ کے عوام پر ٹوٹ پڑیں اور چند گھنٹوں کے اندر کئی ایک عمارات نذر آتش ہو گئیں۔ پختہ اینٹوں کے مکانات میں زبردستی داخل ہو کر مکینوں کو موت کا خوف دلا کر لوٹ لیا گیا۔ دریائے جہلم کے بائیں کنارے بیسیوں مکانات جلا کر خاک کر دیئے گئے۔"

"سینٹ جوزف ہسپتال کی مدر سپیریئر تین راہباؤں (Nuns) اور ایک برطانوی جوڑے کو جو وہاں ٹھہرا ہوا تھا قتل کر دیا گیا۔ میرے پڑوس میں رہنے والے تین ہندو، شمبھو ناتھ، وید لال، اور ارجن ناتھ، جو تینوں سکول ماسٹر تھے قتل کر دیے گئے۔ جہاں تک لوٹ مار اور آتشزنی کا تعلق ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں برتی گئی۔"

"مثال کے طور پر چار بیٹیوں کے باپ غنی نامی ایک غریب جولاہے کی

لوئی (کمبل) ایک قبائلی بالجبر چھیننے لگا تو غنی نے پوچھا ''کیا تم لوگ اسی مقصد کیلئے کشمیر آئے ہو؟'' یہ سنتے ہی غنی کو موقع پر ہی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ مقامی سینما ہال کو عملاً ایک قحبہ خانے میں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک آسودہ حال مسلمان گھرانے کی تمام خواتین حفظ ماتقدم کے طور پر شہر سے باہر چلی گئی تھیں۔ بدقسمتی سے ان کی ایک بہو کسی وجہ سے گھر میں رہ گئی تھی۔ کسی قبائلی کی اس پر نظر پڑی اور اسے کیمپ میں ساتھ چلنے کا حکم دیا لڑکی نے حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اندر جا کر نئے کپڑے پہننے اور زیورات وغیرہ ساتھ لانے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی۔ لڑکی ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی جس میں گھوڑوں کیلئے چارہ رکھا ہوا تھا۔ لڑکی نے چارہ کو آگ لگا دی اور خود بھی اس میں کود گئی۔ نہ صرف وہ لڑکی اور اسکا گھر بلکہ محلے کے دوسو مکانات جل کر خاکستر ہو گئے۔''

''رسول نامی ایک شہری نے جو تیل نکالنے کی مشین کا مالک تھا۔ 200 قبائلیوں کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد ''مہمانوں'' نے عورتوں کا تقاضا کیا۔ خوش قسمتی سے تمام عورتوں کو پہلے سے ہی باہر بھیجا کا چکا تھا۔ گھر میں صرف ایک عمر رسیدہ دادی اماں تھیں۔ قبائلی نہایت بددلی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گئے۔''

''گھروں کو لوٹتے وقت صرف نقدی اور زیورات پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ سماوار اور پیتل کے برتن بھی اس خیال سے لوٹتے رہے کہ ان کا خیال تھا سونے کے بنے ہوئے ہیں۔ بعض قبائلیوں کو ایسے فرن Feran پہنتے ہوئے دیکھا گیا جو خواتین کا مخصوص لباس تھا۔''(6)

فریڈم ایٹ مڈنائٹ نے قبائلیوں کی کارگزاریوں پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''ہندوستانی فوج کو شروع میں جو کامیابی ملی اسمیں فوج کی چالاکی اور بہادری کے علاوہ ان 14 ننوں (Nuns) کا دخل بھی تھا جو ''فرانسکن مشنیریز آف میری'' نام کی تبلیغی تنظیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں ہر نسل کی راہبائیں تھیں۔ فرانس، سپین، اٹلی، سکاٹ لینڈ اور پرتگال سے انکا

تعلق تھا۔ سرینگر سے صرف 30 میل کے فاصلے پر بارہ مولہ میں انکا ہسپتال تھا۔ پٹھان مجاہدوں کو جس وقت سرینگر کے ہوائی اڈے پر اور کشمیر کی راجدھانی کی اہم سڑکوں پر ہونا تھا، اُس وقت وہ بارہ مولہ میں الجھے ہوئے تھے۔ گرجا گھر کے چھوٹے سے ہسپتال کے تمام مریضوں کو انہوں نے قتل کر دیا۔ انہوں نے راہباؤں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ گرجا گھر کی ہر ایک قیمتی چیز انہوں نے لوٹ لی، جس میں دروازے پر لگی ہوئی پیتل کی دستیاں بھی شامل تھیں۔ انکے اس گناہ کی سزا یہ ملی کہ پاکستان کی نئی مملکت سے کشمیر کو ملحق کرنے کا محمد علی جناح کا خواب دفن ہو گیا۔'' (7)

پاکستان کے نامور مؤرخ زاہد چوہدری نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' کی جلد 3 میں کشمیر پر قبائلی یلغار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

''قبائلی لشکر نے 22 اکتوبر کو مظفر آباد پر قبضہ کیا تو اس شہر میں تین دن تک ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ قبائلیوں نے بلا امتیاز غیر مسلموں کو قتل کرنے کے علاوہ انکی بہت سی عورتوں کو اغوا کیا اور انکے گھروں کو لوٹا۔'' سردار ابراہیم کا خیال یہ ہے کہ اس قتل عام اور لوٹ مار کی ذمہ داری خورشید انور پر ہی عائد ہوتی تھی جو قبائلیوں کے حملے کا انچارج تھا۔ لارڈ برڈوڈ کا بیان ہے کہ 26 اکتوبر کو بارہ مولا میں قبائلیوں نے جو قتل عام کیا اور جو لوٹ مار مچائی اسکی ذمہ داری بھی خورشید انور پر عائد ہوتی تھی۔ لیکن کسی فرد واحد کو اس ساری گھناؤنی کارروائی کا ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آفریدی اور محسود قبائلیوں نے محض اسلامی جذبے کے تحت کشمیر پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ انکا بڑا مقصد لوٹ مار بھی تھا۔ انہوں نے مظفر آباد اور بارہ مولا کے علاوہ میر پور، پونچھ، کوٹلی، جھنگر، نوشہرہ، اوڑی اور بھمبر کے قصبوں اور دیہات میں بھی بے محابا قتل و غارت، لوٹ مار، آتشزنی اور اغوا کی وارداتیں کی تھیں۔ ان قبائلیوں میں نظم وضبط کا نام ونشان نہیں تھا۔ یہ بالکل بے مہار اور غیر منظم تھے۔ ان سے حملہ کروانے سے پہلے انکی تنظیم وتربیت کا

کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب انہیں ہندوستان کی منظم اور تربیت یافتہ فوج کا سامنا کرنا پڑا تو یہ کسی جگہ بھی کامیابی سے مزاحمت نہ کر سکے۔ پاکستان کے ارباب اقتدار نے اس قسم کے قبائلیوں کے کشمیر پر حملے کا غیر سرکاری طور پر انتظام کر کے بڑی کوتاہ اندیشی کا مظاہرہ کیا تھا اور بعد میں اسکی سزا پوری پاکستانی قوم کو بھگتنا پڑی۔''(8)

قبائلی یلغار کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ مہاراجہ ہری سنگھ جو گزشتہ چھ ماہ سے نہرو اور اسکی حکومت کے دباؤ کا پامردی سے مقابلہ کر رہا تھا، اسی نہرو سے فوجی امداد کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا اور اسطرح 27 اکتوبر 1947ء کو بھارتی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اترنا شروع ہو گئیں۔

فریڈم ایٹ مڈ نائٹ کے اُردو ایڈیشن میں سعید سہروردی لکھتے ہیں:

''27 اکتوبر، دوشنبہ کی صبح سری نگر کے ویران اور سنسان ہوائی اڈے پر گڑگڑاہٹ کے ساتھ 9 ڈی سی ۔3 (DC-3) ہوائی جہاز اترے اور انہوں نے فرسٹ سکھ رجمنٹ کے 329 سکھوں کو آٹھ ٹن اسلحہ کے ساتھ کشمیر پہنچا دیا۔ یہ پہلی قسط تھی اس ایک لاکھ ہندوستانی فوج کی جو اس حسین سرزمین پر تعینات کی گئی تھی۔''(9)

یہ بات قابل غور ہے کہ قبائلی لشکر 26 اکتوبر کو بارہ مولہ پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہ 28 اکتوبر تک وہاں رکے رہے اور اس دوران بھارتی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعہ سری نگر میں اتر گئیں۔ بعد میں جب جنرل طارق نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ قبائلی لشکر کا سپہ سالار میجر خورشید انور، جسے حکومت پاکستان نے اس عہدے پر فائز کیا تھا، دو دن بارہ مولہ میں اسلئے رُکا رہا کہ سردار ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر حکومت آئیں اور میجر خورشید انور کو بتائیں کہ کشمیر کی حکومت میں اسکی کیا پوزیشن ہوگی۔

قائداعظم کو بالکل بے خبر رکھا گیا تھا:

قبائلی لشکر کو کشمیر میں داخل کرنے کے سارے منصوبے سے گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو بالکل اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ یہ حقائق بعد میں رفتہ رفتہ سامنے آتے چلے گئے۔ کے ایچ خورشید کی کتاب میموریز آف جناح (Memories of Jinah) جسے خالد

حسن نے مرتب کیا ہے، اس معاملہ پر خاطر خواہ روشنی ڈالتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''مہاراجہ ہری سنگھ بھارت اور پاکستان کے بارے میں ایک شش و پنج میں مبتلا تھا۔ فرقہ پرست ہندوؤں اور کانگریس کی سازشیں اسکے گرد گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ اس دوران پاکستان کے غیر منظم قبائلی لشکروں نے کشمیر پر دھاوا بول دیا۔ اسطرح اُس معاہدۂ جاریہ کی صریح خلاف ورزی کی گئی جو حکومت پاکستان اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان عمل میں آیا تھا۔ اس طرح کشمیر کی قسمت پر ڈاٹ لگا دی گئی۔''

یہ بات بڑی واضح ہے کہ قائداعظم کو کشمیر پر قبائلیوں کی یلغار کی بالکل خبر نہ تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس صدمے سے کبھی نہ نکل سکے۔ (10)

ملک خضر حیات خان ٹوانہ نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ:

''قائداعظم کو قبائلی یلغار کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ انہیں کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔'' (11)

چوہدری محمد علی کا انکشاف:

پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی نے انکشاف کیا:

''نہ قائداعظم کو اور نہ مجھے کشمیر کو فتح کرنے کیلئے قبائلیوں کی تیاریوں کا کوئی علم تھا۔ مجھے صرف ایک دن قبل لیاقت علی خان نے اسکی اطلاع دی۔ ساتھ ہی لیاقت علی خان نے یہ بھی کہا کہ قائداعظم کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔''

چوہدری محمد علی نے کشمیر اور حیدرآباد کے بارے میں بھی یہ انکشاف کیا کہ:

''دسمبر 1947ء میں۔۔ حقیقتاً 22 دسمبر 1947ء کو۔۔ بھارت کشمیر کے بارے میں تصفیہ کرنے کے موڈ میں تھا۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ اگر پاکستان حیدرآباد کو بھارت کیلئے چھوڑ دینے پر رضامند ہو جائے تو اس کے بدلے وہ کشمیر سے اپنے ہاتھ کھینچ لے گا۔''

چوہدری محمد علی کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اس کا ذکر مسٹر جناح سے کیا، تو وہ اس تجویز پر

رضامند نظر نہ آئے۔(12)

کے ایچ خورشید کا بیان:

''سری نگر سے میری واپسی پر، جب میں جنوری کے مہینے میں لاہور میں لیاقت علی خان سے ملا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ''قائداعظم کو اس منصوبہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا؟'' تو انہوں نے زبان سے کوئی جواب دینے کی بجائے سر کے ایک خفیف اشارے سے مثبت میں جواب دیا۔(یعنی واقعی انہیں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔)''(13)

کشمیر پر قبائلیوں کی یلغار کا پس منظر:

قبائلیوں کو کشمیر میں داخل کرنے کا جواز کیا تھا؟ اس سلسلے میں پاکستان کے صفِ اوّل کے ایک لیڈر سردار شوکت حیات خان نے، جو کہ مسلم لیگ کے مرکزی صدر اور حکومت میں کئی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں، اپنی کتاب ''گم گشتہ قوم'' میں اس بارے میں ایک بے سروپا مؤقف اختیار کیا ہے کہ

''ہندوستان نے سیکیورٹی کونسل کی قرارداد قبول کی، جس میں کشمیر کا فیصلہ ریفرنڈم کے ذریعے ہونا تھا۔ وہ اس ریفرنڈم کو حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا۔ اقوام متحدہ میں حلفیہ یقین دہانی کے باوجود رائے شماری کرنانے کے فیصلے پر عملدرآمد کرنے سے منکر ہو گیا۔ ہم نے مہاراجہ اور ہندوستان کی بدنیتی کو بھانپتے ہوئے کشمیر میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔''(14)

حقیقت یہ ہے کہ قبائلی لشکر کشمیر میں 22 اکتوبر کو داخل ہو گئے۔ بھارت نے مہاراجہ کشمیر کی درخواست پر اپنی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعے 27 اکتوبر کو سری نگر میں اتاریں۔ یکم جنوری 1948ء کو مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش ہوا اور 13 اگست 1948ء کو وہ قراداد منظور ہوئی جس میں کشمیری عوام کو حق خودارادیت دینے کیلئے رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا گیا، جسے بھارت اور پاکستان دونوں حکومتوں نے منظور کر لیا۔ ان حقائق کی روشنی میں سردار شوکت حیات خان کا بیان کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔

کشمیر میں قبائلی لشکر داخل کرنے کے منصوبے کا اصل پس منظر ''فریڈم ایٹ مِڈ نائٹ'' کے مصنفین نے اپنی کتاب میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب برطانیہ نے تقسیم ہند کا فیصلہ کرلیا تو افغانستان کے شاہ ظاہر شاہ نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ افغانستان کے جو علاقے انگریزوں نے ہندوستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں شامل کیے تھے، وہ واپس کیے جائیں۔ انگریزوں نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا تو ظاہر شاہ نے ایک بار پھر لکھا کہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان ڈیورنڈ لائن کی جو سرحد مقرر کی گئی تھی وہ ہم سے پوچھ کر نہیں بنائی گئی اسلیئے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اسکا بھی انگریزوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسکے بعد ظاہر شاہ نے خاموشی سے قبائلی علاقوں میں لشکر بھرتی کرنے شروع کیے۔ اسکا منصوبہ یہ تھا یہ کہ پشاور سمیت سرحد کے مختلف شہروں پر قبضہ کرلیا جائے۔

پاکستان کے اربابِ اختیار کو اس منصوبہ کی سُن گُن ہوگئی تو انہیں تشویش لاحق ہوگئی۔ باہمی مشورہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان قبائلی لشکروں کو سری نگر کا راستہ دکھادیا جائے۔ اس مقصد کیلئے علماء کی خدمات حاصل کی گئیں تاکہ وہ قبائلی علاقوں میں جاکر پٹھانوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔

''فریڈم ایٹ مِڈ نائٹ'' کے اُردو ایڈیشن کے مترجم سعید سہروردی لکھتے ہیں:

> ''ان پٹھانوں کو بھڑکا کر سرینگر پہنچایا جاسکتا تھا۔ افغانستان کے حکمران پٹھانوں کو اشتعال دے رہے تھے کہ وہ پشاور کو لوٹ لیں۔ اگر ان پٹھانوں کو سرینگر پہنچادیا جائے تو انکی نظریں پشاور سے ہٹ جائیں گی اور لوٹ مار کرنے کی بجائے وہ اپنی پیاس سری نگر کے بازاروں میں بجھائیں گے۔ وہ یقیناً ایسا ہنگامہ برپا کریں گے کہ مہاراجہ گھبراجائے گا اور پاکستان سے فوجی مداخلت کی درخواست کرے گا۔ اس بہانے سے پاکستان فوراً سری نگر میں اپنی فوج بٹھادے گا۔ مہاراجہ مجبور ہوکر پاکستان کے ساتھ کشمیر کا انضمام منظور کرے گا۔
>
> تین دن بعد پشاور کی ایک خستہ حال عمارت میں پٹھانوں کے نمائندوں کی ملاقات اس شخص سے ہوئی جسے پٹھانوں کو اشتعال دے کر سرینگر پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس کا نام میجر خورشید انور تھا۔ اس نے اسلام کا واسطہ دے کر پٹھانوں کو سمجھایا کہ اگر کشمیر میں فوراً کوئی کارروائی نہ کی گئی

تو وہاں کا ہندو مہاراجہ اپنی ریاست کو ہندوستان سے ملا دے گا جسکی وجہ سے لاکھوں مسلمان ہندوؤں کی مکار حکومت کے پنجے میں آجائیں گے۔ جہاد کی یہ دعوت پٹھانوں کے علاقوں میں برقی لہر کی طرح دوڑ گئی۔ جلد ہی چپکے چپکے ہتھیار اور تقسیم ہونے لگے۔" (15)

حوالہ جات:

1.	میجر (ر) امیر افضل خان	چشم کشا سلسلۂ مضامین	نوائے وقت 21 ستمبر
2.	مولوی فضل دین	انقلاب کشمیر	صفحہ 108
3.	سردار شوکت حیات خان	گم گشتہ قوم	صفحہ 278
4.	سردار شوکت حیات خان	گم گشتہ قوم	صفحہ 278
5.	سردار شوکت حیات خان	گم گشتہ قوم	صفحہ 280
6.	محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 906-907
7.	سعید سہروردی	فریڈم ایٹ مڈ نائٹ	صفحہ 223-224
8.	زاہد چوہدری	پاکستان کی سیاسی تاریخ (جلد 3)	صفحہ 168-169
9.	سعید سہروردی	فریڈم ایٹ مڈ نائٹ	صفحہ 223
10.	کے ایچ خورشید	میموریز آف جناح مرتبہ خالد حسن	صفحہ 12
11.	کے ایچ خورشید	میموریز آف جناح مرتبہ خالد حسن	صفحہ 59
12.	کے ایچ خورشید	میموریز آف جناح مرتبہ خالد حسن	صفحہ 82-83
13.	سردار شوکت حیات خان	گم گشتہ قوم	صفحہ 278
14.	سعید سہروردی	فریڈم ایٹ مڈ نائٹ	صفحہ 217-218
16.	سعید سہروردی	فریڈم ایٹ مڈ نائٹ	صفحہ 217-218

پاکستان کی جانب کیا ہو رہا تھا؟

پہلے ذکر آچکا ہے کہ 12 اگست 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک سے معاہدہ جاریہ کی تجویز پیش کی جسکا بھارت نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن پاکستان نے اس تجویز کو منظور کرلیا اور پہلے 12 اگست کو ٹیلیگرام کے ذریعہ اور بعد میں 15 اگست کو باقاعدہ معاہدہ کے تحت پاکستان نے ریل، ڈاک تار کے محکمے سنبھال لئے۔ لیکن اسکے بعد پاکستان کے حکمران لمبی تان کر سو گئے اور ان تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

> ''پاکستان سے معاہدہ قائمہ تو ہو گیا تھا، لیکن تعلقات خوشگوار نہ ہو سکے۔ پاکستانی حکام نے اناج، پٹرول اور دوسری ضروریات زندگی کی رسد کم کر دی اکتوبر میں مہر چند مہاجن کشمیر کے وزیر اعظم بن گئے۔ وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس رہ چکے تھے 15 اکتوبر کو مہاجن نے وزیر اعظم برطانیہ سے شکایت کی کہ حکومت پاکستان معاہدہ قائمہ پر عمل نہیں کر رہی ہے۔ رسد کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے اور سیالکوٹ سے جموں تک ریلوے کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا ہے۔''(1)

اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے رابرٹ ورسنگ رقم طراز ہیں:

''15 اگست کو جموں و کشمیر اور پاکستان کے مابین معاہدہ جاریہ پر دستخط ہو گئے تھے لیکن اکتوبر تک حکومت پاکستان کے کسی ذمہ دار افسر کو حکومت کشمیر سے رابطہ قائم رکھنے کیلئے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اکتوبر کے شروع میں ایک سفارت کار، کرنل اے ایس بی شاہ، سیکرٹری وزارت خارجہ کو سرینگر کی ضروریات کا جائزہ لینے کیلئے بھیجا گیا۔ یہ واحد پاکستانی نمائندہ تھا جو 15 اگست سے اخیر اکتوبر تک کشمیر گورنمنٹ سے بات چیت کرنے کیلئے بھیجا گیا۔(2)

جسٹس یوسف صراف نے بھی میجر اے ایس بی شاہ کے مشن کا ذکر اپنی کتاب میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''حکومت پاکستان نے اپنے ایک انتہائی نااہل بیوروکریٹ میجر اے ایس بی شاہ کو سری نگر بھیجا کہ مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ کشمیر کی سیاسیات اور اسکی باریکیوں سے بالکل ناواقف تھا۔ جسٹس مہر چند مہاجن، وی پی مینن اور گوپا لاسوامی آئینگر جیسے اعلیٰ دانشوروں سے معاملات طے کرنے کیلئے میجر شاہ جیسے شخص کو بھیجنا ناقابل فہم تھا۔ مہر چند مہاجن نے میجر شاہ کے بارے میں لکھا کہ میجر شاہ لاہور میں میرے سابق چیف جسٹس کا داماد تھا اور اب حکومت پاکستان میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں کوڑا اور دوسرے ہاتھ میں الحاق کی دستاویز لے کر سری نگر پہنچا تھا۔''

میجر شاہ سری نگر سے جاتے وقت یہ دھمکی دے گیا کہ ہز ہائی نس کو جلد ہی اپنی حماقت پر پچھتانا پڑے گا۔'' (3)

رابرٹ ورسنگ نے ایک اعلیٰ پاکستانی فوجی افسر (جسکا نام ظاہر نہیں کیا گیا) سے جون 1986ء میں لے گئے انٹرویو کے اقتباسات اپنی مشہور کتاب ''انڈیا پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ'' میں قلمبند کیے ہیں:

''بنیادی طور پر کشمیر کا مسئلہ مہاراجہ کشمیر یا بھارت نے نہیں، بلکہ پاکستانی لیڈروں کی اپنی حماقت سے پیدا ہو گیا تھا۔ وادی کے اندر خفیہ کارروائیوں، سپلائیز کی ترسیل میں رکاوٹ اور پاکستان کی طرف سے ہندو اور سکھ تارکین وطن کو کشمیر کے اندر دھکیلنے کی کارروائیوں سے قبل از وقت کشمیر کا مسئلہ کھڑا کر کے بھارت کی مداخلت کا موقعہ فراہم کیا گیا۔'' (4)

ایک اور نامور مغربی مصنف لارڈ برڈ ووڈ (Lord Birdwood) نے اس صورتحال ان الفاظ میں اپنی رائے قلمبند کی ہے:

''حقائق کی تلاش کرنے والے کسی بھی شخص کو حکومت پاکستان کی طرف سے کشمیر کے ساتھ کسی بھی اعلیٰ سطحی مذاکرات کی کوشش کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت حکومت پاکستان مہاراجہ کشمیر پر اقتصادی دباؤ بڑھا کر اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ سوچے بغیر ہی کہ اس قسم

''حکومت پاکستان نے اپنے ایک انتہائی نااہل بیوروکریٹ میجر اے ایس بی شاہ کو سری نگر بھیجا کہ مہاراجہ کو پاکستان سے الحاق کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ کشمیر کی سیاسیات اور اسکی باریکیوں سے بالکل ناواقف تھا۔ جسٹس مہر چند مہاجن، وی پی مینن اور گوپا لاسوامی آئینگر جیسے اعلیٰ دانشوروں سے معاملات طے کرنے کیلئے میجر شاہ جیسے شخص کو بھیجنا ناقابل فہم تھا۔ مہر چند مہاجن نے میجر شاہ کے بارے میں لکھا کہ میجر شاہ لاہور میں میرے سابق چیف جسٹس کا داماد تھا اور اب حکومت پاکستان میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں کوڑا اور دوسرے ہاتھ میں الحاق کی دستاویز لے کر سری نگر پہنچا تھا۔''

میجر شاہ سری نگر سے جاتے وقت یہ دھمکی دے گیا کہ ہز ہائی نس کو جلد ہی اپنی حماقت پر پچھتانا پڑے گا۔''(3)

رابرٹ ورسنگ نے ایک اعلیٰ پاکستانی فوجی افسر (جسکا نام ظاہر نہیں کیا گیا) سے جون 1986ء میں لے گئے انٹرویو کے اقتباسات اپنی مشہور کتاب ''انڈیا پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ'' میں قلمبند کیے ہیں:

''بنیادی طور پر کشمیر کا مسئلہ مہاراجہ کشمیر یا بھارت نے نہیں، بلکہ پاکستانی لیڈروں کی اپنی حماقت سے پیدا ہو گیا تھا۔ وادی کے اندر خفیہ کارروائیوں، سپلائیز کی ترسیل میں رکاوٹ اور پاکستان کی طرف سے ہندو اور سکھ تارکین وطن کو کشمیر کے اندر دھکیلنے کی کارروائیوں سے قبل از وقت کشمیر کا مسئلہ کھڑا کر کے بھارت کی مداخلت کا موقعہ فراہم کیا گیا۔''(4)

ایک اور نامور مغربی مصنف لارڈ برڈوڈ (Lord Birdwood) نے اس صورتحال ان الفاظ میں اپنی رائے قلمبند کی ہے:

''حقائق کی تلاش کرنے والے کسی بھی شخص کو حکومت پاکستان کی طرف سے کشمیر کے ساتھ کسی بھی اعلیٰ سطحی مذاکرات کی کوشش کے فقدان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت حکومت پاکستان مہاراجہ کشمیر پر اقتصادی دباؤ بڑھا کر اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ سوچے بغیر ہی کہ اس قسم

کے دباؤ کے اثرات خود اسکے (پاکستان کے) خلاف جاسکتے ہیں۔" (5)

عوامی سطح پر رابطے:

عوامی سطح پر کشمیر اور پاکستانی لیڈر شپ کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے بعد، ایس پی کالج سری نگر کے سابق پرنسپل ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے سرینگر کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر تاثیر لاہور کے رہنے والے تھے اور شیخ عبداللہ کے دیرینہ دوست تھے۔ تاثیر صاحب کے ساتھ راولپنڈی کے اس وقت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شیخ انوار الحق بھی تھے (جو بعد میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے تک پہنچے)۔

ڈاکٹر تاثیر نے شیخ محمد عبداللہ سے ملاقات کی اور انہیں پاکستان آکر محمد علی جناح سے ملاقات کرنے پر آمادہ کیا۔ اس بات کی تصدیق شیخ عبداللہ نے بھی اپنی خودنوشت "آتش چنار" میں کی ہے۔ (6)

اس دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک معتمد ساتھی جی ایم صادق کو گفت وشنید کیلئے ڈاکٹر تاثیر کے ساتھ لاہور بھیجا۔ بخشی غلام محمد وہاں پہلے سے موجود تھے۔ جی ایم صادق کو اس بات کا فکر تھا کہ پاکستانی حکام سے یہ یقین دہانی حاصل کی جائے کہ کسی غیر ریاستی شخص کو کشمیر میں جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہوگی، جیسا کہ تقسیم سے پہلے تھا۔ کیونکہ یہ افواہیں عام تھیں کہ صاحب ثروت پاکستانی کشمیر میں زمینیں خریدنے کیلئے ابھی سے تیاریاں کررہے ہیں۔

جی ایم صادق ابھی لاہور میں ہی تھے کہ خبر آئی کہ صوبہ سرحد کے قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا ہے چنانچہ صادق صاحب فوراً لاہور سے دہلی چلے گئے۔ (7)

خواجہ یوسف صراف نے اس مشن کا تفصیل سے ذکر کیا ہے:

> "اس موقعہ پر اہم پاکستانی شخصیات جن کے شیخ عبداللہ کے ساتھ ذاتی مراسم تھے سری نگر گئے ان میں میاں افتخار الدین، ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور ملک تاج الدین (منیجر ایسوسی ایٹیڈ پریس آف پاکستان) شامل تھے وہ سرینگر میں تین دن مقیم رہے اور انکے شیخ عبداللہ کے تفصیلی مذاکرات ہوئے۔ ایسا دکھائی پڑتا ہے کہ شیخ عبداللہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کے مخالف نہیں تھے لیکن ا ذہن میں ایسے خدشات موجود تھے کہ الحاق کے بعد پاکستان

کی جاگیردارانہ (Feudalistic) لیڈر شپ کشمیر سے کیا سلوک روا رکھے گی۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ الحاق کو دفاع امور خارجہ مواصلات اور کرنسی تک محدود رکھا جائے۔ مسٹر جسٹس شیخ انوار الحق نے مصنف (یوسف صراف) کو 28 جولائی 1974ء کو مظفر آباد میں چیف جسٹس محمود الرحمٰن کی موجودگی میں بتایا کہ سری نگر جانے والے وفد میں وہ بھی شامل تھے، اور یہ بات طے ہوگئی تھی کہ شیخ عبداللہ دہلی کا دورہ کرنے کے بعد کراچی بھی جائیں گے جہاں وہ پاکستان کی مرکزی حکومت سے ملیں گے۔ وفد نے شیخ عبداللہ کو یقین دلایا کہ وہ کراچی جا کر حکومت پاکستان کے سامنے انکے خیالات رکھیں گے۔ شیخ عبداللہ نے خواجہ غلام محمد صادق کو لاہور بھیجا تا کہ وہ مذاکرات جاری رکھ سکیں اور قائداعظم سے ملاقات کیلئے گراؤنڈ تیار کی جائے۔ (8)

ریاست کے نامور صحافی عبدالمجید قرشی اپنے ایک مضمون میں جو ہفت روزہ ''آزاد کشمیر'' کی 4 نومبر 1959ء کی اشاعت میں شائع ہوا، لکھتے ہیں کہ

''18 اکتوبر 1947ء کو مجھے مولوی محمد سعید مسعودی کی طرف سے امیرا کدل سری نگر میں پیغام ملا کہ شیخ عبداللہ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں فوراً لاہور روانہ ہو جاؤں، تا کہ ان مذاکرات میں شریک ہو سکوں جو خواجہ غلام محمد صادق اور مسلم لیگی حکومت کے مابین جاری تھے۔ شیخ صاحب نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ مذاکرات کو کسی بھی صورت میں ٹوٹنے نہ دیا جائے۔''

قرشی صاحب 20 اکتوبر کو روانہ ہو کر 21 اکتوبر کو سیالکوٹ پہنچ گئے 22 اکتوبر کو جب وہ لاہور روانہ ہو رہے تھے انہیں اطلاع ملی کہ قبائلی مظفر آباد میں داخل ہونے والے ہیں۔ 22 اکتوبر کو ہی جب وہ لاہور پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ قبائلیوں کے ریاست میں داخل ہونے کی خبر سن کر خواجہ غلام محمد صادق اور ان کے ساتھی ایک گھنٹہ قبل دہلی روانہ ہو گئے ہیں۔ (9)

روزنامہ پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض، جی ایم صادق کے ذاتی دوست تھے۔ فیض صاحب کا کہنا ہے کہ جب قبائلی یلغار کی اطلاع لاہور پہنچی تو صاف نظر آنے لگا کہ ہم سب کچھ کھو چکے ہیں۔ مہاراجہ کشمیر سے معاہدہ جاریہ کے دو ماہ کے اندر قبائلیوں کا ''جہاد'' شروع ہو گیا تھا جبکہ پس پردہ بھارت اور پاکستان دونوں حکومتیں کشمیر کو ساتھ ملانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ قبائلی

حملے کے ساتھ ہی کشمیر کے پاکستان سے الحاق کا موقع ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ بعد میں جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔(10)

حوالہ جات:

1. رئیس احمد جعفری — کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی — صفحہ 215
2. رابرٹ ورسنگ — انڈیا، پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ — صفحہ 288
3. محمد یوسف صراف — کشمیریز فائٹ فار فریڈم — صفحہ 803،804
4. رابرٹ ورسنگ — انڈیا، پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ — صفحہ 289
5. لارڈ برڈ ؤڈ — ٹو نیشنز اینڈ کشمیر — صفحہ 46
6. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 137
7. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 139
8. محمد یوسف صراف — کشمیریز فائٹ فار فریڈم — صفحہ 800
9. محمد یوسف صراف — کشمیریز فائٹ فار فریڈم — صفحہ 802
10. وکٹوریہ شوفیلڈ — کشمیر ان دی کراس فائر — صفحہ 139

تاریخ کا انتقام

جنت ارضی جموں کشمیر کا خطہ گزشتہ چار صدیوں سے (417 سال سے) غلامی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ 16ویں صدی میں مغلوں نے نصف صدی کی پے در پے جارحیت کے بعد 1586ء میں اس خطہ کو تسخیر کر کے اپنی سلطنت کا ایک حصہ بنالیا اور 166 سال اس پر حکمرانی کرتے رہے۔ مغلوں کو زوال آیا تو افغانوں نے 1753ء میں اسے تسخیر کر کے 67 سال تک اپنا غلام بنائے رکھا۔ افغانوں کے زوال کے بعد پنجاب کے سکھ فرمانروا رنجیت سنگھ نے افغانوں کو شکست دے کر اس پر اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ جو کہ 1846ء تک 27 سال تک قائم رہا، اور جب انہوں نے انگریزوں سے جنگ میں شکست کھائی تو تاوانِ جنگ کے طور پر اس خطہ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ جنہوں نے جموں کے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ اس خطہ ارضی پر حکمرانی کے حقوق 75 لاکھ روپے میں فروخت کر کے اسکے حوالے کیا اور وہ ایک صدی تک اس خطہ پر اپنی مطلق العنان حکومت چلاتے رہے۔

ان تمام ادوار کا تفصیلی احوال ہم گزشتہ ابواب میں بیان کر چکے ہیں۔ غلامی کے ان تمام ادوار میں کشمیر کے محب وطن عناصر قابض طاقتوں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے ہیں اور جابر حکمرانوں کے ہاتھوں ظلم وستم برداشت کرتے رہے ہیں۔

مغل شہنشاہ اکبر نے 1586ء مین کشمیر میں اپنا تسلط قائم کرتے ہی ایک شاہی فرمان کے تحت اسلحہ سازی کے تمام کارخانے بند کرادیے تھے اور کشمیریوں پر فوجی ملازمت کے دروازے بند کر دیے تھے۔ یہ سلسلہ بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا۔

مغلوں کو ابتدائی 3 سال 1586ء سے 1589ء تک، کشمیر پر اپنا اقتدار مستحکم اور مضبوط کرنے میں لگ گئے۔ انہوں نے ہر قسم اسلحے پر، جس میں باورچی خانے میں استعمال ہونے والی بڑی چھریاں اور چاقو بھی شامل تھے، مکمل پابندی لگادی۔ انہوں نے گھر گھر تلاشی لی خاص طور پر تہہ خانوں کو کھنگالا گیا کہ شاید ان میں کوئی چھپا ہوا اسلحہ مل جائے۔ 1589ء کے اخیر میں کشمیر کی وادیوں میں کسی فردواحد کے پاس کوئی اسلحہ موجود نہیں تھا۔ (1)

20 ویں صدی کے آغاز میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی جسکے نتیجے میں 1930ء کی دہائی میں کشمیری عوام نے منظم طور پر جدوجہد کا آغاز کیا اور اپنی جہدِ مسلسل کے نتیجے میں ریاست میں قانون ساز اسمبلی کے قیام کا حق حاصل کر لیا اور یوں جدید عوامی جمہوری تحریک کی دہلیز پر قدم رکھا۔

اسی دوران برصغیر میں برطانوی سامراج سے آزادی کیلئے مختلف سیاسی جماعتوں کی قیادت میں ایک زبردست تحریک چل پڑی جو آخر کار 1947ء میں تقسیم برصغیر اور بھارت و پاکستان دو آزاد مملکتوں کے قیام پر منتج ہوئی۔

کشمیر میں 1930ء کی دہائی میں جس جدوجہد کا آغاز کیا گیا تھا اسکا منتہائے مقصود شروع میں ''ذمہ دار نظام حکومت'' کا قیام تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ جدوجہد مکمل آزادی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ جب ہم 1946ء کی سیاسی صورتحال پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ریاست جموں کشمیر کی دونوں بڑی سیاسی جماعتیں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس مکمل آزادی کے مطالبے تک پہنچ گئی تھیں۔ اس سلسلہ میں مسلم کانفرنس نے جولائی 1946ء میں جو ''قراردادِ آزاد کشمیر'' منظور کی، اسکا واضح مقصد ریاست میں ایک آئین ساز اسمبلی کے قیام کے بعد ایک آئینی جمہوری حکومت کا قیام تھا اور نیشنل کانفرنس نے ''کشمیر چھوڑ دو'' کا جو نعرہ لگایا تھا اسکا مقصد بھی بظاہر یہی تھا۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مسلم لیگ کا مؤقف:

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تقسیم ہند کے اعلان کے بعد پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی رائے ہندوستانی ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں نہایت واضح اور دوٹوک تھی۔ مسلم لیگ کے مؤقف کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان نے 21 اپریل 1947ء کو حسب ذیل بیان اخبارات کے نام جاری کیا تھا:

> ''ہندوستانی ریاستیں، ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ معاہدے کرنے کیلئے آزاد ہیں یا وہ اپنے لئے مکمل خودمختاری کا اعلان بھی کر سکتی ہیں۔'' (2)

قائداعظم محمد علی جناح نے مختلف مواقع پر اپنی رائے کا کھلے الفاظ میں اظہار کیا۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

1. ''میری رائے میں ریاستیں اپنی خوشی کے مطابق خودمختار رہ سکتی ہیں۔ حکومت برطانیہ، برطانوی پارلیمنٹ، کوئی اور طاقت یا کوئی اور ادارہ ریاستوں کی خواہشات اور مرضی کے منافی

ان پر کوئی فیصلہ عائد نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا حق یا اختیار حاصل ہے۔" (3)

2. "ہم پہلے ہی واشگاف الفاظ میں واضح کر چکے ہیں کہ ہم کسی ریاست کو نہ مجبور کریں گے، نہ ڈرائیں دھمکائیں گے، نہ کسی اور قسم کا دباؤ ڈالیں گے۔ ہر ریاست کو اپنی مرضی اور خوشی سے فیصلہ کرنا چاہئے۔" (4)

تاہم اس سلسلے میں آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے سابق جنرل سیکرٹری محمد اسحاق قریشی کے ایک انٹرویو پر مبنی عامر احمد خان کا ایک مفصل مضمون ماہنامہ ھیرلڈ (Herald) کراچی کے شمارہ مارچ 1984ء میں شائع ہوا ہے۔ جس میں اہم حقائق سے پردے ہٹائے گئے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

"1946ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے 21 میں سے 12 نشستیں حاصل کر لیں۔ اسحاق قریشی مسلم کانفرنس کے پبلیسٹی سیکرٹری منتخب ہو گئے۔ وہ اس عہدے پر 1947ء تک فائز رہے۔"

"1947ء میں چوہدری غلام عباس اور آغا شوکت کی گرفتاری کے بعد چوہدری حمید اللہ خان کو مسلم کانفرنس کا قائم مقام صدر اور اسحاق قریشی کو جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ قریشی صاحب کو محبوس قائدین سے رابطے رکھنے کے فرائض بھی سونپے گئے۔"

"10 جولائی 1947ء کو ایم اے جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل نامزد کیا گیا۔ اسی روز چوہدری حمید اللہ خان اور محمد اسحاق قریشی کو پیغام ملا کہ قائداعظم ان سے 11 جولائی کو ملنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات فوراً کراچی روانہ ہو گئے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے قائداعظم کو پاکستان کا گورنر جنرل بننے پر مبارکباد پیش کی۔"

قائداعظم سنجیدہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک اہم اور سنجیدہ معاملے پر بات کرنے کیلئے بلایا ہے۔ انہوں نے کہا مہاراجہ ہری سنگھ سے ایک مشترکہ دوست کے ذریعے بات ہو گئی ہے۔ (انہوں نے اس دوست کا نام نہیں بتایا لیکن ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ نواب بھوپال کی بات کر رہے ہیں) انہوں نے کہا میں نے مہاراجہ ہری سنگھ کو اس بات پر رضامند کر لیا ہے کہ کشمیر کو ایک خودمختار ریاست بن جانا چاہئے۔ یہ بات بہت واضح تھی کہ قائداعظم کا ذہن اس بارے میں بہت صاف تھا کہ کشمیر کو کلی اختیارات اعلیٰ کی حامل خودمختار اور آزاد ریاست بن جانا چاہئے۔

قائداعظم کا خیال تھا کہ مہاراجہ ہری سنگھ اور پنڈت نہرو کے درمیان زبردست اختلافات موجود تھے۔اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

قائداعظم کے ساتھ اس ملاقات کے بعد چوہدری حمید اللہ خان اور اسحٰق قریشی دہلی چلے گئے اور وہاں انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں آزاد وخود مختار کشمیر کے نکتہ نظر کی کھل کر وضاحت پیش کی۔ پریس کانفرنس میں انکے بیانات روزنامہ ''ڈان'' اور روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ شائع ہوئے۔

اسحٰق قریشی کا بیان ہے کہ

> ''قائداعظم نے ان دونوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ انکے احکامات جیل کے اندر کشمیری رہنماؤں تک پہنچائے جائیں۔ چنانچہ اگلے دو ماہ وہ ان احکامات کے مطابق عمل کرتے رہے۔ چوہدری غلام عباس نے جیل سے یہ ہدایات بھیجی تھیں کہ مہاراجہ کے خلاف مظاہرے بند کیے جائیں۔ وہ مہاراجہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک موقعہ پر مہاراجہ نے خود بھی مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں جتنا جلد ممکن ہوسکا کوئی فیصلہ کرلیا جائے گا۔''(5)

اب ہم برصغیر کی مجموعی آئینی اور سیاسی صورتحال پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ منظر نامہ آتا ہے:

- برطانوی سامراج برصغیر کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کیلئے تاریخ بھی مقرر ہوگئی تھی۔
- مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل پاکستان اور غیر مسلم علاقوں پر مشتمل بھارت یا ہندوستان کے قیام کی منظوری دی جا چکی تھی۔
- ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں قانونِ آزادیٔ ہند (Indian Independence Act) میں یہ شق رکھی گئی تھی کہ ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں والیانِ ریاست فیصلہ کریں گے۔ انہیں یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو دونوں نوآزاد مملکتوں بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کرلیں یا چاہیں تو اپنی خودمختاری کا اعلان کریں۔
- اسی آئینی استحقاق کو کام میں لاتے ہوئے ریاست حیدرآباد نے خودمختاری کا اعلان کیا تھا اور ریاست جُوناگڑھ نے پاکستان کے الحاق کا اعلان کیا تھا۔ پاکستان نے ان دونوں

فیصلوں کو تسلیم کر لیا تھا اور قانونِ آزادیٔ ہند کے مطابق یہ دونوں فیصلے درست تھے۔

- جہاں تک ریاست جموں کشمیر کا تعلق ہے اوپر بتایا جا چکا ہے کہ دونوں بڑی سیاسی جماعتیں، نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس آزادی کی طلبگار تھیں۔
مسلم لیگ کے زعماء کا نکتہ نظر بھی اوپر کی سطور میں پیش کیا جا چکا ہے۔
- جہاں تک ریاست کے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کا تعلق ہے، یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ بھارت سے الحاق کے سخت خلاف تھا اور ریاست کو آزاد رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے بھارت کی حکومت اور سیاسی طاقت کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا تھا اور الحاق پر رضامند نہ ہوا تھا۔ پچھلے ابواب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ نہرو نے کشمیر جا کر ہری سنگھ کو الحاق ہند پر آمادہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خبردار کیا کہ اگر نہرو نے سری نگر جانے کی ضد نہ چھوڑی تو ہری سنگھ انہیں گرفتار کر لے گا اور کل جب مجھ سے انہیں بھارت کے وزیر اعظم کا چارج لینا ہوگا وہ سری نگر کی جیل میں پڑے ہوں گے۔
- کشمیر کے وزیر اعظم پنڈت رام چند کاک بھی الحاق ہند کے سخت خلاف تھے۔ یکم اگست 1947ء کو مہاتما گاندھی کا کشمیر کا دورہ کرنے کا مقصدِ واحد یہ تھا کہ رام چند کاک کو وزارت عظمیٰ سے ہٹایا جائے اور یہ مقصد انہوں نے پا ہی لیا تھا جب 11 اگست کو رام چند کاک وزارتِ عظمیٰ سے فارغ کر دیے گئے۔

ہری سنگھ کیلئے کشمیر کا جائز حکمران بننے کا درست راستہ یہ تھا کہ وہ احتیاط کے ساتھ عوامی نمائندوں اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات اور تبادلۂ خیالات کا ایک سلسلہ شروع کر دیتا اور عوام کے مختلف طبقوں کے نمائندوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرتا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ریاست کی ایک بڑی سیاسی جماعت مسلم کانفرنس پہلے ہی اس بات کے حق میں اپنی رائے دے چکی تھی۔ شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس اور کسان مزدور کانفرنس کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش کی جا سکتی تھی لیکن افسوس ہے کہ ہری سنگھ اور انکے وزیر اعظم رام چند کاک نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔

پنڈت رام چند کاک کا تعارف:

مہاراجہ ہری سنگھ کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ رام چند کاک کی شخصیت اور سیاسی نظریات کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے:

رام چند کاک 1893ء میں سرینگر میں پیدا ہوئے۔ انہیں جموں کشمیر میں آثار قدیمہ کا سب سے بڑا ماہر مانا جاتا ہے۔ انہیں بچپن ہی سے اس سے دلچسپی تھی۔ جموں کشمیر اور لداخ کے تاریخی آثار قدیمہ اور فنون پر انہوں نے ایک سو سے زیادہ کتابچے لکھے ہیں۔ انکی کتاب "کشمیر کی قدیم یادگاریں" (Ancient Monuments of Kashmir) ایک کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ 1935ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی اور آج تک اسکے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے کیرئیر کا آغاز ایک کارآموز کی حیثیت سے -/50 روپے ماہوار کی تنخواہ پر کیا تھا۔ 1920ء میں وہ آثار قدیمہ کے سپرنٹنڈنٹ اور 1948ء میں انہیں آرکیالوجی اینڈ ریسرچ کے ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ انہوں نے وادیٔ کشمیر، جموں، لداخ، میرپور اور ادھم پور کے پہاڑی علاقوں کیے آثار قدیمہ کا کھوج نکالا۔ انہوں نے مریو اور وارڈون (Marew & Wardwan) اور نواحی علاقوں کی زبانوں کا سروے کیا۔

1930ء میں انہیں ریاست کی وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ کئی دوسرے مناصب پر کام کرنے کے بعد 1938ء میں انہوں نے وزیراعظم گوپالاسوامی آئینگر کے ساتھ بحیثیت چیف سیکرٹری کام کیا۔ بعد میں وہ مہاراجہ ہری سنگھ کے وزیر دربار داری مقرر ہوئے۔ ہری سنگھ انکی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے بہت متاثر تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

1931ء میں گلگت میں ایک چرواہے کا پاؤں بکریاں چراتے ہوئے زمین میں دبی ہوئی ایک ہانڈی سے ٹکرایا۔ ہانڈی الٹ گئی تو اسمیں سے بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتابیں نکلیں۔ چرواہے نے وزیر وزارت (ڈی سی) کو اطلاع دی۔ جب کھدائی کی گئی تو وہاں سے مزید ہانڈیاں اور صندوق برآمد ہوئے جو قلمی نسخوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان گلگتی نسخوں (Gilgit Manuscripts) کی ساری دنیا میں دھوم مچ گئی۔ مہاراجہ کو اطلاع ملی تو اس نے پنڈت رام چند کاک کو گلگت بھیجا۔ کاک صاحب نے اس متاع بے بہا اور تہذیبی توشہ خانہ کو نہایت احتیاط سے سرینگر پہنچایا۔ وہاں اسے ایس پی کالج کے میوزیم میں محفوظ کر لیا گیا۔ 1947ء تک یہ خزانہ وہیں رہا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کو اسکی سُن گُن ہو گئی تھی۔ 1947ء میں نہرو نے حکومت کشمیر کو لکھا کہ پاکستان کے ہوائی حملوں سے بچانے کیلئے اسے عارضی طور پر دہلی منتقل کر دیا جائے۔ جب خطرہ ٹل جائے گا تو اسے واپس لایا جائے گا۔ لیکن یہ گرانقدر تہذیبی خزانہ آج تک کشمیر واپس نہیں لایا گیا۔

یہ مسودے پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں لکھے گئے تھے۔ ان کا رسم الخط کشمیری شارد
رسم الخط سے ملتا تھا۔ 1947ء تک دنیا بھر کے عالم خاص طور پر جاپان کے بودھ سکالر کشمیر آ کر ان پر تحقیق کرتے رہے ہیں۔

رام چند کاک ایک محب وطن کشمیری تھے۔ انہیں اپنے کشمیری ہونے پر فخر تھا۔ وہ عام طور پر کشمیری زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

1945ء میں جب برصغیر کا مستقبل ہر جگہ زیرِ بحث تھا، مہاراجہ ہری سنگھ نے باہر سے کسی کو بلانے کی بجائے کشمیر کی تاریخ اور جغرافیہ دونوں پر ماہرانہ عبور رکھنے والے ایک کشمیری کو منتخب کیا اور انہیں یکم جولائی 1945ء کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔

راجہ رام چند کاک مہاراجہ ہری سنگھ کی طرح ریاست جموں کشمیر کی آزادی و خودمختاری کے زبردست حامی تھے۔ وہ دونوں ہمسایہ ممالک کے ساتھ قریبی دوستانہ تعلقات رکھنے کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے رہنماؤں خاص کر وزیر اعظم لیاقت علی خان سے کئی ملاقاتیں کیں اور کشمیر کے مستقبل کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ (6)

کانگریس کی لیڈر شپ رام چند کاک کی سخت مخالف تھی۔ انکا خیال تھا کہ کاک بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یکم اگست 1947ء کو مہاتما گاندھی کے دورۂ کشمیر کا اہم ترین مقصد رام چند کاک کو وزارت عظمٰی سے ہٹانا تھا۔ گاندھی اسمیں کامیاب رہے۔

11 اگست 1947ء سوموار کا دن تھا۔ وزیر اعظم رام چند کاک ترال میں ویک اینڈ گزار کے شیر گڑھی میں اپنے دفتر پہنچے۔ وہ ابھی سٹاف سے ابتدائی علیک سلیک ہی کر رہے تھے کہ انہیں وزارتِ عظمٰی سے برطرفی اور گرفتاری کے وارنٹ دکھائے گئے۔

کئی سال جیل میں گزارنے کے بعد 1950ء میں انہیں رہا کر دیا گیا اور وہ کشمیر سے باہر چلے گئے۔ وہ بمبئی میں جلاوطنی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن انکے ماتھے پر کبھی بل نہ آیا۔ انکی خود داری ہمیشہ قائم رہی۔ وہ کبھی وزیر اعظم ہند نہرو، مہاراجہ ہری سنگھ یا وزیر اعظم کشمیر شیخ عبداللہ سے نہیں ملے۔ انہیں 1947ء میں اختیار کیے گئے اپنے سیاسی مؤقف یا عملی اقدامات پر کبھی پچھتاوا نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مستقبل انکے خیالات کی تصدیق کرے گا۔ انہوں نے 12 فروری 1983ء کو 90 سال کی عمر میں انتقال کیا۔

13 اگست 1947ء کو سری نگر میں متعین برطانوی ریذیڈنٹ کرنل ویب (Col. Webb)

نے ماؤنٹ بیٹن کے نام ٹیلی گرام کے ذریعہ پنڈت کاک کے بارے میں یوں تبصرہ کیا:

''کاک ہندو ہونے کے باوجود ان نتائج و عواقب پر نظر رکھے ہوئے تھے جو کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی صورت میں پیدا ہو سکتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ مسلم اکثریت اس فیصلے کو قبول نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ دونوں ملکوں کے ساتھ معاہدے کے حق میں تھے۔''

ڈاکٹر کرن سنگھ نے اپنی مشہور کتاب ''ہیئر اپیرانٹ'' (Heir Apparant) میں رام چند کاک کے بارے میں ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''رام چند کاک وہ واحد شخص تھا جس میں ایک قابل قبول حل کیلئے ایک مربوط اور قابل عمل کوشش بروئے کار لانے کی ذہنی استعداد اور قابلیت موجود تھی۔''

لُب لباب یہ ہے کہ ریاست کو آزاد و خود مختار رکھنے کا اختیار حکمران کے پاس تھا۔ حکمران ہری سنگھ اور اسکا وزیر اعظم دونوں آزادی کے حق میں تھے یعنی منزل مقصود سامنے آ گئی تھی۔ آزادی کی دیوی دروازے پر دستک دے رہی تھی اب دروازہ کھول کر اسے خوش آمدید کہنا تھا۔ لیکن فیصلے کی اس گھڑی میں ہماری لیڈر شپ کوتاہ اندیش ثابت ہوئی۔ شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کو انڈین نیشنل کانگریس کی جھولی میں ڈال دیا اور وطن کی آزادی کیلئے ہری سنگھ اور رام چند کاک سے اتفاق کرنے کی بجائے کشمیر کے بھارت سے الحاق کیلئے جواہر لعل نہرو کا ہاتھ بٹانے پر ڈٹ گئے اور محض اپنے وقتی اقتدار کی خاطر قوم کو بھارتی برہمن سامراج کا غلام بنا دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کشمیر کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ انہوں نے کشمیری عوام کی آزادی کیلئے عمر بھر جدوجہد کی تھی اور اس کیلئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کی تھیں۔ لیکن جب فیصلے کی گھڑی آئی تو وہ بھٹک گئے۔ جگ موہن لکھتے ہیں:

''یکم اگست کو گاندھی کی کشمیر میں آمد، 10 اگست کو رام چند کاک کی وزارت عظمیٰ سے برطرفی، 26 ستمبر کو غیر مشروط معافی نامہ داخل کرنے پر شیخ عبداللہ کی رہائی، پٹھان کوٹ اور جموں کے درمیان زمینی رابطے کی مضبوطی اور دریائے راوی پر کشتیوں کا پل بنانے کی سکیم سب اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ریاست کے بھارت کے ساتھ الحاق کیلئے زمین ہموار

کی جا رہی تھی۔"(7)

اسی قسم کا رول مسلم کانفرنس کی قیادت نے ادا کیا۔ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ جولائی 1946ء کے سالانہ کنونشن میں منظور شدہ "قراردادِ آزادیٔ کشمیر" میں مسلم کانفرنس مطالبہ کر چکی تھی کہ

"ریاست میں ایک ایسی آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو بالغ رائے دہی کے اصولوں پر منتخب کی گئی ہو اور جس میں معاشرے کے ہر فرقے اور ہر قومیت کو اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے نمائندے چننے کا اختیار ہو۔"(8)

مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری حمید اللہ خان نے 10 مئی 1947ء کو ایک بیان میں مہاراجہ سے یہ مطالبہ کر چکے تھے کہ وہ "بلاتاخیر ریاست کی مکمل آزادی و مختاری کا اعلان کر دے اور ایک دستور ساز اسمبلی بلائے تا کہ ریاست کے عوام اپنی خواہش کے مطابق دستور مرتب کر سکیں۔"

بیان میں مزید کہا گیا تھا کہ "مہاراجہ اس پالیسی پر عمل کرے تو وہ مسلمانوں کی حمایت اور تعاون پر انحصار کر سکتا ہے۔ مسلمان عوام مہاراجہ کا ایک جمہوری اور آزاد و خودمختار کشمیر کے پہلے آئینی بادشاہ کی حیثیت سے پُر جوش خیر مقدم کریں گے۔"(9)

مؤرخ محمد سرور عباسی لکھتے ہیں:

"چنانچہ چوہدری حمید اللہ خان نے مہاراجہ کشمیر کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً ریاست کو آزاد و خودمختار قرار دیا جائے۔ نیز ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے تا کہ عوام اپنی خواہشات کے مطابق اپنا دستور تیار کریں۔"(10)

لیکن جب فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تو مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے بھی ان فیصلوں کو پسِ پشت ڈال دیا اور محض اپنے وقتی مفادات کی خاطر پاکستان کے اربابِ اختیار کی جھولی میں گر گئے۔ اس موقع پر انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور قائدِ ملت چوہدری غلام عباس کی واضح ہدایات کو بھی نظر انداز کر دیا۔

سردار ابراہیم خان نے ٹھیک ہی کہا تھا:

"ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد و خودمختار رکھنے کی سیاسی لڑائی لڑ رہا تھا، کشمیری رہنما ریاست کی تقسیم کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔ مہاراجہ ریاست کے اتحاد اور وحدت کیلئے جو کوشش

کر رہا تھا اسے ریاست کی سیاسی قوتوں نے سبوتاژ کیا۔" (11)

یہ ناداں گِر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

ہم نے اس کتاب کے پہلے باب کا آغاز اس عبارت سے کیا تھا کہ

" تاریخ کے مختلف ادوار میں جب کسی قوم میں خود شناسی، اتحاد و یگانگت اور احساس ذمہ داری کی اقدار ترقی پر ہوں تو وہ قوم ترقی کی منزلیں طے کر کے اپنی تخلیقی توانائیوں کو کام میں لا کر تاریخ میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتی ہے۔ لیکن جب وہی قوم اپنی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے اتفاق واتحاد، بھائی چارہ اور باہمی رواداری کی اعلیٰ صفات سے محروم ہو جائے، تو زوال اور پستی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ آزادی کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے۔"

ہم نے دیکھا کہ تاریخ نے اقبالؒ کی اس "قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ" کی آزادی اور اقوام عالم میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے بار بار مواقع پیدا کیے۔ لیکن اسکے رہنماؤں نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان تمام مواقع کو ضائع کر دیا۔ اب جو کچھ اس قوم کے ساتھ ہو رہا ہے وہ تاریخ کا انتقام ہے۔

حوالہ جات:

1.	روزنامہ "ڈان" ہفت روزہ ایڈیشن	8 فروری 2004ء	صفحہ 3
2.	روزنامہ "ڈان"	21 اپریل 1947ء	----
3.	روزنامہ "پاکستان ٹائمز"	18 جون 1947ء	----
4.	روزنامہ "پاکستان ٹائمز"	13 جولائی 1947ء	----
5.	ماہنامہ ھیرلڈ	شمارہ مارچ 1994ء	صفحہ 52، 53، 54
6.	ہفت روزہ "چٹان" سرینگر	28 جولائی 2003ء	----
7.	جگ موہن	مائی فروزن ٹربیولینس ان کشمیر	صفحہ 83
8.	خواجہ یوسف صراف	کشمیریز فائٹ فار فریڈم	صفحہ 694
9.	زاہد چوہدری	پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 3	صفحہ 141
10.	سرور عباسی	ہفت روزہ "کشمیر" جلد 18 شمارہ 44	----
11.	روزنامہ "پکار" اسلام آباد	6 فروری 1987ء	----

کشورِ کشمیر اور اسکے پڑوسی ممالک

جموں کشمیر کے محل وقوع کو ایک تاریخی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ مملکت براعظم ایشیاء کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ اسلئے اسے ایشیاء کا دل قرار دیا جاتا ہے۔ اسے چاروں اطراف سے عوامی جمہوریہ چین افغانستان، پاکستان اور بھارت نے گھیر رکھا ہے۔ کشمیر کی سرحدوں کا محیط (کل لمبائی) 1700 میل ہے جس میں سے 750 میل چین کے ساتھ، 600 میل پاکستان کے ساتھ، 300 میل بھارت کے ساتھ اور 50 میل افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔

وسط ایشیاء کے ممالک تاجکستان اور ازبکستان کو واخان کی ایک تنگ پٹی کشمیر سے جدا کرتی ہے جسے روسی اور برطانوی سامراج نے 1890ء میں قائم کر کے افغانستان کے ساتھ ملا دیا تھا تاکہ یہ پٹی ایک بفرزون کے طور پر ان دونوں ممالک کی افواج کو ایک دوسرے کے خلاف پیش قدمی سے روک سکے۔

عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ کشمیر کے ہمیشہ نہایت قریبی دوستانہ تعلقات قائم رہے ہیں۔ حالیہ دور میں خاص طور پر چین کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی مکمل حمایت کرتا رہا ہے۔ 1964ء میں پاکستان کے ساتھ طے پانے والے، ایک سرحدی معاہدہ میں خاص طور پر دفعہ نمبر 6 کے تحت یہ طے کیا گیا ہے کہ

> ''بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ طے ہو جانے کے بعد متعلقہ بااختیار حکومت عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ یہ معاملہ پھر اٹھائے گی تاکہ چین اور کشمیر کی سرحدوں کے تعین کیلئے موجودہ سمجھوتے کی جگہ ایک ''معاہدہ'' (Treaty) عمل میں لایا جائے۔''

1962ء کی ہند چین جنگ میں کشمیر کے کچھ علاقے چین کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ 8616 مربع میل علاقہ اقصائے چین (لداخ) میں اور 555 مربع میل رقبہ دم چوک میں چین کے تصرّف میں چلا گیا تھا۔ بعد میں ایک موقعہ پر چین کے سفیر نے لاہور میں ایک تقریب میں اعلان کیا کہ جب بھی کشمیر کا مسئلہ حل ہو گیا چین یہ علاقے کشمیر کو واپس کر دے گا۔

فروری 1996ء میں ازبکستان کی وزارت خارجہ کے مشیر پروفیسر خدایا توف گوگا (Khidayatove Goga) نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ مظفر آباد کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ایک اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کشمیر اور وسط ایشیاء کے قدیمی تعلقات پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور مستقبل میں ان رشتوں کو دوبارہ استوار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کشمیر کے مستقبل کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خدایا توف نے کہا ''کشمیر کو ایک یونٹ کی حیثیت سے قائم رہنا چاہئے اور اس کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ تاشقند میں کشمیر کا کلچرل ونگ قائم ہونا چاہئے جو ہمارے درمیان حائل رکاوٹوں کو دور کر کے راستوں کو کھولے اور ہم اپنے خونی رشتوں کو دوبارہ استوار کرسکیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' و ''خبریں''۔ 13 فروری 1996ء)

پاکستان میں ایرانی سفارتخانے کے کلچرل اتاشی آقائے علی زو علم نے مظفر آباد میں خورشید نیشنل لائبریری کے گوشہ فارسی شناسی کا افتتاح کرتے ہوئے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایران اور کشمیر کے صدیوں قدیم رشتے ہیں جنکی وجہ سے کشمیر کو ایران صغیر کہا جاتا ہے۔ ایران کے میر سید علی ہمدانی اور کشمیر کے غنی کشمیری دونوں ملکوں کا مشترکہ سرمایہ ہیں اور ایران کے لوگ غنی کاشمیری کو فارسی کا سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ فارسی زبان صدیوں تک کشمیر کی دفتری زبان رہی ہے۔ سکھوں اور ڈوگرہ دور حکومت میں سارا کاروبار حکومت فارسی زبان میں سرانجام دیا جاتا رہا۔ 1925ء میں کشمیر میں فارسی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

ان سب پڑوسیوں میں سے کسی نے بھی کشمیر کی سرزمین کے کسی حصے پر اپنا دعویٰ نہیں کیا۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ انڈو چائنہ وار (ہند چین جنگ) کے دوران لداخ کے کچھ علاقے چین کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ چین کی حکومت نے اعلان کر رکھا ہے کہ جب بھی کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا چین اپنے زیر قبضہ علاقے کشمیر کو واپس کر دے گا۔

بدقسمتی سے کشمیر کے دونوں جنوبی پڑوسی ممالک بھارت اور پاکستان کشمیر کی سرزمین پر اپنا دعویٰ جمائے بیٹھے ہیں اور گزشتہ نصف صدی سے کشمیری عوام کے علاوہ ہندو پاکستان کے کروڑوں عوام کو بھی مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔

یہاں اس بات کا اظہار کرنا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کے شرق وغرب میں کتنے ہی ممالک

آزادی کی جنگیں لڑتے رہے ہیں اور دوسرے آزادی خواہ ممالک خاص کر پڑوسی ممالک نے انکی بھرپور مدد کی ہے۔ لیکن ایسے کسی مددگار ملک نے ایسے مصروف جدوجہد ملک کو اپنا حصہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ ویت نام اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا تو عوامی جمہوریہ چین نے اسکی بھرپور مدد کی۔ لیکن چین نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ویت نام ہمارا حصہ ہے۔ باوجودیکہ کلچر اور مذہب کے لحاظ سے ان میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ الجزائر کی جنگ آزادی میں ساری عرب دنیا اسکے ساتھ تھی۔ لیکن کسی عرب ملک نے اسے اپنا حصہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔

فلسطین ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو آس پاس کی کئی عرب ریاستوں میں گھری ہوتی ہے۔ فلسطین کا ساری جدوجہد آزادی پڑوسی عرب ملکوں کے سرمایہ سے چل رہی ہے۔ ان سب کی زبان ایک ہے، مذہب ایک ہے، نسل ایک ہے، لیکن کبھی کسی پڑوسی ملک نے اس پر اپنا دعویٰ نہیں جتایا۔ یہ عذاب صرف کشمیری قوم کے حصے میں آیا ہے کہ اسکے دونو آزاد پڑوسی ممالک نوآبادیاتی (Neo-Colonial) روّیہ اختیار کر کے کشور کشمیر کی زمین کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کشمیری قوم کا جذبہ آزادی سلامت رہا تو یہ ان توسیع پسند طاقتوں کے عزائم کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

غیر یقینی صورتحال کا طویل دورانیہ

گزشتہ 56 سال سے بھارت اور پاکستان کشورِ کشمیر پر غیر قانونی، غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر ناجائز قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ بھارت کے زیر تسلط علاقے کا رقبہ 50513 مربع میل ہے جبکہ پاکستان کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ 33958 مربع میل ہے۔ پاکستان نے اپنے زیر تسلط علاقے کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ گلگت بلتستان کے 29814 مربع میل کے وسیع علاقے کو شمالی علاقہ جات (Northern Areas) کا نام دے کر براہِ راست اپنے کنٹرول میں رکھا ہوا ہے۔ جبکہ 4414 مربع میل کے مختصر علاقہ پر ''آزاد کشمیر'' کے نام سے ایک حکومت قائم ہے۔ نام نہاد شمالی علاقہ جات کو پاکستان کے اربابِ اقتدار نے تمام جمہوری اداروں سے محروم کر رکھا ہے۔ اس پر انگریزوں کے دور کے مطابق پولیٹیکل حکام براہِ راست حکومت کرتے ہیں۔ آزاد کشمیر میں یوں تو ایک صدر ہے، وزیر اعظم ہے، کابینہ ہے، اسمبلی ہے، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ ہے تاہم یہاں حکومت سازی کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کیلئے ہم روزنامہ ''جنگ'' کے شکریہ کے ساتھ 1990ء میں شائع ہونے والے ایک کالم کا اقتباس پیش کر رہے ہیں۔

> ''آزاد کشمیر میں اب تک جو بھی حکومت قائم ہوئی ہے اس میں پاکستان کی وفاقی حکومت کا دخل رہا ہے۔ آج تک کوئی بھی حکومت وفاقی حکومت کی آشیرباد کے بغیر قائم نہیں ہوئی اور وزارت امور کشمیر نے آزاد کشمیر کی حکومتوں کے قیام میں اہم رول انجام دیا ہے۔ آزاد کشمیر میں پہلی حکومت کی تبدیلی اس وقت ہوئی جب شہید ملت لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے۔ اس دور میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ صدر کا انتخاب کرتی تھی۔ مجلس عاملہ کی سفارش اور شہید ملت کی خواہش کے مطابق کرنل احمد علی شاہ کو صدر مقرر کیا گیا انکے بعد بھی جو حکومتیں قائم ہوئیں ان میں وزیر اعظم پاکستان کی خواہش کا احترام کیا گیا۔ سکندر مرزا کے دور حکومت میں ایک بار سردار عبدالقیوم صدر مقرر ہوئے۔ حسین شہید سہروردی وزیر اعظم مقرر ہوئے تو

اس دور میں آزاد کشمیر میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور سردار ابراہیم کو صدر مقرر کیا گیا۔ 1958ء میں پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا اور ایوب خان نے آزاد کشمیر میں بھی تبدیلی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کے ایچ خورشید کو آزاد کشمیر کی سیاست میں لائے۔ پھر ایک وقت آیا جب خورشید کو صدارت سے علیحدہ کیا گیا اور عبدالحمید خان کو آزاد کشمیر میں اہم ذمہ داری سونپی گئی۔ ایوب خان کے دور میں سٹیٹ کونسل کے انتخابات ہوئے اور صدارت کیلئے عبدالحمید خان کی حمایت کی گئی۔ آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے ا ج کے باوجود ایوب خان کی مرضی کے مطابق صدر کا انتخاب عمل میں آیا۔ ایوب خان کے بعد حکومت یحیٰی خان کو ملی، انہوں نے فوج کے ایک اعلیٰ افسر عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کا صدر مقرر کیا۔ بھٹو کے دور حکومت میں انکی خواہش کے مطابق عبدالحمید خان کی حکومت قائم ہوئی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں میجر جنرل (ر) حیات خان اور پھر سردار عبدالقیوم خان کی حکومت قائم ہوئی۔۔۔۔''

''سیاسی مبصرین کا کہنا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ آزاد کشمیر کے 42 سال میں تاریخ میں جتنی تبدیلیاں آئی ہیں ان میں پاکستان کی وفاقی حکومت کو دخل رہا ہے اور اب 29 جون 1990ء کے وزیر اعظم کے انتخاب کے بعد قائم ہونے والی حکومت وزارت امور کشمیر اور وفاقی حکومت کی خواہش کے مطابق ہی قائم ہو رہی ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' 28 جون 1990ء)

ادھر بھارتی زیر تسلط کشمیر کا منظر نامہ کچھ یوں بنتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے 1947ء میں بلا کسی جواز کے کشمیر کی تحریک آزادی کو اپنے ''دوست'' جواہر لعل نہرو کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ جس کے عوض انہیں کشمیر کے بھارتی حصے کی حکمرانی کا انعام ملا۔

شیخ محمد عبداللہ بنیادی طور پر ایک آزاد خیال عوامی جمہوری مزاج کے رہنما تھے۔ انہوں نے کشمیر کے مستقبل کا سیاسی، سماجی اور معاشی خاکہ ''نیا کشمیر'' کی شکل میں 1944ء میں ہی پیش کر دیا تھا جو خاصا انقلابی اور جدید ترقی پسند خطوط پر ترتیب دیا گیا تھا۔ اقتدار میں آنے کے بعد شیخ

صاحب نے ایسے اقدامات کا آغاز کر دیا جو کانگرس سرکار کو ایک آنکھ نہ بھائے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہ نہرو اور پٹیل کی نظروں سے گرنے لگے اور انکے خلاف اندر ہی اندر سازشوں کا تانا بانا تیار ہونے لگا۔

1952ء تک کشمیر اور نئی دہلی کے درمیان اختلافات خاصے سنگین ہو گئے اور شیخ عبداللہ کانگرس کی ریشہ دوانیوں پر کھل کر تنقید کرنے لگے۔ مرکزی وزیر داخلہ کی طرف سے ایک سرکلر فوج کی بھرتی کرنے والے افسروں میں تقسیم کیا گیا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو فوج میں بھرتی نہ کیا جائے۔ ایک موقعہ پر شیخ عبداللہ نے بھارتی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل کری آپا سے شکایت کی کہ کارگل کے مسلمانوں کو فوج میں کیوں نہیں لیا جا رہا ہے؟ کری آپا نے جواب دیا:

''انکی ہندوستان سے وفاداری مشکوک ہے'' شیخ صاحب نے کہا ''پھر ہندوستان کو کیا حق ہے کہ وہ کرگل پر اپنا قبضہ جمائے رکھے۔۔۔''

(شیخ محمد عبداللہ ''آتش چنار''۔۔۔۔صفحہ 576)

11 اپریل 1952ء کو رنبیر سنگھ پورہ میں تقریر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:

''ہم نے بندھوا مزدوروں کی طرح ہند سے الحاق نہیں کیا کہ ہم پر الم غلم حکمناموں پر انگوٹھا لگانے کا حکم دیا جائے۔''

(شیخ محمد عبداللہ ''آتش چنار''۔۔۔۔صفحہ 576)

نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیاں خط و کتابت میں تلخی پیدا ہو گئی۔ 4 جولائی 1953ء کو شیخ عبداللہ نے پنڈت نہرو کو خط لکھ کر یقین دلانا چاہا کہ ''میں سیکولر جمہوریت پر ایمان رکھتا ہوں۔'' لیکن نہرو مطمئن نہ ہوئے اور اندر ہی اندر شیخ عبداللہ کو ہٹانے کی سازشوں پر کام کرتے رہے۔

9 اگست 1953ء کو شیخ صاحب نے گلمرگ کی ترقی سے متعلق مسائل پر غور کرنے کیلئے ایک اجلاس طلب کر رکھا تھا۔ وہ 8 اگست کی سہ پہر کو اپنی فیملی کے ساتھ گلمرگ روانہ ہوئے۔ انکے ساتھ انکے پرائیویٹ سیکرٹری آر بی رینہ اور ناظم اطلاعات جانکی ناتھ زتشی بھی تھے۔

8 اور 9 اگست کی درمیانی رات کو صبح کے 4 بجکر 20 منٹ پر انکے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا تو سیکرٹری رینہ نے انہیں بتایا کہ فوج نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس انکی گرفتاری کے وارنٹ اور وزارت عظمیٰ سے برطرفی کے احکامات لے کر آئے تھے۔

9 اگست کو بخشی غلام محمد نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا۔ اسکے بعد جو گھناؤنا کھیل کھیلا جاتا

رہا وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔

اسکے 31 سال بعد گلمرگ میں اسی قسم کا ایک اور ڈرامہ رچایا گیا۔ شیخ عبداللہ کا بیٹا ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھارتی کشمیر کا وزیر اعلیٰ تھا۔ 2 جولائی 1984ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ اپنی فیملی اور فلمسٹار شبانہ اعظمی کے ساتھ چند گھنٹوں کیلئے گلمرگ روانہ ہوا۔ ڈاکٹر فاروق کو کشمیر اسمبلی میں اکثریت کی حمایت حاصل تھی لیکن یہ اکثریت اسکے کسی کام نہ آئی۔ 1984ء کے آغاز سے ہی مقامی اخبارات یہ خبریں دے رہے تھے کہ مرکز ڈاکٹر فاروق سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ چند گھنٹوں کے اس مختصر عرصہ میں فاروق عبداللہ کے بہنوئی جی ایم شاہ کو کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ جی ایم شاہ نے اپنے چند حامی ممبران اسمبلی کے ساتھ کانگرس سے ساز باز کی اور پھر کچھ مزید ممبران کو ساتھ ملا کر فاروق عبداللہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کا اہتمام کیا گیا۔

یہ دونوں واقعات کشمیر میں صورتحال کی واضح عکاسی کرتے ہیں۔ یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔ سرینگر میں حکومت کی کرسی پر صرف وہی بیٹھ سکتا ہے جسے دہلی سرکار کی حمایت حاصل ہو۔

''آزاد کشمیر'' کتنا ایک آزاد ہے اس کی اصل حقیقت روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی میں حال ہی میں شائع ہونے والی چھوٹی سی خبر سے آشکار ہو جاتی ہے۔ خبر میں بتایا گیا کہ

> ''آزاد جموں کشمیر کی حکمران جماعت مسلم کانفرنس کے سپریم ہیڈ، سردار محمد عبدالقیوم خان نے جمعرات کی سہ پہر، کور کمانڈر راولپنڈی لیفٹیننٹ جنرل اشفاق پرویز کیانی سے ملاقات کی۔ ملاقات میں آزاد کشمیر میں وزراء کے مستعفی ہونے سے پیدا ہونے والے بحران پر تفصیلی غور کیا گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہنے والی ملاقات میں طے کیا گیا کہ آزاد جموں کشمیر کے صدر میجر جنرل سردار محمد انور خان، وزیر اعظم سردار سکندر حیات اور جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر سردار عتیق احمد خان مشترکہ طور پر عسکری قیادت سے ملاقات کریں گے۔ ذمہ دار ذرائع کے مطابق آزاد جموں و کشمیر کا سیاسی بحران آئندہ دو روز میں ختم ہو جائے گا اور وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان اپنے منصب پر قائم رہیں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' 5 مارچ 2004ء)

اس طرح ہمارے آج کے رہنماؤں کے طفیل وہ روایت قائم رہے گی جس کا اشارہ

روزنامہ ''جنگ'' کے کالم نگار نے آج سے **14** سال قبل دیا تھا کہ'' آزاد کشمیر کی تاریخ میں جتنی تبدیلیاں آئی ہیں ان میں پاکستان کی وفاقی حکومت کا دخل رہا ہے۔''

آج کل یوں تو پاکستان میں جمہوری حکومت قائم ہے اسکے باوجود وفاقی حکومت کا کردار آج بھی راولپنڈی کے کور کمانڈرز ادا کر رہے ہیں۔

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کشمیر کے قومی پرچم۔ عہد بہ عہد

530ء سے 1320ء تک:

کشمیر کی تاریخ میں قدیم ترین قومی پرچم 530ء سے 1320ء تک کا دریافت ہوا ہے۔ اسے 530ء کے لگ بھگ ظالم مہرگل کے زوال کے بعد اختیار کیا گیا تھا۔ 1320 عیسوی میں کشمیر میں اسلام کے ورود تک یہ کشمیر کا پرچم رہا۔ پرچم کی زمین نیلگوں (آسمانی) ہے۔ اسکے درمیان میں سنہرے رنگ کا سورج بنا ہوا ہے۔ سورج کی کرنوں کو زعفرانی (کیسری) رنگ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ سورج کی شبیہ پر سیاہ رنگ سے آنکھیں، ناک، اور ہونٹوں کا خاکہ بنایا گیا ہے۔ جھنڈے میں سورج کی موجودگی کشمیریوں کی سورج دیوتا سے وابستگی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ زعفران زمانہ قدیم سے ہی کشمیر کی اہم ترین پیداوار رہی ہے۔

1320ء سے 1586ء تک:

کشمیر میں ورودِ اسلام اور ایک مسلم مملکت کے قیام کے بعد پرچم کی تبدیلی کی ضرورت

محسوس کی گئی۔ چنانچہ جھنڈے کی نیلگوں زمین اور سورج کے سنہرے رنگ کو برقرار رکھتے ہوئے سورج کی شعاعوں کا رنگ کیسری سے سبز رنگ میں تبدیل کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں سورج کی شبیہ پر انسانی چہرے کی جگہ اللہ اکبر سبز رنگ میں لکھ دیا گیا۔

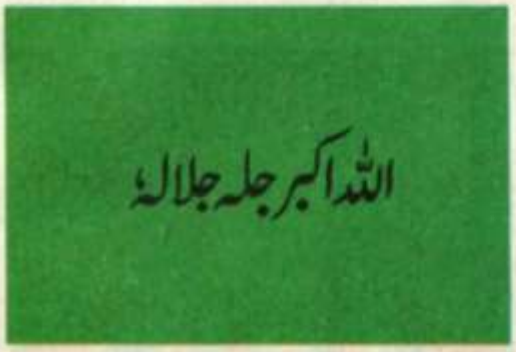

1586ء سے 1752ء تک:

1586ء میں کشمیر کی اندرونی سیاسی بدنظمی اور کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیری امراء کی مدد سے مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے کشمیر کو تسخیر کیا اور اسے اپنی عظیم مغل سلطنت کا ایک صوبہ قرار دیا۔ مغل حکمرانوں نے کشمیر کا پرچم تبدیل کر کے سبز زمین پر "اللہ اکبر جلہ جلالہٗ" لکھ دیا۔ یہ نعرہ اکبر کے دین الٰہی کے کلمہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ مغل حکمران 166 سال کشمیر پر حکومت کرتے رہے۔

افغان حکمرانوں کا پرچم 1752ء سے 1819ء تک:

1752ء میں جب مغلوں کی حکومت کشمیر میں کمزور پڑ گئی تو کابل کے افغان حکمرانوں نے کشمیری امراء کے تعاون سے مغلوں کو شکست دیکر کشمیر کو فتح کر لیا اور اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔ افغانوں نے بھی پرچم میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ جھنڈے کی سبز زمین کو برقرار

رکھتے ہوئے، مغلوں کے نشان ''اللہ اکبر جلّہ جلالہٗ'' کی جگہ سفید رنگ میں مسجد بنادی۔ افغانوں کا تسلط 67 سال قائم رہا۔

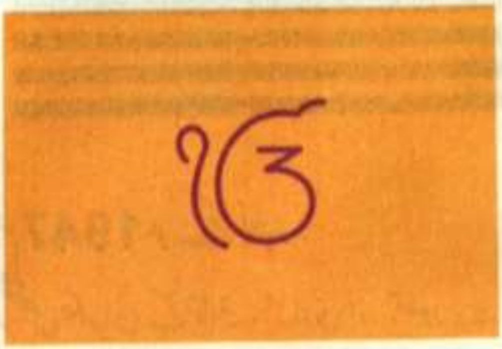

رنجیت سنگھ کی حکومت کا پرچم 1819ء سے 1846ء تک:

1819ء میں پنجاب کے سکھ حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ نے افغانوں کو شکست دے کر کشمیر سے بے دخل کر دیا اور اس مملکت کو اپنے ملک میں شامل کر لیا۔ ایک بار پھر کشمیر کا پرچم تبدیل کر دیا گیا۔ پیلے رنگ کی زمین پر سکھ دھرم کا نشان نقش کیا گیا۔

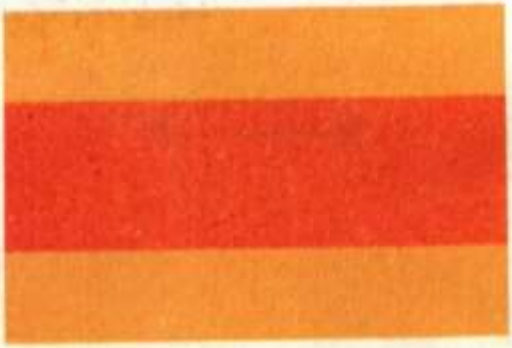

ڈوگرہ حکمرانوں کا پرچم 1846ء سے 1947ء تک:

1846ء میں جموں کے راجہ گلاب سنگھ نے فرنگیوں کو 75 لاکھ روپے ادا کر کے کشمیر کی حکمرانی خرید لی اور اسطرح ریاست جموں وکشمیر کی بنیاد رکھی۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے نیا پرچم اختیار کیا جو تین رنگوں کی افقی پٹیوں پر مشتمل تھا۔ جس میں سابقہ پیلا رنگ برقرار رکھا گیا تھا۔

کشمیر کا قومی پرچم 1947ء کے بعد:

1947ء کے بعد شخصی حکمرانی کے خلاف آزادی اور جمہوریت کی جدوجہد کا آغاز کشمیری عوام نے کیا تا کہ یہاں ایک عوامی جمہوری نظام حکمرانی قائم کیا جائے۔اس موقعہ پر ایک نئے قومی پرچم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ایک کشمیری پنڈت نے آزاد و خودمختار کشمیر کیلئے جو پرچم ترتیب دیا، اسمیں سابق سبز اور پیلے رنگ برقرار رکھے گئے اور سورج کی جگہ چاند اور ستارہ شامل کیا گیا۔پرچم کے نچلے حصے پر چار سفید افقی لکیریں جموں کشمیر کے چار بڑے دریاؤں سندھ، جہلم، چناب، راوی کو ظاہر کرتی ہیں۔اگر چہ فی الوقت یہ پرچم سرکاری طور پر صرف آزاد کشمیر میں لہرایا جاتا ہے۔تاہم کشمیری عوام نے اسے اپنا ایک قومی نشان گردانتے ہوئے آئندہ کیلئے متحدہ جموں کشمیر کے قومی پرچم کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔

نوٹ:

کشورِ کشمیر کے ان پرچموں کیلئے ہم "کشمیر ریسرچ اینڈ ریکارڈ سیل" میر پور آزاد کشمیر کے شکر گزار ہیں۔

یاد آئے کشمیر بہت

احمد شمیم مرحوم کا ایک یادگار مطلع

حبّ وطن دو لفظ سہی، اِن لفظوں کی تفسیر بہت
ہم نادار بہت ہیں لیکن، حبّ وطن جاگیر بہت

شاعر انقلاب نذیر انجم کی تضمین

طوق سلاسل کی جھنکاریں ہم سے مسلسل کہتی ہیں
سوچ کی سرحد پر پہرے ہیں، سچ پر ہے تعزیر بہت

روگ غلامی کا انساں کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے
خاکِ وطن آزادی کے متوالوں کو اکسیر بہت

اور بھی ہوں گے دیس بہت سے ہرے بھرے کھیتوں والے
پر اپنی مٹی کی خوشبو پاؤں کو زنجیر بہت

کوئی دیس جب اپنی آزادی کا جشن مناتا ہے
دل کا درد سُلگ اٹھتا ہے یاد آئے کشمیر بہت

جس گردن میں طوق غلامی وہ گردن ہر حال خم
جو قومیں آزاد ہیں انجم وہ ہیں خوش تقدیر بہت

کتابیات

1. اظہر دہلوی — اتحادی افسانے
2. احمد شجاع پاشا — مسئلہ کشمیر
3. اقبال ناتھ — ماہنامہ ''شیرازہ'' سری نگر
4. بشیر احمد قریشی — قائد کشمیر
5. پروفیسر فرید الدین — قدیم ہندوستانی فلسفہ
6. پروفیسر محی الدین حاجنی — مقالات حاجنی
7. ثناء اللہ بٹ — کشمیر 1947ء سے 1997ء تک
8. چراغ حسن حسرت — کشمیر
9. چوہدری غلام عباس — کشمکش
10. حکیم محمد موسیٰ — ''ادبی دنیا'' کشمیر نمبر
11. حشمت اللہ خان — تاریخ جموں
12. حبیب کیفوی — کشمیر میں اردو
13. خالد ارمان — گوتم بدھ
14. ڈاکٹر ناموس — گلگت اور شینا زبان
15. ڈاکٹر مبارک علی — تاریخ اور آگہی
16. ڈاکٹر صابر آفاقی — جلوۂ کشمیر
17. رشید اختر ندوی — ارض پاکستان کی تاریخ
18. رسول پونپر — وولرک مولر (کشمیری)
19. رشید تاثیر — تحریک حریت کشمیر
20. رئیس احمد جعفری — کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی
21. زاہد چوہدری — پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 3
22. سبط حسن — پاکستان میں تہذیب کا ارتقاٗ

23. سلیم خان گمی — کشمیر میں اشاعت اسلام
24. سید سلیمان ندوی — عرب اور ہند کے تعلقات
25. سلمان رشید — (پی ٹی وی، مذاکرہ)
26. سردار شوکت حیات خان — گم گشتہ قوم
27. سعید سہروردی — فریڈم ایٹ مِڈ نائٹ (اردو)
28. شیخ محمد عبداللہ — آتش چنار
29. شکیل احمد خواجہ — مسئلہ کشمیر۔ایک تاریخی جائزہ
30. علم الدین سالک — ''ادبی دنیا'' کشمیر نمبر
31. مائیکل ہارٹ (ترجمہ) — سو عظیم آدمی
32. محمد امین پنڈت — مختصر تاریخ کشمیر
33. محمد حفیظ سید — گوتم بدھ
34. منشی محمد دین فوق — مکمل تاریخ کشمیر
35. محمد عبداللہ قریشی — ''ادبی دنیا''، کشمیر نمبر
36. مرزا شفیق حسین — کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد
37. میجر امیر افضل — چشم کشا سلسلۂ مضامین
38. مولوی فضل دین — انقلابِ کشمیر
39. نصرت نثار — ''سنگرمال'' 2001ء
40. وجاہت مسعود — مسئلہ کشمیر اور تقسیم ہند
41. روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی
42. روزنامہ ''انقلاب'' لاہور
43. روزنامہ ''پکار'' اسلام آباد

BIBLIOGRAPHY

1. Alaister Lamb — Kashmir - A Disputed Legacy
2. Bilqees Taseer — Kashmir of Shiekh Abdullah
3. Fraser — Literary History of India
4. Hemen Ray — How Moscow Sees Kashmir
5. Joseph Carbel — Danger in Kashmir
6. Jag Mohan — My Frozen Turbulence in Kashmir
7. K.H. Khursheed — Memories of Jinnah
8. K. Warikoo — Central Asia & Kashmir
9. Khawaja Hameed Mumtaz — Recollections Men & Matters
10. Lord Birdwood — Two Nations and Kashmir
11. Margrett & Rolf Shetler — Kashmir, Ladakh & Zanskar
12. Mohib-ul-Hasan — Kashmir under the Sultans
13. Mohammad Yousaf Saraf — Kashmiris Fight for Freedom
14. M. Sultan Pampuri — Kashmir in Chains
15. Prem Nath Bazaz — History of Struggle for Freedom in Kashmir
16. P.N.K. Bamzai — Cultural and Political History of Kashmir
17. R.C. Mujimdar — The Vedic Age
18. Robert Wirsing — India, Pakistan & Kashmir Dispute
19. Sir John Dublin — History of India
20. Tolboy Wheeler — History of India
21. Victoria Schofield — Kashmir in the Crossfire
22. W.A. Hurst — History of India
23. Daily "The Dawn"
24. Daily "Pakistan Times"
25. Monthly "Herald"

کشمیر۔۔ گیان دھیان اور دھرم کا ساگر

گوپالاسوامی آئینگر

گوپالاسوامی آئینگر 1938ء میں کشمیر کے وزیراعظم بن کر آئے۔ آئینگر تامل ناڈو (سابق مدراس) کے رہنے والے تھے۔ نہایت قابل اور ذی فہم آدمی تھے۔ رام چند کاک انکے چیف سیکرٹری تھے۔ کاک صاحب نے ایک باران سے پوچھا ''شاید آپ کشمیر کی خوبصورتی کی وجہ سے یہاں ملازمت کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں''۔ آئینگر کے جواب نے کاک صاحب کو حیران کر دیا:

''میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ علم، تہذیب اور دھرم کا سب سے اعلیٰ اور سب سے پراچین منبع کشمیر ہے۔ ہمارے ہاں اب بھی رواج ہے کہ جب بچے کو پہلی بار پڑھنے کیلئے پاٹھ شالا بھیجتے ہیں تو اسے کشمیر کی طرف منہ کر کے سات قدم اٹھانے ہوتے ہیں، جسے ہم ''ست پدی'' کی رسم کہتے ہیں۔ یہ اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ کشمیر علم وفضل کا ایسا مانسرودور ہے۔ جس سے جُڑنے کے سوا نہ گیان حاصل ہو سکتا ہے، نہ دھیان یا دھرم۔''

آئینگر نے رام چند کاک کو بتایا:

''مجھے بتایا گیا ہے کہ وہاں اب بھی ایسے شاستری اور مہا گیانی موجود ہیں، جن کے سینوں میں پرکاش کا یہ دریا بہہ رہا ہے۔ میرے انتہائی جنوب (تامل ناڈو) سے انتہائی شمال (کشمیر) آنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں اس گیان کے سمندر میں ڈبکیاں لگانا چاہتا ہوں۔''

ہفت روزہ ''چٹان'' سری نگر

21 تا 27 جولائی 2003ء

مصنف کی دیگر تصانیف

1. شاہراہِ آزادی
2. جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں
3. کوہستانِ قراقرم سے بحرِ قزوین تک
(کشمیر اور وسط ایشیاء کے ممالک کے تعلقات)
4. Geographical Realties of Jammu Kashmir
5. کشمیر شناسی
(کشمیر پر لکھے گئے مضامین کا انتخاب)
6. کیا مسئلہ کشمیر تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے؟
7. کشمیری قوم اپنی منزل کی تلاش میں
8. چین اور کشمیر قدیم سیاسی اور ثقافتی رشتے
9. منگلا ڈیم کی کہانی

قارئین سے التماس

کتاب ''کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا مواد جمع کرنے میں کئی سال کی محنت شاقہ شامل ہے اور اس کی ترتیب وتدوین میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم اس میں ہم سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو یا آپ ہمارے علم میں اضافہ کرنا چاہتے ہوں تو ہم آپ کی رائے کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کریں گے۔

18 مارچ **2004**ء

ممتاز احمد ہاشمی

رضوان پبلشرز، بینک اسکوائر،

میرپور، آزاد کشمیر۔

فون نمبر: **058610-43789**

جی ایم میر

78-A، سٹریٹ نمبر **11**،

جناح آباد، ٹاؤن شپ، ایبٹ آباد

فون نمبر: **0992-380446**

نامور مؤرخ و محقق جناب جی ایم میر کی دیگر تصانیف

جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں

مستقبل کا کشمیر

کشمیر شناسی

عوامی جمہوریہ چین اور کشمیر

کشمیر اور وسطِ ایشیا

مسئلہ کشمیر — تقسیمِ ہند کا نامکمل ایجنڈا

شاہراہِ آزادی

کشمیری قوم اپنی منزل کی تلاش میں

امن کی آشا اور مسئلہ کشمیر

کشمیر کا ۲½ ہزار سالہ سیاسی اٹلس

Geographical Realities of Jammu-Kashmir

Fazal Dad Plaza, Iqbal Road,
Committee Chowk, Rawalpindi

Rs. 450

ISBN 969-611-002-2

9 789696 110026

Tel: 051-5541452, 5541474 Cell: 03005205746
Email: royalbooks@ymail.com, Web: www.theroyalbooks.com.pk